بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: ’’لاجمعۃ، ولاتشریق الا فی مصر جامع‘‘.

اخرجہ أبو عبید باسناد صحیح الیہ موقوفا. (اعلاء السنن)

مسائل جمعہ للحنفی

مرتب

احقر العباد محمد خالد حنفی

فاضل جامعہ مطلع العلوم کوئٹہ

المکتبۃ الحنفیۃ

کتاب کا نام : مسائل جمعہ للحنفی

مؤلف : احقر العباد محمد خالد حنفی

سن اشاعت : دسمبر ۲۰۲۱ء

تعداد : ۵۰۰

کمپوزنگ : ابوحنیفہ

پبلشرز : مکتبہ حنفیہ

رابطہ نمبر : ۰۳۳۷۹۷۳۵۵۷٤

ملنے کا پتہ

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان

آفتاب اسٹیشنری مین بازار مچھ بولان بوچستان

کتب خانہ رحمانیہ مسجد روڈ مستونگ

فیضی کتب خانہ اینڈ عصر محل مسجد روڈ مستونگ

فہرست مضامین

نمبرشمار — صفحات

عرض مرتب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی رفع درجات حملة الشرع المبین، ومن أراد به خیراً فقهه فی الدین، أشهد أن لا اله الا هو، وحده لاشریک له فی الدنیا والدین، فایاه نعبد وایاه نستعین، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله سید الأنبیاء والمرسلین، صلی اللّٰہ علیه وعلی آله وصحبه ومن تبعهم صلاة دائمة بدوام السماوات والأرضین.

أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے آخری اور مکمل دین جونوعِ انسانی کے لئے پسند فرمایا ہے وہ اسلام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً.

[سورۂ مائدہ آیت ٣]

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ عقائد ونظریات اور عبادات سے لیکر زندگی کے اخلاقی، معاشی، سیاسی اور تمدنی مسائل تک میں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

اس دین کی تعلیمات بڑی وسیع اور جامع ہیں، ہر زمانے اور ہر علاقے کے مقتضیات اور حوادث کے لئے ان میں رشد وہدایت ہے، نہ صرف یہ کہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی گزارنے کا دستور العمل ہے جس میں معاشی، معاشرتی اور کاروباری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بھی ہدایات ہیں، حلال وحرام اور معروف ومنکر اور اخلاق حسنہ اور سیئہ کی تفصیل بھی ہے، جسم وروح کی طہارت اور پاکیزگی کی تعلیم بھی ہے اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑے رکھنے اور اس کا قرب تلاش کرنے اور اس کے اوامر کو بجالانے اور

نواہی سے اجتناب کرنے کے بھی واضح احکام ہیں۔

دین اسلام کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے اور بالغ ہوتے ہی جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات فرض ہو جاتے ہیں اسی طرح ان احکامات کے مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ احکامات الٰہیہ میں سے ایک حکم نماز جمعہ کا ہے، فقہ اور فتاوی کی کتابوں میں نماز جمعہ کے مسائل کو مفصلاً بیان کیا گیا ہے، لیکن فقہ اور فتاوی کی کتابوں سے استفادہ کرنا ہر شخص کے لیے سہل بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اول تو ان کتابوں کا ہر شخص کے پاس موجود ہونا مشکل ہے، دوسرا یہ کہ قلتِ وقت کی وجہ سے ضخیم کتابوں کے مطالعہ کیلئے فرصت بھی نہیں ہے، تیسرا یہ کہ فقہ اور فتاوی کی ضخیم کتابوں سے مسائل کا تلاش کرنا اور ان سے استفادہ حاصل کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں ہے، اس لیے بندہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل وکرم سے نماز جمعہ کے مسائل کو مختلف کتابوں سے جمع کر کے ترتیب دیا ہے، ساتھ ساتھ جمعہ کے فضائل وحکمت کو بھی بقدر ضرورت شامل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے، اور صدقہ جاریہ بنائے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں کامیابی کا ذریعہ بنائے، اس کتاب کو مطالعہ کرنے والے، سننے والے، سنانے والے اور عمل کرنے والے کو بھی اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

بندہ محمد خالد حنفی

مدرس مدرسہ جامع مسجد مچھ وامام مسجد

عثمانیہ سمالانی کالونی مچھ بولان بلوچستان

۱۵/۶/۲۰۲۱

ضروری گزارش

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ الحمد للہ اس کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی گئی ہے، تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو، پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اغلاط وغیرہ نظر آئیں تو از راہ کرم مجھے ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔

بندہ محمد خالد حنفی

رابطہ نمبر: ۰۳۳۷۹۷۳۵۵۷٤

قران مجید سے جمعہ کا ثبوت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلاۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلاۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. وَاِذَا رَأَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا نِ انْفَضُّوا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَائِماً ط قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ وَاللّٰہُ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید وفروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تا کہ تمہارا بھلا ہو، اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

خلاصہ تفسیر: اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغلِ مانعہ عن السعی کمافی ردالمحتار) چھوڑ دیا کرو (اور تخصیص بیع کی بوجہ زیادہ اہتمام کے ہے کہ اس کے ترک کو فوتِ نفع سمجھا جاتا ہے) یہ (چل پڑنا مشاغل بیع وغیرہ کو چھوڑ کر) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی) پھر جب نماز (جمعہ کی) پوری ہو چکے (اور اگر ابتداء میں خطبہ مؤخر تھا تو نماز پورا ہونے سے مراد اس کا مع متعلقات کے پورا ہونا ہے، جس کا حاصل نماز اور خطبہ کا پورا ہو چکنا ہے) تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (یعنی اُس وقت دنیا کے کاموں کے لئے چلنے پھرنے کی اجازت ہے) اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو (یعنی اشغال دنیویہ میں ایسے منہمک مت ہو جاؤ کہ احکام وعبادات ضروریہ سے غافل ہو جاؤ) تا کہ تم کو فلاح ہو اور

(بعضے لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ نے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب وقرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور (اگر اس سے افزونی رزق کی طمع ہو تو سمجھ لو کہ) اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے (اس کی طاعاتِ ضروریہ میں مشغول رہنے پر رزق مقدر دیتا ہے، پھر کیوں اس کے احکام کو ترک کیا جاوے)

معارف ومسائل:

يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط یوم جمعہ، اس دن کو یوم جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے، اور آسمان وزمین اور تمام کائنات کی تخلیق جو حق تعالیٰ نے چھ دن میں فرمائی ہے ان چھ میں سے آخری دن جمعہ ہے، جس میں تخلیق کی تکمیل ہوئی، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز میں اُن کو جنت میں داخل کیا گیا، پھر اسی دن میں اُن کو زمین کی طرف اُتارا گیا، اسی دن میں قیامت قائم ہوگی، اور اسی دن میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں انسان جو بھی دُعاء کرے قبول ہوتی ہے یہ سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں (۱)۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے اجتماع اور عید کا ہر ہفتہ میں یہ دن جمعہ کا رکھا تھا، مگر پچھلی اُمتوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی، یہود نے یوم السبت (سینچر کے دن) کو اپنا اجتماع بنالیا، نصاریٰ نے اتوار کو، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس کی توفیق بخشی، کہ انہوں نے یوم جمعہ کا انتخاب کیا۔ (کمارواہ البخاری، ومسلم عن ابی ہریرۃؓ، ابن کثیر (۲)) زمانہ جاہلیت میں اس دن کو ''یوم عروبہ'' کہا جاتا تھا، سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوئی نے اس کا نام جمعہ رکھا، اور قریش اُس دن جمع ہوتے، اور کعب بن لوئی خطبہ دیتے تھے، یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانسو ساٹھ سال پہلے کا ہے۔

(۱/۲): (تفسير ابن كثير، ج: ٨، ص: ١١٩، ط، دار طيبه رياض)

کعب بن لوئی آنحضرت کے اجداد میں سے ہیں، اُن کوحق تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے بچایا، اورتوحید کی توفیق عطاء فرمائی تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خوش خبری بھی لوگوں کو سنائی تھی، قریش میں ان کی عظمت کا عالم یہ تھا کہ ان کی وفات جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانسوساٹھ سال پہلے ہوئی، اسی سے اپنی تاریخ شمار کرنے لگے، عرب کی تاریخ ابتداء میں بناء کعبہ سے لی جاتی تھی کعب بن لوئی کی وفات کے بعد اس سے تاریخ جاری ہوگئی، پھر جب واقعہ فیل آنحضرت ﷺ کی ولادت کے سال میں پیش آیا تو اس واقعہ سے عرب کی تاریخ کا سلسلہ جاری ہوگیا، خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کا اہتمام عرب میں قبل از اسلام بھی کعب بن لوئی کے زمانہ میں ہو چکا تھا، اوراس دن کا نام جمعہ رکھنا بھی انہی کی طرف منسوب ہے۔(مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ انصار مدینہ نے قبل از ہجرت فرضیت جمعہ نازل ہونے سے پہلے اپنے اجتہاد سے جمعہ کے روز جمع ہونے اور عبادت کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا(۳)، (کمارواہ عبدالرزاق باسناد صحیح عن محمد بن سیرین، از مظہری)۔ (معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ط، ادارۃ المعارف کراچی)

---

(۳):وأخرج عبدالرزاق، وعبد بن حميد، وابن المنذر، عن ابن سيرين قال: جمع أهل المدينة قبل أن يقدم النبي ﷺ، وقبل أن تنزل الجمعة، قالت الأنصار: لليهود يوم يجتمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارى مثل ذلک، فلهم فلنجعل يوماً نجتمع فيه فنذكر اللّٰه ونشكره. فقالوا: يوم السبت لليهود، ويوم الأحد للنصارى، فاجعلوه يوم العروبة، وكانوا يسمون الجمعة: يوم العروبة. فاجتمعوا الى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم، فسموا الجمعة حين اجتمعوا اليه، فذبح لهم شاة فتغدوا وتعشوا منها، وذلک لقلتهم، فأنزل اللّٰه فى ذلک بعد: (يايها الذين اٰمنوا اذا نودى)،الخ.

(الدرالمنثور فى التفسير بالمأثور، ج: ١٤، ص: ٤٦٩، ٤٧٠/المصنف لعبدالرزاق، كتا ب الجمعة، باب أول من جمع، ج: ٣، ص: ١٥٩، ١٦٠، رقم: ٥١٤٤، ط، المكتب الاسلامى)

حدیث سے جمعہ کا ثبوت

”عن طارق بن شھاب قال رسول اللہﷺ الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوک او امراۃ او صبی او مریض“. [ابو داؤد]

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نمازِ جمعہ ہر ایک مسلمان پر باجماعت ادا کرنا فرض ہے سوائے چار شخص کے، (۱) غلام پر (۲) عورت پر (۳) بچے پر (۴) مریض شخص پر۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

علماء نے جمعہ کی وجہ تسمیہ میں مختلف توجیہات اور وجوہات بیان کی ہیں، مثلاً: (۱): تخلیق انسانی کا سامان جمعہ ہی کے دن جمع کیا گیا، حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی جو پوری زمین سے لی گئی وہ جمعہ ہی کے دن جمع کی گئی، حدیث میں ہے:

”لأن فیھا طبعت طینة أبیک آدم“. (رواہ أحمد، مشکوۃ، ص: ۱۲۱، باب الجمعة الفصل الثالث)

”اس لیے کہ اس میں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کر کے خمیر بنایا گیا“۔

(۲): بعض کا کہنا ہے کہ جمعہ ”اجتماع“ سے نکلا ہے، جس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے قالب اور قلب کو اس دن جمع کیا گیا، یہ دونوں چالیس سال کی جدائی کے بعد آپس میں جمع ہوئے تھے، اس لیے ان کا نام جمعہ ہوا۔ (مسائل جمعہ، ص: ۲۷)

(۳): حضرت آدم علیہ السلام کے تخلیقی مادہ کو جمع کرنے کے بعد جمعہ ہی کے دن ان کی تخلیق کی تکمیل ہوئی، جس کا ذکر حدیث مذکور میں ہے: **”فیہ خلق آدم“** انسانِ اول سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی، جس کے بعد نسل انسانی کا سلسلہ چلا، یعنی انسانیت کی زندگی کا پہلا دن جمعہ ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام جو سارے انسانوں کے جامع اور کاروانِ انسانیت

کے فرد اول ہیں، انہیں جمعہ کی آخری گھڑی میں پیدا کیا گیا، اور حدیث میں جو فرمایا کہ ''جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جو دعا مانگی جائے وہ یقیناً قبول ہوتی ہے''۔ بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہی وہ گھڑی ہے جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آئی۔ (گلدستہ احادیث، ج:۲، ص:۴۳۲، ۴۳۳)

جمعہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں حضرت مولانا خالد سیف رحمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ: جمعہ کا نام کیوں رکھا گیا؟ خود اس بارے میں بھی اہل نقل کے یہاں خاصا اختلاف ہے اور حدیثیں اس سلسلے میں متعارض بھی ہیں، اور عموماً فنی اعتبار سے ضعیف بھی، بعض حضرات نے کہا ''کمال خلائق'' اسی دن جمع کئے گئے، بعضوں کی رائے ہے کہ آپ ﷺ کے آنے سے پہلے اسعد بن زرارہ نے، مسلمانانِ مدینہ کو جمع کرنا اور نماز پڑھانا شروع کیا تھا، اسی لئے انصار اس دن کو جمعہ کہنے لگے، بعضوں کا خیال ہے کہ کعب بن لوئی اس دن عربوں کو جمع کر کے حرم شریف کے سلسلے میں نصیحت کرتے، اور نبی آخر الزماں ﷺ کی عنقریب بعثت کا مژدہ سناتے، اس لئے یہ جمعہ سے معروف ہوگیا، بعض کتابوں میں کعب کی بجائے ''قصی'' کا ذکر کیا گیا ہے، ایک مشہور اور اکثر کتابوں میں مذکور روایت یہ ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کا سامان تخلیق اکٹھا کیا گیا تھا، ہر چند کہ یہ روایت بھی ضعف سے خالی نہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ کے بقول ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے قول کی حیثیت سے قوی سند کے ذریعہ اس کو نقل کیا ہے اور حافظ صاحبؒ کی رائے ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ (قاموس الفقہ، ج:۳، ص:۱۲۱، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

لفظ ''جمعہ'' کا تلفظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ: یہ بات کچھ کم دلچسپ نہیں کہ لفظ ''جمعہ'' کا تلفظ بھی شارحین کے اختلاف سے خالی نہیں، اس لفظ کو چار طرح نقل کیا گیا ہے:

(۱) میم کے پیش کے ساتھ۔

(۲) میم کے سکون کے ساتھ۔

(۳) میم کے زبر کے ساتھ۔

(۴) اور مشہور نحوی زجاج کے قول کے مطابق میم کے زیر ساتھ، تاہم پہلا قول ہی مشہور ہے اور اسی معروف قرأت کے مطابق قرآن مجید میں اس لفظ کو ادا کیا جائے گا۔ (قاموس الفقہ، ج:۳،ص:۱۲۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

جمعہ کے چند فضائل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں بھیجے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔ [صحیح مسلم شریف]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعے کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب دنوں سے بزرگ ہے اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عظمت ہے۔ [ابن ماجہ]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعے میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو ضرور قبول ہو۔ [صحیح بخاری ومسلم]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان جمعے کے دن یا شب کو انتقال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ [ترمذی]

ہر روز دوپہر کے وقت دوزخ تیز کی جاتی ہے مگر جمعے کی برکت سے جمعے کے دن تیز نہیں کی جاتی۔ (مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳،ص:۲۷، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

جمعہ اور میدانِ مزید

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرماتے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اس شان سے کہ ایک آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا اور اس آئینہ کے درمیان میں ایک نقطہ سیاہ جو بالکل نمایاں تھا، آپ ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے اور یہ آئینہ کیا ہے؟

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سیاہ نقطہ مزید ہے جس کے معنی زیادتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ

مزید کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک میدان ہے جنت میں اور جنت کے بالائی حصہ یعنی سو جنتیں ہیں اوپر نیچے اور ہر جنت آسمان وزمین سے بڑی ہے، سب سے اوپر کا حصہ جو عرش کے نیچے ہے اس میں ایک میدان ہے جو بالکل سفید ہے، اس کی گھانس بھی سفید، درخت بھی سفید، غرض ہر چیز سفید اور شفاف ہے اور فرمایا کہ اتنا بڑا میدان ہے کہ ہزار ہا برس ہوگئے مجھے گھومتے ہوئے کہ اب تک پوری طرح اس میدانِ مزید کی آخری حد کو نہیں پا سکا ہوں۔ حضور ﷺ نے اس میدان کا عرض معلوم کیا تو جبرائیل نے کہا کہ اس میدان میں (قیامت کے بعد جمعہ کے دن) دربارِ خداوندی منعقد ہوگا۔ اس میدانِ مزید میں (جمعہ کے روز) انبیاء علیہم السلام کے لیے منبر بچھائے جائیں گے، گول دائرے کی شکل میں نور کے منبر ہوں گے اور ہر نبی کے منبر کے پیچھے اس کی امت کی کرسیاں ہوں گی وہ پورا میدان بھر جائے گا۔ ان بیٹھنے والوں کی کرسیوں سے دنیا میں جتنا جس کو تعلق اپنے نبی اور دین سے تھا، اتنا ہی قریب ہوگا، منبر نبوی ؐ کے، اور وہ کرسیاں اس شان سے ہوں گی کہ ایک کے دیکھنے میں دوسرا حائل نہیں ہوگا۔

یہ جنت میں میدان مزید ہے اور ہر ہفتے (جمعہ) میں ایک بار اجتماع ہوگا۔ (مسائل رفعت قاسمی، مسائل نماز جمعہ، ص: ۲۹، ۳۰، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو سیّد الایام بنایا ہے

سوال: جمعہ مبارک کے روز کی اہمیت اور فضیلت کیا ہے؟ ذرا تفصیل سے لکھئے۔ الحمد للہ ہم تو مسلمان ہیں، جمعہ کی اہمیت اور فضیلت مانتے ہیں، لیکن ہم لوگوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ اپنے مذہب کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ ہمارے ساتھی سے ایک کمپنی میں ایک سکھ نے پوچھ لیا کہ آپ لوگ جمعہ کے دن چھٹی کیوں کرتے ہو؟ تو ہمارے ساتھی کے پاس کوئی تاریخی جواب نہیں تھا، تو ہم بہت شرمندہ ہوگئے۔

جواب: جمعہ کے دن کی فضیلت یہ ہے کہ یہ دن ہفتے کے سارے دنوں کا سردار ہے(۴)، ایک

---

(۴):عن أبی لبابة بن عبدالمنذر، قال: قال النبی ﷺ: ان یوم الجمعة سید الأیام وأعظمها عند اللہ....الخ. (مشکوة المصابیح، باب الجمعة، الفصل الثالث،=

حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی،اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا،اسی دن ان کو جنت سے نکالا (اور دنیا میں) بھیجا گیا۔اوراسی دن قیامت قائم ہوگی (۵)۔ایک اور حدیث میں ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ کی توبہ قبول ہوئی،اوراسی دن ان کی وفات ہوئی (۶)۔بہت سی احادیث میں یہ مضمون ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اس پر بندۂ مومن جو دُعا کرے وہ قبول ہوتی ہے (۷)۔جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ پر کثرت سے دُرود پڑھنے کا حکم آیا ہے (۸)۔یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی سی احادیث

=ص:۱۲۰، ط، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۵): وعن أبی هريرةؓ، قال: قال رسول اللهﷺ خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة، وفيه أخرج منها، ولاتقوم الساعة الا فی يوم الجمعة. رواه مسلم. (مشكوة المصابيح، باب الجمعة، الفصل الاول، ص:۱۲۰، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

(۶): عن أبی هريرةؓ، قال: خرجت الی الطور....قال رسول اللهﷺ: خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه أهبط، وفيه تيب عليه، وفيه مات، وفيه تقوم الساعة...الخ. (مشكوة المصابيح، باب الجمعة، الفصل الثانی، ص:۱۲۰، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

(۷): عن ابی هريرةؓ، قال: قال رسول اللهﷺ: ان فی الجمعة لساعة لايوافقها عبد مسلم يسأل الله فيها خيرا الا اعطاه اياه. متفق عليه. (مشكوة المصابيح، باب الجمعة، الفصل الاول، ص:۱۱۹، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

(۸): وعن أبی الدرداء،قال:قال رسول اللهﷺ:أكثروا الصلاة على يوم=

میں جمعہ کی فضیلت آئی ہے۔اس سکھ نے جوسوال کیا تھا،اس کا جواب یہ تھا کہ یوں تو ہمارے مذہب میں کسی دن کی بھی چھٹی کرنا ضروری نہیں،لیکن اگر ہفتے میں ایک دن چھٹی کرنی ہوتو اس کے لئے جمعہ کے دن سے بہتر کوئی دن نہیں، کیونکہ یہودی ہفتے کے دن کو معظم سمجھتے ہیں، اوراس دن چھٹی کرتے ہیں،عیسائی اتوار کو لائقِ تعظیم جانتے ہیں اوراس دن چھٹی کرتے ہیں،اوراللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو جمعہ کے افضل ترین دن کی نعمت عطافرمائی ہے،اوراس کوسیدالایام بنایاہے،اس لئے یہ دن اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کوعبادت کے لئے مخصوص کردیا جائے اوراس دن عام کاروبار نہ ہو۔(آپ کے مسائل اوران کاحل، ج:۴،ص:۱۰۸،۱۰۹، ط، مکتبہ لدھیانوی)

نماز جمعہ چھوڑنے کی نحوست

جوشخص مذکورہ بالافضائل اورخصوصیات کے باوجودنماز جمعہ چھوڑدےاورسستی اورغفلت کی بناپر جمعہ کی نماز نہ پڑھنے کا معمول بنالے،تواس سے بڑابدنصیب اورمحروم القسمت شخص اورکوئی نہیں ہوسکتا،ایسا شخص منافقوں کے طریقہ پرچلنے والاہےاوراس کوتاہی کی نحوست سےاس کے دل پرغفلت کی مہرلگادی جاتی ہے۔

اس سلسلہ کی بعض احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن عمر وابی هريرة رضی اللّٰه عنهم أنهما قالا سمعنا رسول اللّٰهﷺ يقول على اعواد منبره لينتهين اقوام عن ودعهم الجمعات او ليختمن اللّٰه على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين. [رواه مسلم، مشكوة ۱۲۱/۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ عمراورحضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پیغمبرعلیہ السلام کومنبر کے تختوں پر بیٹھے ہوئے یہ ارشادفرماتے ہوئے سنا کہ:’’یا تو لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پرضرورمہرلگادیں گے پھروہ یقیناً غافل لوگوں میں شامل ہوجائیں گے۔

=**الجمعة، فانه مشهود....الخ.** (مشكوة المصابيح، باب الجمعة، الفصل الثالث، ص: ۱۲۱، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

عن ابی الجعد الضمری رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہﷺ: من ترک ثلاث جمع تھاونا طبع اللّٰہ علی قلبہٖ. [مشکوۃ شریف ۱۲۱/۱]

ترجمہ: حضرت ابوالجعد ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے ارشادفرمایا کہ: ’’جو شخص تین جمعے سستی اور غفلت سے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں‘‘۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشادفرمایا کہ: ’’جو لوگ (بلاعذر) جمعہ میں شرکت سے پیچھے رہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں میرا دل یہ چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو جمعہ پڑھانے کا حکم دوں، پھر جو لوگ جمعہ سے رہ گئے ہیں ان کو ان کے گھر سمیت آگ لگا دوں‘‘۔ [مشکوۃ شریف ۱۲۱/۱]

بریں بنا ہم سب کو چاہئے کہ ہم اس عظیم الشان نعمتِ خداوندی (جو خاص طور پر امتِ محمدیہ کو عطا ہوئی ہے) کی قدر کریں، اور جمعہ کے مبارک وقت کو ہر اعتبار سے وصول کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔ (کتاب المسائل، ج:۱،ص:۴۵۲،۴۵۳)

نماز جمعہ کی حکمتیں

(۱) اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ کوئی عبادت پسند نہیں اور اسی واسطے کسی اور عبادت کی اس قدر سخت تاکید اور فضیلت شریعت میں وارد نہیں ہوئی اور اسی وجہ سے پروردگار عالم نے اس عبادت کو اپنے ان غیر متناہی انعامات کے ادائے شکر کے لئے جن کا سلسلہ پیدائش سے آخرت تک بلکہ موت کے بعد اور قبل پیدائش کے بھی منقطع نہیں ہوتا، ہر دن میں پانچ وقت مقرر فرمائے ہیں اور جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادی نعمتیں فائض ہوئی ہیں، حتی کہ حضرت آدمؑ جو انسانی نسل کے لئے اول ہیں، اسی دن پیدا کیے گئے۔ لہٰذا اس دن ایک خاص نماز کا حکم ہوا۔

جس قدر جماعت زیادہ ہوگی اُسی قدر فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب مختلف محلوں کے لوگ اس مقام کے اکثر باشندے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں اور ہر روز پانچوں وقت یہ کام تکلیف کا باعث ہوتا، ان وجوہ سے شریعت نے ہفتے میں ایک ایسا دن مقرر فرمایا جس میں مختلف محلوں اور

دوسرے علاقہ کے لوگ آپس میں جمع ہوکراس عبادت کوادا کریں اور چونکہ جمعے کا دن تمام دنوں میں افضل اور اشرف تھالہٰذا یہ تخصیص اسی دن کے لئے کی گئی۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) ایک مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جاہل بھی اور عالم بھی، لہٰذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہوکر ایک دوسرے کے سامنے اس عبادت کوادا کریں کہ اگر کسی سے کچھ غلطی ہوجائے تو دوسرا اس کو بتادے، تعلیم کردے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پرکھے والے اُسے دیکھتے ہیں۔ جوخرابی اس میں ہوتی ہے بتلا دیتے ہیں۔اور جو عمدگی ہوتی ہے اُسے پسند کرتے ہیں، پس یہ ایک ذریعہ نماز کی تکمیل کا ہوگا۔

(۲) جولوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی حال کھل جائے اور ان کے لیے وعظ ونصیحت کا موقع ملے گا۔

(۳) جماعت میں یہ بھی فائدہ ہے کہ تمام مسلمانوں کوایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی اور ایک دوسرے کے درداور مصیبت میں شریک ہوسکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار واستحکام ہوگا۔ جو شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے جس کی تاکید جا بجا قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

(۴) چند مسلمانوں کامل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے نزول رحمت اور قبولیت کے لیے۔(علم الفقہ ص۸۰ ج۲)

(۵) روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلّہ ہی کے مسلمان جمع ہوسکتے ہیں، اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا کہ جس میں پورے شہراور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے لئے ایک بڑی مسجد میں جمع ہوجایا کریں، اور اجتماع جمعہ کے لئے ظہر کا وقت زیادہ موزوں ہوسکتا تھا، اس لئے وہ ہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی اور اس اجتماع کو تعلیمی وتربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لیے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی

کر دیا گیا۔(مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳،ص:۳۰،۳۱، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

جمعہ کے سنن وآداب

(۱) ہر مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا اہتمام پنجشنبہ (جمعرات) سے کرے۔ پنجشنبہ کے دن عصر کے بعد استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور پہننے کے کپڑے صاف رکھے اور اگر خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لا رکھے تا کہ پھر جمعہ کے دن ان کاموں میں مشغول نہ ہونا پڑے۔ بزرگانِ سلف نے فرمایا کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام پنجشنبہ سے کرتا ہو اور سب سے زیادہ بد نصیب وہ ہے جس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ جمعہ کب ہے حتیٰ کہ صبح لوگوں سے پوچھے کہ آج کون سا دن ہے۔

(۲) جمعہ کے دن غسل کرے سر کے بالوں کو اور سر کو خوب صاف کرے زیرِ ناف اور بغلوں کے بال صاف کرے سر کے بال منڈائے یا ٹھیک کرائے لبیں وغیرہ بنوائے ناخن کتروائے۔ بہتر یہ ہے کہ بال منڈانا و ناخن کترانا جمعہ کے بعد ہو کیونکہ جمعہ میں کیفیت حج کی سی ہے اور حج میں فراغت کے بعد بنواتے ہیں۔ نیز یہ کہ نمازی کے بدن کے یہ اجزا بھی نماز جمعہ میں شرکت کی فضیلت حاصل کر سکیں گے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ بال یا ناخن بے جا طور پر بڑھے ہوئے نہ ہوں ورنہ قبل نماز جمعہ ہی افضل ہو گا، بعض کے نزدیک ہر حال میں نماز جمعہ سے پہلے ہی بال و ناخن کترانا افضل ہے اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ اور مسواک کرے کہ اس دن مسواک کرنا بہت فضیلت رکھتا ہے بہتر یہ ہے کہ غسل کے وضو سے ہی جمعہ پڑھے کیونکہ بعض کے نزدیک غسل نماز کی سنت ہے لیکن اگر غسل کیا اور اس کے بعد بے وضو ہو گیا اور وضو کر کے جمعہ پڑھا تب بھی سنت غسل ادا ہو جاتی ہے کیونکہ بعض کے نزدیک یہ جمعہ کے دن کی سنت ہے اس میں وسعت زیادہ ہے۔ پھر اچھے کپڑے پہنے جو اس کے پاس ہوں بہتر یہ ہے کہ وہ سفید ہوں اگر روزمرہ کے کاروبار کیلئے کپڑے الگ ہوں اور جمعہ اور عیدین کے لئے الگ کپڑے بنا رکھے تو یہ بھی سنت اور مستحب ہے اور زہد کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں اس کی اجازت آئی ہے اور حضور انور ﷺ کے بھی دو کپڑے تھے کہ خاص جمعہ ہی کو پہنتے تھے پھر ممکن ہو تو تیل و خوشبو لگائے خوشبو مردوں کیلئے ایسی ہو کہ خوشبو ہو اور رنگ نہ

ہوافضل خوشبو وہ ہے جس میں مشک کے ساتھ گلاب ملا ہوا ہو کیونکہ یہ اکثر حضور انور ﷺ استعمال فرماتے تھے۔

(۳) جامع مسجد میں بہت سویرے جائے اور پہلی صف میں جگہ لینے کی ہمت کرے جو شخص جتنا سویرے جائیگا اسی قدر اس کو زیادہ ثواب ملے گا۔ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جگہ روکنے کے لئے سویرے آکر مصلی بچھا جاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں بیٹھتے نہیں اس طرح پہلے سے جگہ روک لینا اچھا نہیں کیونکہ اور لوگوں کو اس طرح تنگی ہوگی البتہ اگر ذکر وفکر میں مشغول ہوں تو بہتر ہے پھر اگر کسی ضرورت کے لئے جانا پڑے اور کپڑا وغیرہ اپنی جگہ پر چھوڑ جائیں تو مضائقہ نہیں۔

(۴) جمعہ کی نماز کے لئے پا پیادہ (پیدل) جائے۔ پیدل جانے میں ہر قدم پر ایک سال روزہ رکھنے اور راتوں کو قیام کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ یعنی تمام راہ پیدل چلے بالکل سوار نہ ہو، یہ نہیں کہ کچھ راہ پیدل چلے اور کچھ راہ سوار ہوکر، اور امور بھی حدیث شریف میں اس کے ساتھ مذکور ہیں جن کی تعمیل کے بعد پیدل چلے تب یہ ثواب مرتب ہوتا ہے یعنی غسل کرنا سویرے جانا پیدل چلنا خطبہ سننا، سواری پر جانا بھی جائز ہے۔

(۵) جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے میں بہت ثواب ہے خواہ جمعہ کے دن میں نمازِ جمعہ سے پہلے پڑھے یا پیچھے اور خواہ جمعہ کی رات میں پڑھے اور دونوں یعنی دن و رات کے اول میں پڑھنا افضل ہے تاکہ نیکی کی طرف سبقت ہووے۔ احادیث میں جمعہ کے دن یا رات میں سورۂ دخان اور سورۂ یٰسین پڑھنے کی فضیلت بھی آئی ہے۔

(۶) جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے میں بھی اور دنوں سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

(۷) جمعہ کے روز زیارت قبور کرنا مستحب ہے۔ (عمدۃ الفقہ، ج:۲، ص: ۴۵۷، ۴۵۸)

نمازِ جمعہ کی فرضیت سے منکر کا حکم

سوال: نماز جمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر ایک شخص اس کی فرضیت سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز بھی فرضِ عین ہے، اس کی فرضیت سے انکار موجبِ کفر ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ھی فرض عین یکفر جاحدھا لثبوتھا بالدلیل القطعی. [الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، ج: ۲، ص: ۱۳٦]۔ (فتاوی حقانیه، ج: ۳، ص: ۳۷۷، ط، مکتبه سید احمد شهیدؒ اکوڑه خٹك)

جمعہ کے دن کثرتِ درود کی مقدار

سوال: حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اور اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے:

ان اولٰی الناس بی یوم القیامة اکثرھم علی صلاۃ.

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعین ہے اس کثرت سے کیا مراد ہے؟

الجواب: یوں تو دُرود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنا بھی پڑھا جائے کم ہے، لیکن علامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔[فضائل درود، ص ٦۹۵]۔(خیر الفتاوی، ج:۳، ص:۱۰۵، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کا فائدہ

سوال: اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کا اہتمام کرتے ہیں، کیا شریعت میں اس کا ثبوت ہے؟

الجواب: حدیث پاک میں ہے جو جمعہ کے دن سُورۂ کہف پڑھے گا تو دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے نُور چمکتا رہے گا۔ علامہ طیبی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی یا قبر میں یا حشر میں۔ **عن ابی سعید ان النبی ﷺ قال من قرأ سورة الکھف فی یوم الجمعة اضاء له النور**

ما بين الجمعتين رواه البيهقى قوله اضاء له فى قلبه او فى قبرهٖ او يوم حشره اهـ. [حاشيه مشکوۃ، ج: ۱، ص: ۱۸۹]۔ فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۸۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

جمعہ کے دن مرنے والے کی فضیلت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جمعہ کے دن مرنے والے کے متعلق کیا فضیلت وارد ہوئی ہے؟ اس سلسلے میں حدیث شریف تحریر فرما دیں؟

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کی فضیلتوں میں سے ایک اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ اور جمعرات کے درمیانی رات یا جمعہ کے دن وفات پا تا ہے، تو وہ عذاب قبر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور عذاب قبر سے حفاظت کے تین اسباب ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) عظمت ذات کی وجہ سے عذاب قبر سے حفاظت ہوتی ہے، جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام، شہداء اور معصوم بچے، اللہ کے یہاں ان کی ذات کی عظمت ہے، جس کی وجہ سے اللہ کے یہاں ان کی عذاب قبر سے حفاظت کی جاتی ہے۔

(۲) عظمت عمل کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے محفوظ رکھتے ہیں، مثلاً کوئی شخص سونے سے پہلے سورۂ ملک (تبارک الذی) پڑھنے کا معمول بنالیتا ہے، تو اس عمل خیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے اس کی حفاظت فرما دیتے ہیں، جیسا کہ حسب ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے۔

عن ابن عباسؓ قال ضرب بعض أصحاب النبیﷺ خباء ه على قبر وهو لايحسب أنه قبر، فاذا قبر انسان يقرأ سورة الملک حتى ختمها، فأتى النبیﷺ، فقال: يارسول اللّٰه! انى ضربت خبائى على قبر وأنا لا أحسب أنه قبر، فاذا فيه انسان يقرأ سورة الملک حتى ختمها، فقال النبیﷺ هى المانعة، هى المنجية تنجيه من عذاب القبر.

(ترمذی، فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة الملك، النسخة الهندية ۱۱۷/۲، دار السلام

رقم: ۲۸۹۰، مسند البزار مكتبة العلوم والحكم ١١/ ٤٣٩، رقم: ٥٣٠٠، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٢/ ١٧٤، رقم: ١٢٩٠١)

(۳) عظمت زمان کی وجہ سے بھی عذاب قبر سے حفاظت ہو جاتی ہے جیسا کہ کوئی شخص جمعہ اور جمعرات کی درمیانی رات یا جمعہ کے دن مرتا ہے، تو جمعہ کے دن کی عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ فرما لیتے ہیں اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی ظالم آدمی جمعہ کے دن مرتا ہے، تو وہ بھی عذاب قبر سے محفوظ ہو جائے گا جیسا کہ روایت سے واضح ہوتا ہے، مگر آخرت کے حساب و کتاب سے نہیں بچ پائے گا وہاں کی پکڑ اپنی جگہ ہے۔

عن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول اللهﷺ ما من مسلم يموت يوم الجمعة، أو ليلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر. (ترمذی شریف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في من يموت يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٢٠٥، دار السلام رقم: ١٠٨٠، مسند أحمد ٢/ ١٦٩، رقم: ٦٥٨٢، المعجم الأوسط للطبراني ٢/ ٢٣١، رقم: ٣١٠٧)

عن أنسؓ أن رسول اللهﷺ قال: من مات يوم الجمعة وقي عذاب القبر. (مسند أبي يعلى الموصلي، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٠٠، رقم: ٤٠٩٩)

عن ابن شهاب أن النبيﷺ قال: من مات ليلة الجمعة، أو يوم الجمعة برئ من فتنة القبر، أو قال وقي فتنة القبر، وكتب شهيداً. (المصنف لعبد الرزاق، باب من مات يوم الجمعة، المجلس العلمي ٣/ ٢٦٩، رقم: ٥٥٩٥)

(۴) مزید ایک چوتھی چیز یہ ہے کہ اللہ کے یہاں عظمت مکان کی وجہ سے بھی مرنے والوں کی فضیلت آئی ہے جیسا کہ حدود حرم مکی اور حدود مدنی کی سرزمین کا تقدس اللہ کے یہاں اس قدر ہے کہ وہاں پر مرنے والوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کو اس بات کی گنجائش ہو کہ مدینہ کی سرزمین پر آ کر مرے، تو وہ ضرور وہاں کی رہائش اختیار کر کے وہاں پر مرنے کی کوشش کرے، اس لئے کہ مدینہ میں مرنے والوں کی حضورﷺ ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من استطاع أن یموت بالمدینة، فلیمت بھا، فانی أشفع لمن یموت بھا. (ترمذی، المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینة، النسخة الھندیة ۲/ ۲۲۹، دار السلام رقم: ۳۹۱۷)

اور دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص حرمین میں سے کسی ایک مقام پر مرتا ہے، قیامت کے دن حضور ﷺ کی شفاعت اس کے لئے لازم ہو جائے گی اور قیامت کے دن اس کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو امن وحفاظت کا پروانہ مل جائے گا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أنس بن مالکؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من مات فی أحد الحرمین، بعث من الآمنین یوم القیامة، ومن زارنی محتسباً الی المدینة کان جواری یوم القیامة. (شعب الایمان للبیھقی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۸)

عن جابرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من مات فی أحد الحرمین بعث اٰمناً. (المعجم الأوسط للطبرانی، دار الکفر بیروت ۴/ ۲۵۰، رقم: ۵۸۸۳)

عن سلمانؓ عن النبی ﷺ قال: من مات فی أحد الحرمین استوجب شفاعتی، وکان یوم القیامة من الأمنین. (المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۶/ ۲۴۰، رقم: ۶۱۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۹، ص: ۷۷ تا ۸۰، ط، مکتبہ اشرفیہ دیو بند)

جمعہ کے دن کافر کو عذابِ قبر ہوتا ہے یا نہیں

سوال: کیا جیسے مُسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا، کیا ایسے ہی کافر کو بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا؟

الجواب: کافر کو باقی ایام میں عذابِ قبر ہوگا، البتہ جمعہ کے دن اور رمضان میں اس سے عذابِ قبر

اُٹھالیا جاتا ہے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسوال منكر ونكير وضغطة القبر حق لكن ان كان كافراً فعذابه يدوم الى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان.

[شامی ج: ١، ص:٧٧٣]۔ (خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ٨٨، ٨٩، ط، مكتبه امداديه ملتان)

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے

سوال: بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبرستان جانے کا اہتمام کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: بہ نیت عبرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مندوب ہے۔

ای لابأس بها بل تندب كما فى البحر عن المجتبىٰ فكان ينبغى التصريح به للامر بها فى الحديث المذكور كما فى الامداد و تزار فى كل اسبوع كما فى مختارات النوازل قال فى شرح لباب المناسک الا ان الافضل يوم الجمعة السبت والاثنين والخميس فقد قال محمد بن واسع الموتى يعلمون بزوّارهم يوم الجمعة ويوماً قبلهٗ ويوماً بعدهٗ فتحصل ان يوم الجمعة افضل اهـ. [شامی، ج: ١، ص: ٨٤٣]. **فقط والله اعلم.**

(خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ٩٥، ط، مكتبه امداديه ملتان)

جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جانا

”عن محمد بن النعمان يرفع الحديث الى النبىﷺ قال من زار قبر ابويه او احد هما فى كل جمعة غفرله وكتب براء“. [رواه البيهقى فى شعب الايمان مرسلا، مشكوة ص ١٠٤]

حضرت محمد بن النعمانؒ حدیث کو پیغمبر خداﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے والدین یا ان سے کسی ایک کی قبر پر جمعہ کے دن جائے گا تو اس کی مغفرت

کردی جائے گی اوراس کا شمار ماں باپ کے فرماں برداروں میں ہوگا۔[بیہقی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ ص۱۴]

مقصد کے اعتبار سے قبروں پر جانے کی کئی قسمیں ہیں(۱)محض موت کو یاد کرنا اورآخرت کی طرف توجہ کے لیے اس مقصد کے تحت صرف قبروں کو دیکھ لینا ہی کافی ہے خواہ قبرکسی کی بھی ہو، یہ ضروری نہیں کہ صاحب قبر کے بارہ میں یہ بھی معلوم کہ وہ کون تھا (۲) دعاء مغفرت اور ایصال ثواب وغیرہ کے لیے یہ ہر مسلمان کے لیے مسنون ہے۔ (۳) حصول برکت وسعادت کی خاطر۔ اس مقصد کے تحت اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی مزارات کی زیارت کی جاتی ہے۔ (۴) عزیز دوست کے ادائے حق کے لیے، یعنی کسی اپنے عزیز مثلاً والدین یا دوست کی قبر پراس مقصد کے تحت جانا کہ وہاں پہنچ کران کے لیے دعاء ومغفرت وایصال ثواب کرنا کہ اپنے اوپران کا حق ہے چنانچہ حدیث ابونعیم میں منقول ہے کہ جوشخص اپنے والدین یاان میں سے کسی ایک کی قبرکی زیارت جمعہ کے روز کرے تواس کا یہ فعل حج کے برابر ہوتا ہے دوسرے دنوں کی بہ نسبت جمعہ کی روزخصوصاًدن کے ابتدائی حصہ میں قبر پر جانا افضل ہے۔ نیز منقول ہے،اس روز میت کوزیادہ علم ادارک دیا جاتا ہےاورصاحبِ قبرقبر پرآنے والوں کوزیادہ پہچانتا ہے۔[مظاہرحق جدید ص ۲۷۷ ج ۲]۔(مسائل رفعت قاسمی،مسائل جمعہ،ج:۳،ص:۱۰۴،۱۰۵،ط،حامدکتب خانہ کراچی)

جمعہ کی نماز کے لیے سویرے جانے کی فضیلت

عن أبی هريرة أن رسول اللهﷺ قال: من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكانما قرب بدنة، ومن راح فی الساعة الثانية فكانما قرب بقرة، ومن راح فی الساعة الثالثة فكانما قرب كبشاً أقرن، ومن راح فی الساعة الرابعة فكانما قرب دجاجة، ومن راح فی الساعة الخامسة فكانما قرب بيضة، فاذا خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذكر. قال وفی الباب عن عبدالله بن عمرو، وسمرة. قال ابو عيسى: حديث أبی هريرة حديث حسن صحيح.

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے

دن غسل کیا جس طرح جنابت سے (اچھی طرح) غسل کیا جاتا ہے پھر اول وقت مسجد گیا گویا اس نے (راہِ خدا میں) ایک اونٹ کی قربانی کی پھر جو شخص دوسری گھڑی میں گیا گویا اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا اس نے سینگ دار مینڈھے کی قربانی کی پھر جو چوتھی گھڑی میں گیا گویا اس نے اللہ کی راہ میں مرغی قربان کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا اس نے اللہ کی راہ میں ایک انڈا دیکر ثواب حاصل کیا پھر جب امام خطبہ کیلئے منبر پر آجاتا ہے تو فرشتے (خطبہ سننے) مسجد میں چلے آتے ہیں۔

اس حدیث شریف کے تشریح میں شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ گھڑیاں زوال کے بعد سے شروع ہوتی ہیں اور وہ لحظاتِ خفیفہ ہیں، یعنی زوال کے بعد فوراً پہلی گھڑی شروع ہوتی ہے پھر فوراً دوسری اور تیسری گھڑیاں یکے بعد دیگرے شروع ہوتی ہیں۔ اوران کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں لفظ رَاحَ آیا ہے جس کے معنی زوال کے بعد جانے کے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ گھڑیاں زوال کے بعد شروع ہوتی ہیں۔ اورآنحضور ﷺ بھی زوال کے بعد فوراً ممبر پر تشریف لاتے تھے، یہاں سے معلوم ہوا کہ لحظاتِ خفیفہ ہیں۔

اور دیگر تمام ائمہ فرماتے ہیں: یہ گھڑیاں جمعہ کے دن صبح صادق سے شروع ہوتی ہیں، اس لئے کہ ایک حدیث میں بکّر وابتکر آیا ہے بکّر کے معنی ہیں: صبح کے وقت جانا۔ اورابتکر اس کی تاکید ہے یعنی بالکل صبح میں جانا اورامام مالک رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ رَاحَ جب غدا کے مقابل آئے تو اس کے معنی شام کے وقت جانے کے ہوتے ہیں، اور جب تنہا آئے تو اس کے معنی مطلق جانے کے ہوتے ہیں، خواہ شام میں جائے یا صبح میں، اور یہاں رَاحَ تنہا آیا ہے پس اس کے معنی مطلق جانے کے ہیں، اس لئے جمہور کے نزدیک یہ گھڑیاں جمعہ کے دن صبح صادق کے بعد فوراً شروع ہوتی ہیں اور لمبی گھڑیاں ہیں۔ (تحفۃ الالمعی، کتاب الجمعۃ، باب ماجاء فی التبکیر الی الجمعۃ، ج:۲،ص:۳۶۴،۳۶۵، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

جمعہ کے دن رحمت وقبولیت کی ایک خاص گھڑی

عن أبی هريرةؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ ذكر يوم الجمعة، فقال: فيه ساعة لايوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلی، يسأل اللّٰه تعالیٰ شيئاً الا اعطاه اياه واشار بيده يقللها.

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کے سامنے جمعہ کا تذکرہ کیا، پس فرمایا: جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ہے، نہیں موافق ہوتا اس کے ساتھ کوئی مسلمان بندہ درانحالیکہ وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو اس گھڑی میں، مانگے وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عنایت فرماتے ہیں اور آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گھڑی ذراسی ہے۔ (تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ، ج:۳،ص:۲۵۶، ط، مکتبہ حجاز دیوبند)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث شریف کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: جمعہ میں بڑی بابرکت اور بڑی ہی قیمتی ایک ساعت ہے مگر نہایت مختصر ہے چنانچہ حدیث پاک میں ''واشار بیدہ یقللها'' سے اس کی طرف اشارہ ہے اس میں بندہ جو دعاء کرے وہ قبول ہوتی ہے لیلۃ القدر تو ساری رات ہوتی ہے اور یہ تھوڑی سی دیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جو ضرورت کی چیزیں ہوں مثلاً ہوا پانی وغیرہ اس کو تو بالکل عام کر رکھا ہے اور جو ضرورت کی چیزیں نہ ہوں اس کو کمیاب فرمادیتے ہیں جیسے کیمیا کہ جلدی سے اس کو بنانے میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو چھپا رکھا ہے اس طرح ساعت جمعہ کو بھی چھپالیا اور چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں علماء کے بیالیس قول ہیں کہ وہ مبارک ساعۃ کون سی ہے اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ پچاس تک اقوال ہیں ان میں سے گیارہ مشہور ہیں جو اوجز میں منقول ہیں اور ان گیارہ میں سے دو قول زیادہ مشہور ہیں ایک شافعیہ کا دوسرا حنفیہ اور جمہور کا، شافعیہ فرماتے ہیں کہ وہ ساعۃ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر اختتام صلاۃ جمعہ تک ہے۔ حنفیہ اور جمہور یہ فرماتے ہیں کہ وہ ساعۃ عصر کے بعد سے لیکر غروب شمس تک ہے ان ہی دونوں قولوں میں بہت سے اقوال آجاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہی دونوں وقتوں میں خاص خاص اجزاء کی بعض علماء نے تعیین کی ہے مثلاً ایک قول زوال سے بالکل متصل کا ہے دوسرا قول دونوں خطبوں کے درمیان کا ہے تیسرا قول خطبہ ہونے کے بعد سے امام کے اللہ اکبر کہنے تک ہے چوتھا قول نماز شروع ہونے کے بعد سے سلام پھیرنے تک کا ہے یہ علماء شوافع کے اقوال ہیں اسی طرح دوسرے میں عصر کے بالکل متصل عصر سے لیکر اصفرار تک، اصفرار سے لیکر غروب تک اور عین غروب کے وقت۔ (تقریر بخاری شریف، جلد اول، حصہ سوم، ص:۱۳۹، ط، مکتبۃ الشیخ کراچی)

غسلِ جمعہ یوم جمعہ کیلئے ہے یا نمازِ جمعہ کیلئے

سوال: غسلِ جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلاۃ جمعہ کے لئے سنت ہے یا مطلقاً یوم جمعہ کے لئے سنت ہے ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

الجواب: صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لئے ہے۔

قال فی السعایة وهو الصحیح عند الجمهور وهو قول ابی یوسف کما فی الهدایة وغیرها انه للصلاة لا للیوم اهـ قال الزرقانی قول جماعة ان الغسل لیوم الجمعة ومذهب مالک والشافعی وابی حنیفة وغیرهم انه للجمعة لا للیوم انتهٰی.

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل ہوگئی۔ اور اگر وضوء ٹوٹ گیا جدید وضوء کر کے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔ **فالاولی عندی الاجزاء وان تخلل الحدث.** [ج ا ص ١٥٦] **فقط واللّٰه اعلم.** (خیر الفتاوی، ج: ٣،ص: ٦٧، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

عیداور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے

سوال: مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لئے نہانا سنت ہے۔ اور ایسے ہی جمعہ کے لئے نہانا بھی سنت ہے، اور اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو ہر ایک نماز کے لئے الگ غسل کیا جائے یا ایک ہی غسل کافی ہے؟

الجواب: ایک ہی غسل کافی ہے ہر دو کے لئے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔

ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتمعا. اهـ (درمختار علی الشامیة ج ١ ص: ١٥٧) فقط واللّٰه اعلم۔ (خیرالفتاوی، ج: ٣، ص: ٦٧، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے

سوال: ناخن کاٹنا ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کونسا دن افضل ہے؟

الجواب: یہ تمام اُمور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں البتہ ان کے لئے جمعہ کا دِن افضل ہے، کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا گناہ ہے۔ **وفی استحسان القهستانی عن الزاهدی يستحب أن يقلم أظفاره يقص شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه فی كل اسبوع مرة يوم الجمعة افضل ثم فی خمسة عشر يوماً والزائد علی الأربعين آثم اهـ.** [طحطاوی ص: ٢٨٦]۔ فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ٨٧، ٨٨، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

غسل جنابت سے غسل جمعہ کی سنت ادا ہو جائے گی

سوال: جمعہ کے دن غسل جنابت صبح کیا تو کیا غسل مسنون پھر دوبارہ کرنا ہوگا یا یہی غسل کافی ہو کر غسل مسنون کا بھی ثواب مل جائے گا۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: یہی کافی ہے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں بلکہ صفائی کا مقصد جمعرات کے دن غسل کرنے سے حاصل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ۴، ص: ۱۵۱، ط، ایم ایچ سعید)

شبِ جمعہ میں غسل کرنے سے مسنون غسل ہو جائے گا یا نہیں؟

سوال: اگر کوئی شخص غسلِ جمعہ اور غسل عید شب میں کرلے تو کافی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اگر شبِ جمعہ اور شبِ عیدین میں غسل کرلیا جائے تب بھی کافی ہے کہ اصل مقصود قطعِ رائحہ حاصل ہے (٩)، کذا فی مراقی الفلاح۔ فقط واللّٰہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج: ۸، ص: ۳۵۸)

---

(٩): فی مراقی الفلاح: وفی معراج الدراية لو اغتسل يوم الخميس، أو ليلة الجمعة استنّ بالنسة لحصول المقصود، وهو قطع الرائحة. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، كتاب الطهارة، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، ص: ١٠٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

جمعہ کے دن بال نمازِ جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں

سوال: شامی میں ہے:

ویکرہ تقلیم الاظفار وقص الشارب فی یوم الجمعة قبل الصلاة.

کیا مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن تراشنا اور حجامت بنوانا مکروہ ہے؟

الجواب: شامی [ج:۵] کتاب الحظر والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے، ناخن وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو، (**قوله وکونه بعد الصلاة افضل اھ) ای لتناوله برکة الصلاة وهو مخالف لما نذکره قریباً فی الحدیث اھ ص ۲٦۸**)

طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے سنت ہے۔

وظاهر الحدیث یدل علی ان القلم قبل الصلاة فما فی بعض الکتب انه بعدها یشهد له بالصلاة لایعول علیه لانهٗ تعلیل فی مقابلة النص اھ. [طحطاوی ص۲۸٦] فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۰۲، ط، مکتبه امدادیه ملتان/فتاوی حقانیه، ج: ۳، ص: ۳۹۱، ط، مکتبه سید احمد شهیدؒ اکوڑه خٹك/ فتاوی محمودیه، ج: ۸، ص: ۳۵۹، ۳٦۰)

کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد غسل کرنے کی گنجائش ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: سورۂ جمعہ میں جو" **فاسعوا الی ذکر اللّٰه**" ہے وہ وجوبی ہے یا استحبابی؟ اگر وجوبی ہے تو اذان اول کے بعد نماز کی تیاری مثلاً غسل کرنا کپڑا بدلنا کیسا ہے؟ نیز کوئی اور کام کرنا مثلاً خرید وفروخت کرنا یا بات چیت کرنا کیسا ہے؟ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ وضاحت فرمائیں بینوا توجروا

الجواب: قرآن مجید میں اذان جمعہ کے بعد سعی الی الجمعہ کا جو امر ہے وہ وجوب کے لئے ہے

استحباب کے لئے نہیں ہے اوراذان اول کے بعد سعی الی الجمعۃ واجب اورضروری ہے کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہو جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے ہاں ایسا کام جو جمعہ کی تیاری کے لئے ہواس کی گنجائش ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے۔**ویجب بمعنی یفترض (ترک البیع) وکذا کل شئ یؤدی الی الاشتغال عن السعی الیھا او یخل کالبیع ماشیاً الیھا لاطلاق الامر (بالاذان الاول) الواقع بعد الزوال فی الاصح لحصول الاعلام لانه لو انتظر الثانی الذی عند المنبر تفوته السنة وربما لایدرک الجمعة لبعد محله وھو اختیار شمس الائمة.** طحطاوی میں ہے **(قوله ویجب ترک البیع) فیکره تحریماً من الطرفین علی المذھب ویصح اطلاق الحرام علیه کما وقع فی الھدایة...... والا فھذه المکروھات کلھا تحریمة لانعلم خلافاً فی الاثم بھا اھـ (قوله فی الاصح) وقال الطحاوی المعتبر ھو الاذان الثانی عند المنبر لانه الذی کان فی زمنه ﷺ والشیخین بعده قال فی البحر وھو ضعیف.** (مراقی الفلاح وطحطاوی ص ٢٨٢ باب الجمعة)..الخ۔ (فتاوی رحیمیه، ج: ٦، ص: ١١٤، ط، دار الاشاعت کراچی)

شرائط وجوب نماز جمعہ

وجوب نماز کی شرطوں (عاقل بالغ مسلمان ہونا) کے علاوہ نماز جمعہ فرض ہونے کے لئے کچھ زائد شرطیں ہیں جوکہ نمازی میں پائی جانی ضروری ہیں اوران کے پائے جانے کے بغیر اس شخص پر جمعہ فرض نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی شخص ان شرطوں کے نہ پائے جانے کے باوجود نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز جمعہ ہوجائے گی اور ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے اتر جائے گا۔ مثلاً کوئی مسافر نماز جمعہ پڑھے تو ادا ہوجائے گا اور وہ شرائط وجوب یہ ہیں۔

(ا) ''آزاد ہونا''۔ پس غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے اوراس کا مالک اس کو جمعہ (اور جماعتِ عیدین) میں جانے سے منع کرسکتا ہے اور مکاتب غلام پر جمعہ فرض ہے اوراگر غلام تھوڑا آزاد ہوگیا اور باقی کے

لئے کوشش کرتا ہو یعنی کما کر اپنے آقا کو دیتا ہوتا کہ بقایا رقم ادا ہو کر آزاد ہو جائے تو اس پر بھی جمعہ واجب ہے۔ غلام ماذون پر (یعنی جس غلام کو اس کے آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہو اور اس غلام پر جو روزانہ اپنے مالک کو کچھ ادا کرتا ہو یعنی اس کے ذمہ کوئی خاص مقدار کما کر لانا مقرر کیا ہو) جمعہ فرض نہیں۔ اگر کسی غلام کو اس کے آقا نے نماز جمعہ کی اجازت دیدی ہو تو بعض کے نزدیک اس پر جمعہ واجب ہے اور بعض کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے جمعہ پڑھے اور چاہے اپنی جگہ پر ظہر کی نماز پڑھ لے اور اسی اختیار والے قول کو ترجیح ہے، الخ۔

(۲) ''یقیناً مرد ہونا''۔ عورت اور خنثیٰ مشکل پر جمعہ فرض نہیں۔

(۳) ''شہر میں مقیم ہونا''۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں، الخ۔

(۴) ''تندرست ہونا''۔ مریض پر جمعہ فرض نہیں۔ مریض سے مراد وہ ہے جو کہ جمعہ کی مسجد تک نہ جاسکتا ہو یا چلا تو جائے گا مگر مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہوگا۔ بہت بوڑھا جو ضعیف ہو گیا ہے اور ایسا تیماردار کہ جس کے چلے جانے سے بیمار کی خبر گیری کوئی نہیں کریگا اور بیمار کو نقصان ہوگا بیمار کے حکم میں ہے کہ اس پر بھی جمعہ واجب نہیں۔ اگر مریض یا بوڑھا ضعیف وغیرہ عاجز کے پاس سواری اور خادم ہو تو اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر جمعہ واجب نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک واجب ہے بعض نے کہا کہ بالاتفاق واجب نہیں اور بعض نے کہا کہ بالاتفاق واجب ہے اور وہ چلنے پر قادر کے حکم میں ہے۔ قواعد کی رُو سے یہی مناسب ہے کہ اگر مشقت اور مرض میں زیادتی نہ ہو تو حاضر ہونا چاہئے ورنہ معذور ہے۔

(۵) ''چلنے پر قادر ہونا''۔ اپاہج پر یعنی جس کے دونوں پیر کٹے ہوئے ہوں یا فالج سے بیکار ہوگئی ہو تو اگر وہ ایسا لنگڑا ہے کہ مسجد تک بلا مشقت جاسکتا ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔

(۶) ''بینا یعنی آنکھوں والا ہونا''۔ ایسے نابینا (اندھا) پر جو خود جمعہ کی مسجد تک بلا تکلف نہ جاسکتا ہو جمعہ فرض نہیں، خواہ اس کو پکڑ کر مسجد تک لیجانے والا اجرتِ مثل پر یا بلا اجرت مل جائے تب بھی جمعہ فرض نہیں ہے (صاحبینؒ کے نزدیک اگر مسجد تک لیجانے والا اجرت پر یا بلا اجرت مل جائے تو اس پر جمعہ

واجب ہے) جو اندھا اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو اور باوضو ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے کیونکہ حرج کی علت اُس سے دور ہوگئی ہے۔ یک چشم (کانا) اور جس کی نگاہ کمزور ہو (چُندھا) پر جمعہ فرض ہے۔ بعض اندھے بلا تکلف بغیر کسی کی مدد کے بازاروں اور راستوں میں چلتے پھرتے ہیں اور جس مسجد میں چاہیں بے دھڑک جا سکتے ہیں اور بغیر کسی سے پوچھے جس مسجد کو چاہیں پہچان لیتے ہیں ان پر جمعہ واجب ہے۔

(۷) جماعت ترک کرنے کے لئے جو عذرات پہلے بیان ہو چکے ہیں اُن سے خالی ہونا پس اگر اُن عذروں میں سے کوئی عذر موجود ہو تو جمعہ واجب نہ ہوگی مثلاً بارش بہت زور سے برس رہی ہو، یا اولے یا برف یا سخت سردی یا آندھی اس قدر ہو کہ اس سے باہر نکلنے اور مسجد میں جانے سے نقصان کا خوف صحیح ہو، یا ظالم بادشاہ یا چور یا کسی ظالم شخص کے خوف کی وجہ سے چھپا ہوا ہو، تو ان سب صورتوں میں اس پر جمعہ فرض نہ ہوگا خوف سے چھپا ہوا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرضدار اپنے قرض خواہ کے خوف سے چھپا ہوا ہو تو اگر قرضدار مالدار ہو اور اسی وقت ادا کرنے پر قادر ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے اور قرض خواہ کے ملنے اور اس سے نقصان پہنچنے کا خوف اس کے لئے عذر نہیں ہے اور اگر قرضدار مفلس ہو اور اسی وقت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو قرض خواہ کا ملنا اور اس سے نقصان کا خوف اس کے لئے عذر ہے اور اس پر جمعہ فرض نہیں.....فائدہ: شرط نمبر ۴ تا ۷ کو مختصر کر کے صرف ایک شرط یعنی بے عذر ہونا کہہ سکتے ہیں۔

جمعہ فرض ہونے کی جو شرطیں اوپر بیان ہوئی ہیں اگر کسی شخص میں اُن میں سے کوئی شرط یا سب شرطیں نہ پائی جائیں تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ شخص عزیمت (مشقت) اختیار کرے اور نمازِ جمعہ پڑھے تو اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی اور ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے اُتر جائے گا کیونکہ ان معذورین کے حق میں جمعہ پڑھنا عزیمت (مشقت) اور افضل ہے اور ظہر پڑھنا رخصت (آسانی) ہے۔ مثلاً کوئی مسافر یا کوئی عورت نماز جمعہ پڑھے تو اب ظہر اس کے ذمہ سے اُتر گیا بلکہ مرد مکلّف کے لئے جمعہ پڑھنا افضل ہے البتہ عورت کے لئے گھر میں ظہر پڑھنا افضل ہے اور جماعت میں شریک نہ ہونا چاہئے اس کی نماز گھر میں افضل ہے۔ لیکن اگر عورت کا مکان مسجد کی دیوار سے بالکل متصل ہے اس طرح پر کہ امام مسجد کی اقتدا کا کوئی مانع نہیں پایا جاتا تو اس کے لئے بھی جمعہ افضل ہے نابالغ نے جمعہ پڑھا تو وہ نفل ہو جائیں گے

کیونکہ اس پر نماز فرض ہی نہیں ہے۔(عمدۃ الفقہ، ج:۲،ص:۴۳۵ تا ۴۳۷/ انوار القدوری، باب صلوۃ الجمعہ، ج:۱،ص:۲۰۰، ط، دارالاشاعت کراچی)

صحت جمعہ کے شرائط

کسی جگہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے درج ذیل سات شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) مصر کا ہونا۔

(۲) حاکم یا اس کا قائم مقام کا ہونا۔

(۳) ظہر کا وقت پایا جانا۔

(۴) خطبہ پڑھنا۔

(۵) خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا، الخ۔

(۶) کم از کم ۳ مردوں کا جمعہ میں شامل ہونا۔

(۷) جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہونا۔

فی الدرالمختار: ويشترط سبعة أشياء: الأول المصر، الخ.

والثانی: السلطان، الخ.

والثالث: وقت الظهر، الخ.

والرابع: الخطبة فيه، الخ.

والخامس: كونها قبلها، الخ.

والسادس: الجماعة وأقلها ثلاثة رجال، الخ.

والسابع: الاذن العام، الخ. (الدرالمختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، كتاب الجمعة، ص: ١٠٧، ١٠٨، ١٠٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

مندرجہ ذیل بالا شرائط کو بالتفصیل نقل کی جاتی ہے تاکہ افادہ عام ہو سکے۔

الشرط الاول: مصر کا ہونا

مصر کی تعریف میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلف ہیں ظاہر الروایت کے مطابق شہر وہ جگہ ہے جہاں حاکم اور قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود جاری کرتا ہو۔

نیز فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اقامت حدود سے مراد اس کے اقامت پر قدرت رکھنا ہے۔

فی الکنز: شرائط ادائها المصر وهو کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود،الخ. (کنز الدقائق، ص: ٤٣، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

وفی الدرالمختار: وظاهر المذهب أنه کل موضع له أمیر وقاض یقدر علی اقامة الحدود کما حررناه فیما علقناه علی الملتقی. (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٥، ٦، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی سکب الأنهر: والمصر کل موضع له أمیر وقاض ینفذ الأحکام، ویقیم الحدود عند أبی یوسف، وهو ظاهر المذهب کما فی الهدایة وغیرها، والمراد القدرة علی اقامة الحدود. (سکب الانهر علی ملتقی الأبحرعلی هامش مجمع الانهر، ج: ١، ص: ٢٤٦، ٢٤٧، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/ والهدایة، باب صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ٣٧١، ٣٧٢، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی/وتحفة الفقهاء، باب صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٦٢، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

امداد الفتاوی میں ہے: ”اور جو اس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے نہ اجراء حدود بالفعل **کما فی الشامی بان المراد القدرة علی اقامة الحدود**“۔ (امداد الفتاوی، ج:٣،ص:١٦٢، ط، زکریا بک ڈپو ہند)

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ”اقامۃ الحدود“ سے مراد اقامۃ بالقوۃ ہے نہ بالفعل، پس مصر کو قیاس کرنا اقامتِ حدود پر صحیح نہیں۔ (خیر الفتاوی، ج:٣،ص:٨٧، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ: ظاہر الروایت کے بموجب مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں مفتی اور امیر اور قاضی رہتا ہو جو حدود کو قائم کرے اور احکام جاری کرے اور اس کی کم سے کم آبادی منیٰ کے برابر ہو اسی پر اعتماد ہے۔ حدود کے قائم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان پر قدرت ہو خواہ بالفعل جاری کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ (عمدۃ الفقہ، ج:٢،ص:٤٣٧)

حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب تحریر فرماتے ہیں: **قوله: وهو كل موضع الخ مصر جامع** سے مراد کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (١) مصر جامع ہر ایسا مقام ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرتا ہو یعنی احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو، یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے یہی ظاہر المذہب ہے۔ (معدن الحقائق، شرح کنز الدقائق، ج:١،ص:١٨٧، ط، دار الاشاعت کراچی)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی منقول ہے کہ مصر ہر وہ مقام ہے کہ اگر وہاں کے تمام وہ لوگ جن پر جمعہ واجب ہے اس کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو سب کی سمائی نہ ہو، علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اسی قول پر اکثر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے۔

فی الدر المختار: ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوى أكثر الفقهاء. مجتبى لظهور التوانى فى الأحكام. (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٥، ط، دار عالم الكتب رياض/ والبحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج: ٢، ص: ٢٤٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: سلف کی ایک بڑی جماعت نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ اس میں اس قدر آبادی ہو کہ اس شہر کی سب سے بڑی مسجد ان کو کافی نہ ہو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس شہر کی مساجد میں سے سب سے بڑی مسجد میں یہ لوگ نہ آسکیں کیونکہ اس قول کے قائل کے مذہب میں جمع منتہی الجموع کا اطلاق دس یا یا اس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔

حالانکہ جمہور کے مذہب کے خلاف ہے اس قول کے قائل صدر الشریعۃ صاحب توضیح ہیں تو ان کی اس تعریف کا مقصد عرفِ عام میں شہر کی وضاحت کرنا ہے کیونکہ مساجد شہروں میں بکثرت پائی جاتی ہیں تو یہ مراد نہیں کہ دیہات میں کوئی بڑی مسجد آبادی کو نا کافی ہو تو اس پر بھی یہ تعریف صادق آجائے (۱۰)۔ (الکوکب الدری شرح جامع الترمذی مترجم، ج:۲،ص:۶۴۱،۶۴۲، ط،مکتبۃ الشیخ کراچی)

قدوۃ العلماء زُبدۃ الفقہاء سراج المناظرین حضرت اقدس مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری ومہاجر مدنی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ''ہر چند کہ یہ مسئلہ درمیان حنفیہ وشافعیہ کے مختلف فیہ ہے، مگر حنفیہ سے تعجب ہے کہ بلاوجہ اپنے مجتہد کی مخالفت کرتے ہیں، بعد غور دو امر اس مخالفت کے باعث ہوئے بے علم واعظوں کو تو اپنا مجمع بڑھانا ان کو جمع کر کے منافع مالیہ ان سے حاصل کرنا، ہلکا حکم بتلا کر ان کو اپنا گردیدہ ومعتقد کر لینا، اور کم علم وکم فہم لوگوں کو بعض فقہاء کی اس عبارت میں شبہ پڑ جانا ''**المصر مالایسع اکبر مساجده اهله**'' مگر فی الواقع یہ حد تام نہیں ہے، رسم ناقص ہے، حاصل تعریف مذکور کا یہ ہے کہ جہاں بہت سی مساجد ہوں اور ان میں اکبر مساجد اس شان کی ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ بات غالبًا امصار میں ہوا کرتی ہے نہ قری میں، اس اعتبار سے بطور اتے پتے کے یہ تعریف کردی گئی، پس اگر کسی مصر میں مسجد نہ ہو یا کسی قریہ میں ایسی مسجد ہو (تو) مصر قریہ بن جاوے گا اور نہ قریہ مصر ہو جائیگا، ...الخ۔ (فتاوی خلیلیہ،ص:۱۲۱، ط،مکتبۃ الشیخ کراچی)

مفتی اعظم ومفتی اوّل دار العلوم دیوبند حضرت اقدس مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ: اور تعریف ''**مالایسع الخ**'' درحقیقت حد حقیقی نہیں ہے ورنہ منقوض ہونا اس کا ظاہر ہے کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے قریہ پر صادق آتی ہے اور بعض اوقات بڑے سے بڑے شہر پر صادق نہیں آتی جیسا

---

(۱۰):فی الکوکب: وأما ما قال أكثر من سلف: المصر مالایسع أكبر مساجدهم مسلميهم فالمراد اذا كان المسجد المذكور فی المصر اذ مذهب قائل هذا القول اطلاق جمع منتهی الجموع علی العشر أو أكثر منه مع أن هذا خلاف منه بالجمهور، وقائل هذا هو صدر الشريعة صاحب التوضيح فكان مراده بهذا التعريف هو المصر، فان المساجد بتلك الكثرة انما هی فيه. (الكوكب الدری علی جامع الترمذی، ج: ۱، ص: ۴۱۴)

کہ خود حرمین شریفین کی مساجد پر صادق نہیں آتی کیونکہ مسجد حرام تمام اہل مکہ سے بلکہ باہر والوں کو ملا کر بھی کبھی نہیں بھرتی اور وسعت اس میں باقی رہتی ہے کما ہو مشاہد اور یہ نقض اس تعریف پر شارح منیہ نے بھی بیان فرمایا ہے معلوم ہوا کہ تعریف حقیقی مصر کی نہیں بلکہ علامت مصر کی باعتبار غالب کے ہے کیونکہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مردم شماری بہت زیادہ ہوتی ہے غالبًا ایسا ہوتا ہے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں بھی وہاں کے تمام مکلفین نہیں سماسکتے پس محقق ہوا کہ تعریف مذکور عام تعریف نہیں ہے۔(عزیز الفتاوی، ص: ۲۹۳، ط، دار الاشاعت کراچی)

عزیز الفتاوی (ص: ۲۹۰) پر حضرت مفتی صاحب ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اکبر مساجد میں وہاں کے مکلفین کے نہ سمانے کی تعریف ضعیف ہے''۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے جگہ پر تحریر فرماتے ہیں: مصر کی یہ تعریف ''**وهو مالايسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها**'' منقول ہے، صحیح یہ ہے کہ عرفاً وہ بستی شہر یا قصبہ کہلانے کی مستحق ہو، الخ۔(عزیز الفتاوی، ص: ۳۰۲، ط، دار الاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

(سوال) مولوی عبدالشکور صاحب اپنے رسالہ علم الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں.......(۲) وہ مقام مصر ہے کہ جہاں مرد مسلمان مکلّف اس قدر آباد ہوں کہ اس مقام کی بڑی مسجد میں نہ سماسکیں از بحر الرائق۔ یہ تعریف صحیح ہے یا نہیں؟

(جواب) یہ تعریف مصر کی منقوض ہے۔ کما صرح بہ فی شرح المنیہ یہاں بھی مؤلف صاحب نے مذہب راجح کو چھوڑ کر بعض روایات کو اختیار کیا ہے۔(فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۸۵، ط، دار الاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: **مالايسع اكبر مساجد اهله المكلفين الخ** یہ تعریف حقیقی اور کلی نہیں ہے کہ جس جگہ یہ تعریف پائی جاوے وہاں جمعہ واجب ہو جائے۔(فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۳۷، ط، دار الاشاعت کراچی)

مرتبِ فتاوی دار العلوم دیو بند حضرت مولانا مفتی ظفیر احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ فتاوی دار العلوم دیو بند میں ایک سوال کے جواب کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ’’مصر کی جو تعریف شرح وقایہ میں نقل کیا گیا ہے ’’انھم اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لم یسعھم‘‘ یا ’’مالایسع فی اکبر مساجدہ اھل مصر‘‘ یہ صحیح نہیں ہے علامہ شامی نے صراحت کی ہے ’’قولہ مالایسع الخ ھذا یصدق علی کثیر من القری‘‘ یعنی اگر اس تعریف کو صحیح مان لیا جائے تو بہت سے چھوٹے دیہاتوں اور گاؤں پر بھی یہ تعریف صادق آئے گی، حالانکہ ان میں جمعہ درست نہیں ہے، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تعریف وہاں مالایسع (جس میں سارا شہر نہ سما سکے) نہیں آتا، اس لئے کہ ان مسجدوں میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ گنجائش ہے۔ چنانچہ شرح المنیہ میں ہے ’’حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار والوقایہ وغیرھما وھو لو اجتمع اھلیہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض بھما اذ مسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ‘‘. غنیۃ المستملی ص ۱۱۵. اس لئے متاخرین کی تعریف صحیح نہیں کہی جاسکتی۔ تعریف ایسی جامع ہو جو ہر طرح درست رہے‘‘۔ (ظفیر)۔ (فتاوی دار العلوم دیو بند، ج: ۵، ص: ۱۲۷، ۱۲۸، ط، دار الاشاعت کراچی)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: بعض نے شہر کی یہ تعریف کی ہے کہ جس جگہ ایسے مسلمان جن پر جمعہ فرض ہے (یعنی عورتوں بچوں مسافرین وغیرہ کے علاوہ) اس قدر ہوں کہ اس بستی کی مسجدوں میں سے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو وہ سب اُس مسجد میں سما نہ سکیں پس وہ مصر ہے ورنہ نہیں (اور اس مسجد سے جامع مسجد نہیں بلکہ پنجوقتی نماز کی مسجد مراد ہے اور بڑی مسجد مختار قول کے بموجب وہ ہے جو کم از کم چالیس گز شرعی کی مقدار کی ہو اور شرعی گز چوبیس انگل کا ہوتا ہے) اکثر متاخرین فقہاء نے اسی پر فتوٰی دیا ہے اس لئے کہ شرع کے احکام میں ڈھیل و سستی واقع ہوگئی ہے خصوصاً شہروں میں حدود قائم کرنے میں۔ اور یہ تعریف اکثر قصبات و دیہات پر صادق آتی ہے۔

فائدہ: لیکن مصر کی یہ تعریف حد تام نہیں ہے بلکہ علامت اور رسم ناقص ہے اور یہ تعریف اُس زمانے کے مطابق ٹھیک ہے کیونکہ اُس وقت کے شہروں کی یہی حالت تھی لیکن ہر وقت یہ تعریف صادق نہیں آسکتی اور

اس کوحد تام نہیں کہہ سکتے ورنہ لازم آئے گا کہ "**مالایسع اکبر مساجدہ اھلہ**" کی بناپر بعض وقت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر بھی جمعہ درست نہ ہو کیونکہ موسم حج میں بھی جبکہ تمام دنیا کے حجاج کرام جمع ہوتے ہیں بہت دفعہ مسجد خالی رہتی ہے اور دنوں کا تو ذکر ہی کیا ہے پس ان پر "لایسع" صادق نہ آیا تو وہ مصر نہ رہے اور جمعہ صحیح نہ ہوا حالانکہ شروع اسلام سے آجتک یہ دونوں شہر ہیں اور وہاں جمعہ ہوتا آرہا ہے اور بعض وقت یہ تعریف چھوٹے گاؤں پر بھی صادق آجاتی ہے کہ وہاں کی چند مسجدوں میں سے ایک بڑی مسجد ضرور ہوگی اور وہاں کے مکلفین مسلمان اس میں نہیں سماسکیں گے۔اس کے باوجود عرفِ عام میں وہ چھوٹا گاؤں ہوگا۔اسی وجہ سے بعد میں فقہاء نے ایسی مسجد کی لمبائی مقرر کردی کہ وہ کم از کم چالیس گز شرعی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب علامت کا درجہ رکھتی ہیں نہ کہ حدِّ تام کا اور یہ رسم وعلامت بھی ناقص ہے کہ بعض پر صادق آتی ہے اور بعض پر صادق نہیں آتی پس یہ حقیقت مصر کولازم ومتعین نہیں کرتی کہ جس پر یہ صادق آجائے وہ مصر ہوجائے اور جس پر صادق نہ آئے وہ مصر نہ رہے۔(عمدۃ الفقہ،ج:۲،ص:۴۳۷،۴۳۸)

حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:اور یہ تعریف: **ھو ما لایسع الخ.** حد تام نہیں رسم ناقص ہے اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔(امداد الفتاوی،ج:۳،ص:۱۲۰،ط،زکریا بک ڈپو ہند)

امداد الفتاوی میں ایک دوسرے مقام پر مرقوم ہے:"اور یہ تعریف "**المصر مالایسع أکبر مساجدہ أھلہ**". بھی اسی بناء پر صحیح ہے،جبکہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو کیونکہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لایسع کہاں ہوا بلکہ یسع صادق آگیا اور جو تعریف مکہ مدینہ پر صادق نہ آوے وہ صحیح نہیں جیسا کہ کبیری میں ہے.......... ہاں تعریف مذکور یعنی "**المصر مالایسع الـخ**" کی صحت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے کیونکہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے وہاں کے لوگ اس میں سما نہ سکیں یہ علامات وعارض سے ہیں نہ حقیقت مصر تاکہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلاد مصر نہ رہے بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو اس قدر کہ لوگ اسے شہر یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو

مشابہ قصبہ کے ہو اور وہاں بازار اور دوکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگر چہ فلاں گاؤں یا بازار سے موسوم کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اس کو شہر کہدے تو اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اس کو رد اور تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ (امداد الفتاوی، ج:۳،ص:۱۶۲،۱۶۳، ط، زکریا بک ڈپو ہند)

فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں مصر کی مذکور بالا تعریف کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ: شرح وقایہ میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے اس کی تنقید بھی شامی میں مذکور ہے.... لہٰذا شرح وقایہ کی تعریف پر سہارا لینا خود مزیف ہے، اس لئے طحطاوی نے لکھا ہے کہ: ''**قوله: لايسع أكبر مساجده أهله، هذا يصدق على كثير من القرى**''. (فتاوى محموديه، ج: ٨، ص: ٧٠)

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: آپ نے جو تعریف نقل کی ہے: ''**مالايسع أكبر مساجده أهله**'' اس پر طحطاوی سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے: ''**هذا يصدق على كثير من القرى**''. ١/٥٣٦، نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ''**وفيه اشكال حيث لم يصدق على المساجد الثلاثة، اهـ**'' **شرح النقاية: ١/١٢٣.** (فتاوى محموديه، ج: ٨، ص: ٨٣)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ کی آبادی ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) نفوس پر مشتمل ہے جس میں چند دکانیں ہیں، جس میں بزازی وغیرہ کی دکانیں بھی شامل ہیں، اس آبادی میں موچی، دھوبی، لوہار وغیرہ بھی ہیں، دو آٹا پیسنے والی مشینیں بھی ہیں، ایک ڈاکخانہ بھی ہے اور ایک پرائمری سکول بھی ہے۔ الغرض جو گاؤں میں معمولی لوازمات زندگی مہیا ہو سکتے ہیں یہاں موجود ہیں۔ آیا علماء حنفیہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک آبادی ہذا میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں اور آبادی ہذا قصبہ کے حکم میں شمار ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ابو زاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

جواب:اگراس موضع میں ایک سے زیادہ مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں بستی کے مسلمان مکلّف نہ سماسکیں تواس میں حنفیہ کے نزدیک بھی جمعہ جائز ہے۔

مفتی محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

مہر مدرسہ امینیہ دارالافتاء دہلی

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء

جواب: جواب مذکورہ علی الاطلاق ہماری ناقص رائے میں صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے اگراس مسئولہ عنہ بستی کو پہلے سے عرف میں شہر (مصر) کہا جاتا ہے اور پھراس میں یہ دوسری علامت کہ وہاں کہ تمام مسلمان مکلّف اکبر مساجد میں نہ سماسکیں، پائی جاتی ہوتب تو یہ مصر جامع مصر جامع ہے اور جواب درست، ورنہ صرف اس علامت کے پائے جانے سے کوئی آبادی جوگاؤں کہلائے مصر نہیں بن جاتی۔ کیونکہ یہ مصر کی حد نہیں صرف بعض بلاد کی مصریت کی تعیین وتقریب کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ طرداً وعکساً دونوں طور پر منقوض ہے۔ **کما هو بين.** عموماً صرف ڈیڑھ ہزار کی آبادی سے کوئی بستی مصر میں تبدیل نہیں ہوجاتی اور مصر ہونے کی دیگر متعدد علامتوں میں سے کوئی بھی علامت سوائے **مالايسع الخ** کے اس پر صادق نہیں آتی الا ماشاءاللہ۔ مصر کی علی الاطلاق جوتعریف صحیح معلوم ہوتی ہے اور ہر دور میں صحیح اُترتی ہے غالباً وہ ہے جو بدائع صفحہ ۲۶۰ جلد ا پر سفیان ثوریؒ سے نقل کی گئی ہے "**يقول وقال سفيان الثوريؒ المصر الجامع ما يعده الناس مصراً عند ذكر الامصار المطلقة**'' اوراسی طرح دیگر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے۔ مندرجہ ذیل عبارات میرے بیان پر شاہد صدق ہیں۔

قال فی جامع الرموز ص ۲۶۲ ج ۱ بعد ذكر هذا التعريف الا انهم قالوا ان هذا الحد غير صحيح عند المحققين والحد صحيح المعول عليه انه كل مدينة تنفذ فيها الاحكام و يقام الحدود كما فی الجواهر وقال فی ردالمحتار ص ۱۳۷ ج معترضا على هذا الحد (قوله مالايسع الخ) هذا يصدق على كثير من القرى وفی الكوكب الدرى

ص ۴۱۵ ج ۱ وليس هذا كله تحديداً له بل اشارة الى تعيينه وتقريب له الى الاذهان وحاصله ادارة الامر على رأى اهل كل زمان فى عدهم المعمورة مصراً فيما هو مصر فى عرفهم جازت الجمعة فيه وماليس بمصر لم يجز فيه الا ان يكون فناء المصر وقال بعد اسطر واما ما قال اكثر من سلف المصر ومالايسع اكبر مساجدهم مسلمهيم فالمراد اذا كان المسجد المذكور فى المصر اذ مذهب قائل هذا القول اطلاق جمع منتهى الجموع على العشر او اكثر منه مع ان هذا خلاف منه بالجمهور وقائل هذا هو صدر الشريعة صاحب التوضيح فكان مراده بهذا التعريف هو المصر فان المساجد بتلك الكثرة انما هى فيه.

وفى فيض البارى ص ۳۲۹ ج۲ واعلم ان القرية والمصر من الاشياء العرفية التى لاتكاد تنضبط بحال وان نص ولذا ترک الفقهاء تعريف المصر على العرف كما ذكره فى البدائع وانما توجهوا الى تحديد المصر الجامع فهذه الحدود كلها بعد كونها مصراً فان المصر الجامع اخص من مطلق المصر فقد يتحقق المصر ولايكون جامعاً وقال فيه بعد اسطر ففكر فى لفظ احتاجوا الخ (الواقع فى تفسير صاحب العناية اذا كان من اهلها بحيث لو اجتمعوا فى اكبر مساجدهم لم يسعهم ذالک حتى احتاجوا الى بناء مسجد اٰخر للجمعة) فانه ليس عند عامتهم مع انه لايحتاج اليه الا انه يفيدک فى تحصيل المراد ويستفاد منه ما قلنا من ان الحد المذكور فيمن وجبت عليهم الجمعة فاحتاجوا الى بناء مسجد لا فيمن لم يجب عليه الجمعة بعد وهم بصدد اقامتها فجعلوا يقدرون مساجدهم هل تسعهم اولا الخ.

اورامدادالفتاوی جلداول ۴۱۴ میں بھی اس تعریف پراسی طرح تقریر کی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ عبداللطیف غفرلہ معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

۲۷محرم ۱۳۸۵ھ

(هو المصوب): اکبر مساجد والی تعریف مصر کو صورت مسئولہ میں اس بستی پر منطبق کرا کے اسے مصر قرار دینا اور اس میں جواز جمعہ کا حکم دینا تو صحیح نظر نہیں آتا **کما بینہٗ مولانا عبداللطیف هذا الجواب** البتہ اگر اُسے قریہ کبیرہ قرار دے کر جواز جمعہ کا حکم دے دیا جاتا تو اس میں گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا یہ فتویٰ شاید بہت پہلے کا ہے۔ آخری عمر کے فتاوے تلاش کیے جاویں شاید تحقیق بدل گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

(فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۱۰،ص:۲۹،۳۰،۳۱، ط، اشتیاق اے مشتاق پریش لاہور)

فقیہ ملت مفکر اسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک دوسری جگہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ''لیکن یہ تعریف جامع مانع نہیں ہے''۔ (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۵۵۷، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور)

فتاوی مفتی محمودؒ میں ایک دوسری جگہ پر ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اور اکبر مساجد کی عدم وسعت کی تعریف منقوض وضعیف ہے...الخ''۔ (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص: ٦۸۰، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: فقہاء کرام نے جمعہ کی ادائیگی کی صحت کے لیے مصر جامع کی شرط لگائی ہے اور صورت مذکورہ بالا میں مصر جامع نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں، نیز ''**مالایسع اکبر مساجده اهله**'' والی عبارت علامہ صاحب کبیری کی عبارت سے منقوض ہے۔

''**حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتاخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرها وهو ما لو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لایسعهم فانه منقوض بهما اذ مسجد کل فیها یسع اهله وزیادة**''....**الخ**. (**حلبی کبیر: ۴۷۴، ۴۷۳**). (ارشاد المفتین، ج: ٤، ص: ٥٢٢، ط، مكتبة الحسن لاهور)

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: سوال میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ یہ منقوض ہے۔ لہٰذا اس کی رو سے تو پھر مکہ اور مدینہ بھی مصر نہیں بنتے کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں وہاں کے باشندوں سے زیادہ افراد کی گنجائش ہے حالانکہ وہاں عہد نبویؐ سے جمعہ ہو رہا ہے۔ نیز اس کی رو سے بعض وہ چھوٹی بستیاں جو بالاتفاق قریہ صغیرہ ہیں وہ مصر بن جائیں گی۔ لہٰذا مصر کی ہر تعریف میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ تعریف کے صادق آنے کے ساتھ وہ جگہ عرفاً بھی مصر یا قریہ کبیرہ کہلاتی ہو، الخ۔ (خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۸۵، ط، دار مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب نور اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اور شہر کی تعریف جن حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی بڑی مسجد میں لوگوں کی سمائی نہ ہو تعریف جامع مانع نہیں۔ (خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۲۷، ط، دار مکتبہ امدادیہ ملتان)

لہٰذا ان مذکور بالا حوالہ جات سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) مصر کی یہ تعریف "**المصر مالایسع أکبر مساجده أهله**" کا مطلب یہی ہے کہ اس شہر کی مساجد میں سے سب سے بڑی مسجد میں یہ لوگ نہ آسکیں، کیونکہ مساجد شہروں میں بکثرت پائی جاتی ہیں تو یہ مراد نہیں کہ دیہات میں کوئی بڑی مسجد آبادی کو نا کافی ہو تو اس پر بھی یہ تعریف صادق آجائے۔

(۲) اکبر مساجد کی عدم وسعت کی تعریف منقوض وضعیف ہے۔

(۳) مصر کی یہ تعریف جامع مانع نہیں ہے۔

(۴) مصر کی یہ تعریف حد تام نہیں ہے بلکہ علامت اور رسم ناقص ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مصر کی تعریف اس طرح منقول ہے کہ وہ بڑی بستی ہے جس میں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور اس کے ماتحت دیہات ہوں اور وہاں کوئی والی (حاکم) ہو جو اپنی جاہ وحشمت سے اور اپنے یا کسی دوسرے کے علم کے ذریعے ظالم سے مظلوم کا انصاف لینے پر قادر ہو (اگرچہ بالفعل انصاف (بدلہ) نہ لیتا ہو) اور جب کوئی حادثہ واقع ہو لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں، اور یہی تعریف اصح ہے۔ (عمدۃ الفقہ، ج:۲،ص:۴۳۷)

فی بدائع الصنائع: وروی عن أبی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أو علم الناس غیره والناس یرجعون الیه فی الحوادث وهو الأصح. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الجمعه، فصل فی بیان شرائط الجمعة، ج: ١، ص: ٢٦٠/ ومجمع الانهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج: ١، ص: ٢٤٧، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/وحلبی کبیر،ص: ٥٥٠)

لہٰذا مصر کی ان مذکور بالا تعریفات کے علاوہ فقہاء کرام سے مصر کی اور بھی تعریفات منقول ہیں۔ لیکن یہ تمام تعریفات مصر کی علامات ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ مصر کا مدار عرف پر ہے، لہٰذا جس زمانہ میں عرف جس کو شہر کہے گا وہی شہر ہوگا۔ اب ہمارے زمانہ میں شہر کہا جائے گا اس جگہ کو جہاں بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار بازار لگنا کافی نہیں، ڈاک خانہ وغیرہ ہو۔

قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: مصر کی شرط تو ہمیں تسلیم ہے لیکن شہر کے متحقق ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں پر کوئی حاکم ہو جو حدود کو قائم کرے تو اس میں حدود کے قائم کرنے کی تصریح نہیں ہے کہ آپ کا استدلال صحیح ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت کو اس قدر اختیارات ہوں کہ وہ حدود قائم کرسکتا ہو کیونکہ اگر یہ مطلب مراد نہ لیا جائے تو اس زمانہ میں کسی بھی شہر میں جمعہ پڑھنا صحیح نہ ہو کیونکہ کسی بھی شہر میں عملاً حدود نافذ نہیں کی جاتیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شہر اسے کہتے ہیں جہاں چار ہزار مرد ہوں وغیرہ یہ سب شہر کی متعین تعریف نہیں بلکہ سمجھانے کیلئے اس طرح ذکر کیا گیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ اپنے عرف میں جس جگہ کو شہر سمجھتے ہیں تو وہ شہر کہلائے گا اور وہاں جمعہ پڑھنا صحیح ہوگا اور جو شہر نہ ہو وہاں جمعہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔ (الکوکب الدری شرح جامع الترمذی، ج:٢،ص:١٤١، ط،مکتبۃ الشیخ کراچی)

---

(١١):فی الکوکب: وأما ما قال بعضهم من أن شرطه المصر فمسلم، لکنهم اختلفوا فیما تتحقق به المصریة،فقیل:ما فیهم أمیر یقیم الحدود، ولیس فیه تصریح=

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی پر ہے علی الأصح ..الخ۔ (امداد الفتاوی، ج:۳،ص:۱۴۴، ط، مکتبہ زکریا بکڈ پو الہند)

مفتی اوّل و مفتی اعظم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ: مصر کی تعریف میں اختلاف ہے لیکن بظاہر مدار عرف پر ہے، عرفاً جو شہر اور قصبہ ہو اور آبادی اس کی زیادہ ہو اور بازار و گلیاں اس میں ہوں اور ضروریات سب ملتی ہوں وہ شہر ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۵،ص:۸۵،۸۶، ط، دار الاشاعت کراچی)

حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: مصر کی علامت ہر زمانہ میں مختلف ہوئی ہیں، آجکل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار بازار لگنا کافی نہیں، اور ڈاک خانہ وغیرہ ہو۔ (امداد الاحکام، ج:۱،ص:۷۵۹، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مصر کی مختلف تعریفیں بیان فرمانے کے بعد

=باقامة الحدود، بل المراد بذلک قدرة الأمير على ذلک، اذ لو لم يرد ذلک لما صحت الجمعة فى شئ من الأمصار فى وقتنا هذا، اذ لايجرى الحدود أحد، وقيل: ما فيه أربعة آلاف رجال الى غير ذلک، وليس هذا كله تحديداً له بل اشارة الى تعيينه وتقريب له الى الأذهان، وحاصله ادارة الأمر على رأى أهل كل زمان فى عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر فى عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه. (الكوكب الدرى، ج: ١، ص: ٤١٣، ٤١٤)

وفى اعلاء السنن: وأيضا فان المصر، والقرية كلاهما عرفية قد تميز مصداق كل منهما عن الآخر عند أهل العرف فى كل زمان. (اعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فى القرى، ج: ٨، ص: ١١، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

تحریرفرماتے ہیں: ’’مصر کی تعریف میں فقہائے کرام کے اور بھی مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض نے یہ تعریف کی کہ جہاں دس ہزار آدمی رہتے ہوں بعض نے کہا کہ جہاں ہر پیشے والا اپنے پیشے کو چلا سکے بعض نے کہا کہ جہاں اس قدر لوگ رہتے ہوں کہ اگر کوئی دشمن اُن سے مقابلہ کرے تو وہ اس کے دفع پر قادر ہوں بعض نے کہا کہ جہاں ہر روز کوئی نہ کوئی موت و پیدائش ہوتی ہو وغیرہ مگر یہ سب رسم ناقص اور علامات وعوارض ہیں حدّ نہیں بلکہ حدّ وہی ہے جو ظاہر الروایت سے اوپر بیان ہوئی ہے اور یہ سب اُسی ایک معنی کے مختلف عنوان ہیں یعنی الفاظ کا بیان جُدا جُدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ عرف میں جس کو شہر یا قصبہ (بڑا گاؤں) کہتے ہوں اور وہ بڑا گاؤں قصبہ کے مشابہ ہو خواہ اس کو گاؤں ہی کہتے ہوں یعنی آبادی اور بازاروں وگلی کوچوں کے اعتبار سے قصبہ کی شان رکھتا ہو تو ایسی آبادی میں جمعہ جائز و صحیح ہے۔ (عمدۃ الفقہ، ج:۲،ص:۴۳۸)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ: مصر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر اور قریہ ہونا عرفی چیزیں ہیں، جس زمانہ میں جیسا عرف ہوا، ویسی ہی علامات متعین کر کے علماء نے تعریف کر دی۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۸،ص:۱۴۱)

مفکر اسلام فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ: مصر کی تعریف میں اختلاف ہے لیکن مدار عرف پر ہے۔ عرفاً جو شہر اور قصبہ ہو اور آبادی اس کی زیادہ ہو اور بازار و گلیاں اس میں اور ضروریات سب ملتی ہوں وہ شہر ہے۔ (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۵۵۱، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ: جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مصر یعنی شہر یا قصبہ (بڑا گاؤں) ہونا شرط ہے۔ چھوٹے گاؤں یا جنگل میں نمازِ جمعہ درست نہیں۔ مصر کی تحدید میں مشائخِ حنفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ مصر وہ ہے جس میں سلطان یا اس کا نائب موجود ہو۔ بعض نے کہا کہ مصر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد اس کی آبادی کے لئے کافی نہ ہو۔ بعض نے کہا جس میں بازار ہوں۔ غرض اس طرح مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کلی طور پر کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے۔ اگر عرف میں کسی بستی کو شہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہو تو وہاں نمازِ جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ (درس ترمذی، ج:۲،ص:۲۶۶، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

مصر کی اصل تعریف یعنی حدِ تام یہ ہے کہ اسے عرفِ عام میں شہر شمار کیا جاتا ہو۔ (البدائع، فیض الباری، البدر الساری، القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع، امداد الفتاویٰ، عزیز الفتاوی، امداد المفتین)

عرفِ عام میں مصریت کے لیے یہ لازم ہے کہ گلی کوچے ہوں، بازاروں میں دو رویہ آپس میں متصل دکانیں ہوں، عمارت پختہ ہوں، ضرورت کی اکثر اشیاء مل سکتی ہوں۔

یہ حقیقت درایۃً بھی ظاہر اور مسلم ہے کہ جن الفاظ کے شریعت نے خود کوئی مخصوص معنی متعین نہیں کیے وہ اصل لغت اور عرفِ عام پر ہی محمول ہوتے ہیں، حضورِ اکرم ﷺ نے عرفِ عام سے الگ مصر کے کوئی خاص معنی متعین نہیں فرمائے، اس لیے یہ لفظ عرفِ عام پر ہی رہے گا۔ (تتمہ احسن الفتاوی، ج:۱۰، ص:۴۱۱، ۴۱۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ: اب ایک بات رہ گئی ہے کہ مصر کس کو کہا جاتا ہے۔ تو مشائخ حنفیہ کے اس میں مختلف اقوال ہے۔ بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ بستی جس میں سلطان یا اس کا نائب ہو۔ اور بعض نے کہا کہ جس کی سب سے بڑی مسجد اس آبادی کیلئے کافی نہ ہو۔ اور بہت سی تعریفات کی گئی ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کلی طور پر کوئی مانع تعریف نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے ہر زمانے کا عرف بدلتا رہتا ہے لہٰذا جس زمانہ میں عرف جس کو شہر کہے گا وہی شہر ہوگا۔ اب ہمارے زمانہ میں شہر کہا جائے گا اس جگہ کو جہاں ریلوے اسٹیشن ہو، ڈاک خانہ ہو، ٹیلیفون ہو، تھانہ ہو، پولیس اسٹیشن اور وہاں ہر قسم کی چیزیں ملتی ہوں۔ (درس مشکوۃ، ج:۲، ص:۱۱۶، ط، ادارۃ الحسن پشاور)

حضرت مولانا مفتی رضا الحق صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: فقہائے کرام نے شہر اور بڑی بستی کی مختلف تعریفیں کی ہیں: علامہ عینیؒ ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں:

وهذا تفسير المصر الجامع وقد اختلفوا فيه فعن أبي حنيفةؒ ما يجمع فيه مرافق

أهله. عن أبی یوسفؒ کل موضع فیه أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود وهکذا روی الحسنؒ عن أبی حنیفةؒ فی کتاب صلاته وفیه عن سفیان ثوریؒ المصر الجامع ما یعد الناس مصراً عند ذکر الأمصار المطلقة کبخاری وسمرقند وقال الکرخیؒ: هو ما أقمیت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام وهو اختیار الزمخشریؒ وعن أبی عبدالله البلخیؒ أنه قال: أحسن ما سمعت أنه اذا اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعوا فیه فهو مصر جامع وعن أبی حنفیةؒ هو بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ویرجع الناس الیه فی ما وقعت لهم من الحوادث.....(البنایة للعلامة العینیؒ: ٢/٩٨٢)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی چند تعریفیں ہیں:

(۱) جس میں ضرورت کی اشیاء ملتی ہوں۔

(۲) جس میں امیر وقاضی ہوں جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں.....اس کے علاوہ دیگر تعریفیں بھی فقہاء سے منقول ہیں۔تاہم محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب شہر کی علامتیں ہیں جنہیں ہر مجتہد یا فقیہ نے اپنی صواب دید کے موافق بیان کی ہیں۔حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

والحاصل ان تفسیر المصر محول علی العرف واللغة. (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ٦٤٢، ٦٤٣، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ: مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، لیکن بظاہر عرف پر مدار ہے، عرفاً جس شہر اور قصبہ کی آبادی زیادہ ہو، بازار گلیاں ہوں اشیاء ضرورت ملتی ہوں وہ شہر ہے۔(فتاوی قاسمیہ، ج:۹،ص:۱۰۵،ط،مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

استاذ الحدیث حضرت مولانا رفیق احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

(۱): (امام) ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر وہ ہے جہاں سڑکیں، بازار، حاکم اور والی ہوں اور ایسا عالم موجود ہو جو پیش آمدہ حوادث میں فتاوی دے سکے۔

(۲): (امام) ابو یوسفؒ سے تین روایتیں منقول ہیں (الف) کہ جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام

جاری کرنے اورشرعی سزاؤں کوقائم کرنے پرقادرہو۔(ب) کہ جس موضع کی سب سے بڑی مسجداس کی آبادی کیلئے کافی نہو۔(ج) جس میں دس ہزار کی آبادی ہواس طرح ثوریؒ وغیرہ سے بھی بہت سی تعریفات منقول ہیں۔راقم الحروف کہتا ہے فی الحقیقت اس کا مدارعرف پر ہے جس زمانہ میں جس کومصر کہا جائیگا وہی مصر یا شہر ہوگا لہٰذا دور حاضر میں جہاں تھانہ،اسٹیشن، ڈاکخانہ،ٹیلیفون، چیرمین،ممبراور عالم محقق وغیرہ موجود ہوں اور وہاں ہرقسم کی ضروریات بھی ملتی ہوں اس کوشہر کہا جائیگا۔(ایضاح المشکوۃ،ج:۲،ص:۵۸۱،ط،المکتبۃ الاشرفیہ بنگلادیش)

حضرت مولانامفتی وسیم احمد قاسمی صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) تحریرفرماتے ہیں کہ:مصرجامع وہ بڑاشہر جس میں باقاعدہ سڑکیں ہوں گلی کوچے اور بازار ہوں،امیر یا قاضی ہوجواحکام جاری کرنے اورشرعی سزاؤں کوقائم کرنے پرقادرہو،اس کے علاوہ مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں،لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کا مدارعرف پر ہے،اگرعرف میں کسی بستی کوشہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہےتو وہاں نمازِ جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔(انوارالقدوری،ج:۱،ص:۲۰۰،ط،دارالاشاعت کراچی)

حضرت مولانامحمد رفیق سورتی صاحب تحریرفرماتے ہیں کہ: جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مصریعنی شہر یا قصبہ(بڑاگاؤں) ہوناشرط ہے۔چھوٹے گاؤں یا جنگل میں نمازِ جمعہ درست نہیں۔مصر کی تحدید میں مشائخِ حنفیہ کےمختلف اقوال ہیں۔بعض نے کہا کہ مصروہ ہےجس میں سلطان یااس کا نائب موجود ہو۔بعض نے کہا کہ مصروہ ہےجس کی سب سے بڑی مسجداس کی آبادی کے لئے کافی نہ ہو۔بعض نے کہا جس میں بازارہوں۔ غرض اس طرح مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کلی طور پرکوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ اس کا مدارعرف پر ہے۔اگرعرف میں کسی بستی کوشہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہوتو وہاں نمازِ جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔(شفاءالارواح،ص:۲۹۴)

فناءمصرمیں جمعہ کاحکم

فنائےمصریعنی وہ جگہ جوشہرکی مصلحتوں اورضرورتوں کے لئے شہرسےملی ہوئی ہومثلاً قبرستان یعنی جہاں شہرکےمُردے دفن ہوتے ہوں یاچھاؤنی (فوج کے رہنے کی جگہ) ہو یا گھوڑوں کے پھیرنے یادوڑانے

کی جگہ ہو یا چاندی ماری ہوتی (۱۲) ہو یا کچہریاں واسٹیشن وغیرہ ہوں تو یہ سب فنائے مصر میں داخل ہیں اور یہ سب شہر کے حکم میں ہیں اور ان میں جمعہ ادا کرنا صحیح ہے۔ فنائے مصر کے لئے حدود مقرر کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ ہر شہر کے ساتھ اس کی ضرورت کے مناسب ہوتی ہے البتہ اس کی تعریف یعنی شہر کی ضرورتوں کے لئے ہونا صادق آجائے یہی کافی ہے خواہ اس کو شہر کی آبادی سے کھیت وغیرہ جدا کرتے ہوں اسی طرح شہر کی آبادی میں بھی کھیت یا میدان وغیرہ کا فاصل ہوجانا اتصال کو مانع نہیں ہے جبکہ اس ساری آبادی پر عرفاً اس شہر کا اطلاق ہوتا ہو۔

فی الدرالمختار: ویشترط لصحتها سعبة أشیاء: الأول المصر.......أو فناؤه بکسر الفاء وهو ما حوله اتصل به أولا، کما حرره ابن الکمال وغیره لأجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل، والمختار للفتوی تقدیره بفرسخ، ذکره الولواجی.

وفی الشامیة تحته: قوله: (والمختار للفتوی الخ) اعلم أن بعض المحققین أهل الترجیح أطلق الفناء عن تقدیره بمسافة، وکذا محرر المذهب الامام محمد، وبعضهم قدره بها، جملة أقوالهم فی تقدیره ثمانیة أقوال أو تسعة: غلوة، میل، میلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان. والتعریف أحسن من التحدید، لأنه لایوجد ذلک فی کل مصر، وانما هو بحسب کبر المصر وصغره. (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٧، ٨، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی الهدیة العلائیة: والفناء ما أعد لأجل مصالح المصر من دفن الموتیٰ وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی بالنبدق (البارودة) واختبار المدافع وغیره ذلک، ولو لم یتصل بالمصر، ولو فصل بمزارع، ویختلف ذلک بکبر المصر وصغره. (الهدیة العلائیة، باب صلاة الجمعة، ص: ١١٧، ط،

---

(۱۲) چاند ماری: [۱] بندوق یا تیر چلانے کی مشق [۲] وہ جگہ جہاں یہ مشق کی جاتی ہے۔ (فیروز اللغات)

دار ابن حزم بیروت لبنان/ وعمدة الفقه، ج: ٢، ص: ٤٣٩/ ونوارد الحقائق، ص: ٢٢٨، ٢٢٩، ط، مکتبه دار القلم کراچی/ واحسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٣٣/ خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ٤٦، ٤٧، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

قصبہ قریہ کبیرہ میں جمعہ کا حکم

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، قصبہ کی تعریف ہمارے عُرف میں یہ ہے کہ جہاں آبادی چار ہزار ہو، اور ایسا بازار موجود ہو جس میں چالیس پچاس دکانیں متصل ہوں، روزانہ بازار لگتا ہو، اور اس بازار میں ضروریاتِ روزمرہ کی تمام چیزیں ملتی ہوں، مثلا جوتے، کپڑے، عطریات، غلہ، دودھ اور گھی وغیرہ کی دکانیں ہوں، ڈاکٹر اور حکیم ہوں، ڈاک خانہ ہو، پولیس تھانہ یا چوکی ہو، اُس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں، پس جس بستی میں یہ شرائط موجود ہوں، وہاں جمعہ صحیح ہوگا، اور جہاں یہ شرطیں نہ پائی جائیں وہاں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ (المسائل المہمہ فیما ابتلت بہ العامۃ، ج:۷، ص:۷۰/ امداد الاحکام، ج:۱، ص:۷۵۶، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

جمعہ فی القری یعنی گاؤں میں جمعہ کا حکم

جمعہ فی القری کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ بھی اہم مسائل میں سے ہے بالخصوص آج کے دور میں تو یہ بہت ہی معرکۃ الآراء بن گیا ہے۔ مصر اور قریہ کبیرہ میں بالاتفاق جمعہ جائز ہے اور جنگل میں بالاتفاق ناجائز ہے صرف دور حاضر کے غیر مقلدین اس کو جائز کہتے ہیں اور قریہ صغیرہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے جمعہ کی اقامت کے لئے مصر ہونا ضروری ہے اور بڑی بستی بھی مصر یعنی شہر کے حکم میں داخل ہے۔ بڑی بستی وہ ہے جسے عرف میں قصبہ کہتے ہیں۔ ایسی جگہ پر جمعہ جائز ہے، لیکن جو چھوٹے گاؤں ہیں وہاں جمعہ جائز نہیں بلکہ ظہر پڑھنا واجب ہے(۱۳)۔ امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے

---

(۱۳): **في عمدة القاري: ومذهب أبي حنيفة رضي الله عنه، لاتصح الجمعة الا في مصر جامع أو في مصلى المصر، ولاتجوز في القرى.** (عمدة القاري، كتاب الجمعة، =

نزدیک اس قریہ صغیرہ میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے جہاں کم ازکم چالیس عاقل وبالغ آزادمرد ہمیشہ رہتے ہوں ہاں نمازاورخطبہ جمعہ کے وقت بھی ان چالیس آدمیوں کی حاضری شرط ہے(۱۴)۔امام مالکؒ کے نزدیک اس قریہ

=باب الجمعة فی القری والمدن، ج:٦، ص: ٢٧٠، ٢٧١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۴):فی المنهاج لفقه الشافعية: ولصحتها مع شرط غيرها شروط: ......الرابع: الجماعة، وشرطها: كغيرها وان تقام بأربعين مكلفا حراً ذكراً مستوطنا لايظعن شتاءً ولا صيفاً الا لحاجة.

وفی النجم الوهاج تحته: قال: (حراً ذكراً مستوطناً لايظعن شتاءً ولاصيفاً الا لحاجة) فلاتنعقد بالأرقا، ولابمن بعضه رقيق، ولابالنساء والخناثٰى لنقصانهم، ولابغير المستوطين كالمسافرين، ومن يقيم شتاءً لاصيفاً أو بالعكس، الخ.

وقوله: (لايظعن....) الٰى آخره بيان لقوله: (مستوطنا).

فان قيل: لاحاجة لقوله: (مستوطنا)، لأن الاستيطان فهم من قوله: (أوطان المجمعين)...قلنا: لا، فان ذلک شرط فی المكان، وهذا فی الأشخاص، حتى لو أقامها فی محل الاستيطان أربعون غير مستوطنين...لم تنعقد بهم.

والمراد: مستوطناً فی مكان الجمعة، ليخرج ما اذا تقاربت قريتان فی كل منهما دون الأربعين بصفة الكمال، ولو اجتمعوا لبلغوا أربعين، فانها لاتنعقد بهم وان سمعت كل منهما نداء الأخرىٰ، لأن الأربعين غير مقيمين فی موضع الجمعة. (النجم الوهاج فی شرح المهاج، باب صلاة الجمعة، ج: ٢، ص: ٤٦١، ٤٦٢، ٤٦٣، ط، دار المنهاج بيروت لبنان)

وفی شرح الكبير لفقه الشافعية: قال الغزالی: الرابع: العدد فلاتنعقد الجمعة بأقل من اربعين ذكور مكلفين احرار مقيمين لايظعنون شتاءً ولاصيفاً الا لحاجة، والامام هو الحادی والأربعون على أحد الوجهين. =

صغیرہ میں جمعہ جائز ہے جہاں مسجد اور بازار ہو(۱۵)۔

دلائل ائمہ ثلاثہ: ان حضرات کا پہلا استدلال آیت قرآنی ”**اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللّٰہ وذرو البیع**“ میں ”**فاسعوا**“ کے عموم سے ہے جس میں مصر اور غیر مصر کی کوئی تفصیل نہیں۔

استدلال کا جواب: آیت مذکورہ اپنے عموم پر تو کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے خود یہ حضرات بھی حدیث طارق بن شہاب سے (جو ابوداؤد میں مروی ہے) آیت کی تخصیص کر کے مریض ومملوک اور مرأۃ وصبی کو اس سے خارج مانتے ہیں، نیز تمیم داری کی حدیث سے مسافر بھی اس سے خارج ہے اور صحراء والوں پر جمعہ کا فرض نہ ہونا علماء مجتہدین کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس آیت اپنے عموم پر نہ رہی بلکہ اس کے مخاطب وہی مخصوص مؤمنین ہیں جن کی تخصیص احادیث میں مصرح ہے(۱۶)۔

= **قال الرافعی: لاتنعقد الجمعة بأقل من أربعين. وبه قال أحمد.** (العزيز شرح الوجير المعروف بالشرح الكبير، ج: ٢، ص: ٢٥٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی أوجز المسالک: ففی ”نيل المآرب“ لفقه الحنابلة: لصحة الجمعة أربعة شروط: أحدها: الوقت، والثانی: أن تكون بقرية مبنية بما جرت به عادة أهلها، لا من قصب، يستوطنها أربعون رجلاً استيطان اقامة لايظعنون عنها، والثالث: حضور أربعين صلاتها وخطبتها،الخ. (أوجز المسالك الى موطأ مالك،ج:٢، ص: ٤٣٠، ط، دار القلم دمشق)

(۱۵):فی شرح صحيح البخاری لابن بطال: أجمع العلماء على وجوب الجمعة على أهل المدن، واختلفوا فی وجوبها على أهل القرى، فقال كل قرية فيها مسجد أو سوق فالجمعة واجبة على أهلها. (شرح صحيح البخاری لابن بطال، كتاب الجمعة، باب الجمعة فی القرى والمدن، ج: ٢، ص: ٤٨٨، ط، مكتبة الرشد رياض)

(۱۶):فی المهذب: ولاتجب الجمعة على صبی ولامجنون، لأنه لاتجب عليها سائر الصلوات، فالجمعة أولى،ولاتجب على المرأة،لما روى جابر رضی اللّٰہ عنه قال: =

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب نداء ہوجائے تو سعی کرو، اب نداء کہاں ہوگی اور کہاں نہ ہوگی؟ اس کی تفصیل قرآن کریم نے نہیں بیان فرمائی بلکہ حدیث نے بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ''جمعہ فی القریٰ کے جواز پر استدلال درست نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ''وذروا البیـــع'' سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا محل وہ مقام ہے جس میں بکثرت تجارت ہو اور جہاں لوگ خرید وفروخت کے معاملات میں بہت زیادہ مصروف ہو، قریہ میں ایسی مصروفیات کا مقام کہاں؟

چوتھا جواب یہ ہے کہ ''فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا الخ'' بھی اس پر دال ہے کیونکہ بعد اداء صلاۃ زمین میں پھیل کر اپنے ذرائع آمدنی اور مشاغل میں مصروف ہونیکا جو حکم دیا گیا یہ تو اکثر مصر میں ہوتے ہیں نہ کہ دیہات میں۔

دوسرا استدلال

ان کا دوسرا استدلال ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے فرماتے ہیں: **عــن عــائشة زوج النبیﷺ أنهـا قـالـت كـان النـاس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالی.(ابوداؤد، رقم: ۱۰۵۵)**

عوالی عالیۃ کی جمع ہے مدینہ سے مشرق کی جانب میں دو میل سے آٹھ میل تک تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چند دیہات ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اہل کوفہ پر رد ہوتا ہے جو گاؤں میں

=قـال رسـول الـلـهﷺ مـن كـان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة الا على امرأة أو مسـافر او عبد أو مريض، لأنها تختلط بالرجال، وذلک لايجوز. ولاتجب على المسافر لـلـخبـر، ولأنـه مشـغول بالسفر وأسبابه، فلو أوجبنا عليه انقطع عنه، ولاتجب على العبد لـلـخبـر، ولأنـه يـنـقـطع عن خدمة مولاه، ولاتجب على المريض للخبر، ولأنه يشق عليه القصد. (الـمـهـذب فـی الفقه الشافعی، فصل من لاتجب عليه الجمعة، ج: ۱، ص: ۳۵۸، ط، دار القلم دمشق)

وجوب جمعہ کے قائل نہیں حالانکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے دیہات سے مدینہ میں آتے تھے معلوم ہوا کہ دیہات والوں پر بھی جمعہ واجب ہے (۱۷)۔

استدلال کا جواب

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت سے تو عدم وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر اہل عوالی پر جمعہ واجب ہوتا تو وہ لوگ نوبت بنوبت نہ آتے بلکہ سب حاضر ہوا کرتے یا باقی ماندگان عوالی میں اپنے قریہ میں جمعہ ادا کرتے ورنہ ظاہر ہے کہ جمعہ کی فضیلت اور کثرت ثواب جو ان کے دلوں پر رچا ہوا تھا اس سے وہ تمام عمر کی محرومی کیسے گوارہ کر سکتے تھے۔ حافظ ابن حجر جیسا شخص بھی کہ جو مذہب پرستی اور تعصب میں مشہور ہے فتح الباری میں یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ اس حدیث سے اہل قری پر جمعہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ قرطبی کو غلط فہمی ہوئی ہے چنانچہ موصوف علامہ قرطبی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "**و فیہ نظر لانہ لو کان واجبا علی اھل العوالی ماتناوبوا ولکانوا یحضرون جمیعاً**" (۱۸). پس ان کا نوبت بنوبت آنا فرضیت جمعہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ بغرض تحصیل برکات وتعلم مسائل دینیہ تھا کہ ہر جماعت اپنی اپنی نوبت میں شرف زیارت سے مشرف ہو اور مسائل دینیہ سیکھ کر پس ماندگان کو تعلیم دے۔

---

(۱۷): فی الکوکب الدراری: قوله: (العوالی) هو جمع العالية وهی مواضع وقری بقرب مدينة رسول الله ﷺ من جهة المشرق من ميلين الى ثمانية أميال.
(الكوكب الدراری، كتاب الجمعة، باب من اين توتی الجمعة وعلی من تجب، ج: ٦، ص: ٢١، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

(۱۸) فی الفتح: وقال القرطبی: فيه رد علی الكوفيين حيث لم يوجبوا الجمعة علی من كان خارج المصر، كذا قال. وفيه نظر لأنه لو كان واجباً علی أهل العوالی ما تناوبوا ولكانوا يحضرون جميعاً. (فتح الباری، كتاب الجمعة، باب من اين تؤتی الجمعة، وعلی من تجب، ج: ٢، ص: ٤٤٩)

تیسرا استدلال

ان کا تیسرا استدلال بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں: **عن ابن عباسؓ قال أنه قال: ان أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللّٰہ ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین** (بخاری، رقم: ۸۹۲). تو اس میں جواثی کو قریہ کہا گیا معلوم ہوا کہ قریہ میں جمعہ ہوسکتا ہے۔

استدلال کا جواب

حنفیہ بھی اسی حدیث کو دلیل میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذرا غور کریں تو یہ ہماری دلیل بنتی ہے۔ وہ اس طرح کہ: حدیث میں ہے مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں ہوا اور جواثی اس زمانہ میں بحرین کا علاقہ تھا، آج بھی اسی نام سے موجود ہے، لیکن اب یہ سعودی عرب کا حصہ ہے۔

جواثی میں جس مسجد میں جمعہ قائم ہوا وہ عبدالقیس کی مسجد تھی اور عبدالقیس کا وفد سن ۸ ہجری میں آیا تھا، اگر بہت ہی احتیاط سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفد عبدالقیس کی واقعہ سن ۵ ہجری میں پیش آیا تھا۔

اگر سن ۵ ہجری والی بات مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جمعہ سن ا ہجری میں فرض ہوا، کیونکہ جب آپ ﷺ قبا سے تشریف لا رہے تھے تو بنی سالم کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی وہیں پر جمعہ فرض ہوا۔ اس کے بعد مسجد نبوی میں تو پہلے سال جمعہ فرض ہوا اور حدیث کہہ رہی ہے کہ مسجد نبوی کے بعد جواثی میں جمعہ ہوا یعنی پانچ سال تک مدینہ منورہ کے سوا کہیں بھی جمعہ قائم نہیں ہوا، لہٰذا اگر ''جمعہ فی القری'' جائز ہوتا تو مدینہ منورہ کے آس پاس بے شمار بستیاں اسلام قبول کر چکی تھیں، ہر بستی میں جمعہ ہوتا، اس سے پتہ چلا کہ ''جمعہ فی القری'' جائز نہیں ہے۔

جواثی کی تحقیق

ابوداؤد وغیرہ میں جو جواثی کے ساتھ قریہ کا لفظ آیا ہے اس سے یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ یہ چھوٹی بستی

تھی، اس زمانہ کی جغرافیہ کی کتابیں اُٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جواثی بڑا شہر تھا، چنانچہ علامہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' جس میں احادیث اور تاریخ میں جن بستیوں اور شہروں کے نام آئے ہیں ان کی تفصیل ذکر کی ہے، اس میں لکھا کہ جواثی میں بنوعبدالقیس کا قلعہ تھا اور یہ بات واضح ہے کہ قلعہ چھوٹے گاؤں میں نہیں ہوتا بلکہ بڑی بستی میں ہوتا ہے۔

علامہ ابن التین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مدینہ کا اطلاق کیا ہے امرء القیس شاعر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جواثی کوئی معمولی سا گاؤں نہیں تھا کیونکہ اس نے اپنے قافلہ کو تجار جواثی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہا ہے ؎

ورحنا كانا من جواثى عشية تعالى النعاج بين عدل ومحقب

یعنی ہمارا قافلہ سامان اور شکاروں کو لے کر جب واپس ہوا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ تجارتی جواثی کا قافلہ ہے جو سامان لے کر جا رہا ہے، تجار جواثی کے ساتھ تشبیہ اسی وقت موزوں ہے جب کہ وہ معمولی سا گاؤں نہ ہو(۱۹)۔

---

(۱۹):في البذل: استدل الشافعية بهذا الحديث على أن الجمعة تقام في القرية، قلنا: لانسلم أنها قرية، بل هي مدينة، حكى ابن التين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة، وقال أبو عبيد البكري هي مدينة بالبحرين لعبدالقيس، قال امرؤ القيس:

ورحنا كانا من جواثى عشية تعالى النعاج بين عدل ومحقب

يريد كأنا من تجار جواثي، لكثرة ما معهم من الصيد، وأراد كثرة أمتعة تجار جواثي.

قلت: كثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار، وكثرة التجار تدل على أن جواثي مدينة قطعاً، لأن القرية لايكون فيها تجار كثيرون غالباً عادة......وقال صاحب "معجم البلدان": جواثي: بالضم وبين الألفين ثاء مثلثة يمد ويقصر، وهو علم مرتجل: حصن لعبدالقيس بالبحرين. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى، ج: ٥، ص: ٥٩، ٦٠، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

نیز علماء لغت نے جگہ جگہ اس بات کی صراحت کی ہے کہ جواثی بڑی تجارتی منڈی تھی، اس لئے محض قریہ کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ یہ چھوٹا سا گاؤں تھا درست نہیں۔

قریہ کا لفظ مکہ اور طائف کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے:

"**لو لا نزل ھٰذا القراٰن علٰی رجل میں القریتین عظیم**".

یہاں قریتین سے مکہ اور طائف مراد ہیں۔

اور "**ولقد اتوا علٰی القریة**" میں قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے مراد ہے۔

اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں "**او کالذی مر علٰی قریة وھی خاویة علی عروشھا**" میں قریہ سے بڑے بڑے شہر مراد ہیں، لیکن قرآن کریم نے ان پر قریہ کا اطلاق کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ بڑے بڑے شہروں پر بھی قریہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جواثی پر جو قریہ کا اطلاق ہوا ہے وہ اسی معنی میں ہے، ورنہ حقیقت میں وہ بڑی منڈی تھی، لہٰذا اس حدیث سے شافعیہ وغیرہم کا "جمعہ فی القری" پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

چوتھا استدلال

ان کا چوتھا استدلال ابوداؤد میں حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ کی روایت سے ہے وہ اپنے والد کے بارے میں نقل کرتے ہیں "**عن عبدالرحمٰن ابن کعب بن مالک۔ وکان قائد ابیه بعد ما ذھب بصرہ۔ عن ابیه کعب بن مالک: انه کان اذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لاسعد بن زرارة فقلت له اذا سمعت النداء ترحمت لاسعد بن زرارة قال لانه اوّل من جمع بنا فی ھزم النبیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الخضمات. قلت کم انتم یومئذ؟ قال اربعون**". (ابوداؤد: رقم ١٠٦٩) اس سے معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں کی بستی میں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے۔

استدلال کا جواب

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیت جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا، اس کی تفصیل مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''وأخرج عبدالرزاق، وعبد بن حمید، وابن المنذر، عن ابن سیرین قال: جمع أهل المدينة قبل أن يقدم النبیﷺ، وقبل أن تنزل الجمعة، قالت الأنصار: لليهود يوم يجتمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارى مثل ذلک، فلهم فلنجعل يوماً نجتمع فيه فنذكر اللّٰه ونشكره. فقالوا: يوم السبت لليهود، ويوم الأحد للنصارى، فاجعلوه يوم العروبة، وكانوا يسمون الجمعة: يوم العروبة. فاجتمعوا الى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم، فسموا الجمعة حين اجتمعوا اليه، فذبح لهم شاة فتغدوا وتعشوا منها، وذلک لقلتهم، فأنزل اللّٰه فی ذلک بعد: (يايها الذين اٰمنوا اذا نودی)،الخ. (الدرالمنثور فی التفسير بالمأثور، ج: ١٤، ص: ٤٦٩، ٤٧٠/المصنف لعبدالرزاق، كتا ب الجمعة، باب أول من جمع، ج: ٣، ص: ١٥٩، ١٦٠، رقم: ٥١٤٤، ط، المكتب الاسلامی). یہ حدیث اس پر صریح ہے کہ یہ جمعہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا اور اس وقت تک جمعہ کے احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے لہٰذا اس واقعہ سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

پانچواں استدلال

ان حضرات کا پانچواں استدلال یہ ہے کہ اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ آنحضرتﷺ نے سب سے پہلا جمعہ قباء سے آتے ہوئے محلّہ بنو سالم میں ادا کیا ہے اور یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔

استدلال کا جواب

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ محلّہ بنی سالم مدینہ طیبہ کے مضافات میں داخل تھا لہٰذا اس میں جمعہ پڑھنا مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ''جمّع جمعة

حين قدم المدينة فى مسجد بنى سالم فى مسجد عاتكه(۲۰). " کے الفاظ بھی آئے ہیں(۲۱)۔

چھٹا استدلال

ان حضرات کا چھٹا استدلال مصنف ابن أبي شيبة میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے **عن أبی هريرةؓ: أنهم كتبوا الى عمرؓ يسألونه عن الجمعة، فكتب: جمعوا حيثما كنتم.** (مصنف ابن أبی شيبة، باب من كان يرى الجمعة فى القرى وغيرها، ج: ۲، ص: ۵۳۷، رقم: ۵۱۰۶، ط، مكتبة الرشد رياض)

استدلال کا جواب

علامہ عینیؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "**معناه حيث كنتم من الامصار**" اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ "حيث" یہاں اپنے ظاہری عموم پر محمول نہیں ہے کیونکہ ظاہری عموم کا تقاضا یہ ہے کہ صحراؤں میں بھی جمعہ جائز ہو حالانکہ صحراؤں میں جمعہ کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں "**ان كان هذا حديثاً يعنى ثابتاً ولا ادرى كيف هو فمعناه فى اى قرية كنتم" نقله البيهقى فى المعرفة.** تو جس طرح امام شافعیؒ نے "حيث" کے عموم کو "قریٰ" کے ساتھ مخصوص کیا اسی طرح حنفیہ اس کو "امصار" کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور حنفیہ کی تخصیص تین وجوہ سے راجح ہے ایک یہ کہ دوسرے دلائل جمعہ کیلئے اشتراطِ مصر پر دلالت کرتے ہیں کما سیأتی دوسرے اس لئے کہ امام شافعیؒ کی تخصیص کو ثابت کرنے کے بعد بھی ان کا مسلک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک بھی ہر قریہ میں

---

(۲۰):(آثار السنن مع توضيح السنن، باب اقامة الجمعة فى القرىٰ، ج:۲ ص:۵۴۵، ط، القاسم اکیڈمی)

(۲۱)قال النيموى وبنو سالم كانت محلة من محلات المدينة بشيء من الفصل.

(آثار السنن مع توضيح السنن، باب اقامة الجمعة فى القرى، ج:۲، ص: ۵۴۶، القاسم اکیڈمی)

نماز درست نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ اس میں چالیس آزاد آدمی موجود ہوں۔ تیسرے اس لئے کہ دراصل اس حدیث کا پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت ابو ہریرۃؓ علاء ابن الحضرمیؓ کی جگہ بحرین کے گورنر بنادیئے گئے تھے انہوں نے وہیں سے حضرت عمرؓ سے یہ سوال کیا تھا کہ ہم یہاں جمعہ پڑھیں یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ جہاں گورنر مقیم ہو وہاں جمعہ نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں اس لئے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ **''جمعوا حیثما کنتم''** یعنی **''جمعوا کنتم من المدن''**.

اوراس روایت سے غیر مقلدین جنگلوں میں جمعہ پڑھنے پر جو استدلال کرتے ہیں وہ تو بالکل ہی لغو ہے اس لئے اگر اقامت جمعہ میں اتنا عموم ہوتا تو حضرت ابو ہریرۃؓ کے اس سوال کے کوئی معنی ہی نہ تھے یہ سوال خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ جمعہ کو صحابہ کرامؓ ہر جگہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

حنفیہ کے دلائل:

اس باب میں حنفیہ کے متعدد دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جمعۃ الوداع کے موقعہ پر وقوف عرفات جمعہ کے دن ہوا تھا پھر اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس روز عرفات میں جمعہ ادا نہیں فرمایا بلکہ ظہر کی نماز پڑھی اس کی وجہ بجز اس کے کوئی نہیں ہوسکتی کہ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے (۲۲)۔

---

(۲۲):عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه أن رجلاً من الیهود قال له: یا أمیر المؤمنین! آیة فی کتابکم تقرؤنها لو علینا معشر الیهود نزلت لاتخذنا ذٰلک الیوم عیداً، قال: أی آیة؟ قال: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾ [المائدة:۳] قال عمرؓ: قد عرفنا ذٰلک الیوم والمکان الذی نزلت فیه علی النبی ﷺ وهو قائم بعرفة یوم جمعة. (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب زیادة الایمان ونقصانه، ص: ۱۳، ط، دار السلام ریاض)

عن جابر بن عبداللّٰه فی حدیث طویل فی حجة النبی ﷺ قال فاجاز رسول=

بعض شافعیہ جمعہ نہ پڑھنے کہ وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ مسافر تھے لیکن یہ جواب درست نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت مقیمین کی تھی کیونکہ سارے اہل مکہ مقیم تھے اور ان پر جمعہ واجب تھا لہٰذا سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے جمعہ کا انتظام کیوں نہیں فرمایا اور مسافر پر اگرچہ جمعہ واجب نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے جمعہ ناجائز بھی نہیں اس لئے اگر آپ ﷺ وہاں جمعہ کی نماز پڑھتے تو آپ ﷺ کی نماز بھی ادا ہو جاتی اور مقیمین کی بھی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے نہ خود جمعہ پڑھا نہ مقیمین کو پڑھنے کا حکم دیا حالانکہ اس موقعہ پر آپ ﷺ کا خطبہ دینا بھی ثابت ہے لہٰذا آپ کے جمعہ نہ پڑھنے کی توجیہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہاں جمعہ جائز نہ تھا۔

دوسری دلیل: حنفیہ کی دوسری دلیل جس پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو مصنف ابن ابی شیبۃ میں مروی ہے کہ فرمایا "**لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع**". یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے۔

اعتراض: شافعیہ وغیرہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس اثر کی سند ضعیف ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے حارث اعور ہیں اور یہ بے انتہاء ضعیف ہیں، اس لئے ان کی روایت کا بھروسہ نہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے متعدد طرق ہیں، صرف حارث اعور پر مدار نہیں بلکہ اور افراد بھی ہیں، جن میں ابوعبدالرحمٰن سلمی بھی داخل ہیں اور ابوعبدالرحمٰن سلمی معروف تابعین میں سے ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "**الدراية في تخريج أحاديث الهداية**" میں اس اثر کے

=**اللّٰہ ﷺ حتى اتى عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها حتى اذا زاغت الشمس امر بالقصوى فرحلت بطن الوادى، فخطب الناس (الى ان قال) ثم اذن ثم اقام فصلى الظهر ثم اقام فصلى العصر ولم يصل بينهما شيئاً، الخ.** (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبى ﷺ، ص: ۵۱۵، ط، دار السلام رياض)

بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، لہٰذا یہ بڑی قوی دلیل ہے(٢٣)۔

تیسری دلیل: صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت مروی ہے فرماتے ہیں "**عن ابن عباسؓ قال أنه قال: ان أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین**". (بخاری، رقم: ٨٩٢). اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ جمعہ ایک ہجری (بلکہ اس سے قبل ہی) فرض ہو چکا تھا اور جواثی میں بنوعبدالقیس کا جمعہ پڑھنا ٦ ہجری کے بعد کا واقعہ ہے، کیونکہ بنوعبدالقیس نے اقامت جمعہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپس آنے کے بعد کی تھی اور بنوعبدالقیس کا وفد فرضیت حج کے بعد آیا ہے چنانچہ مسند احمد میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو جو احکام دیئے ان میں حج کا حکم بھی شامل تھا اور حج کی فرضیت ٦ ہجری میں ہوئی اور اصحاب سیر نے وفد عبدالقیس

---

(٢٣):في اعلاء السنن: عن علی رضی اللہ عنه قال: "لاجمعة، ولاتشريق الا فی مصر جامع". اخرجه أبو عبيد باسناد صحيح اليه موقوفا. ومعناه لاصلاة جمعة، ولاصلاة عيد. كذا فی فتح الباری [٢ : ٣٨]. ورواه عبدالرزاق فی "مصنفه": أنبأ الثوری عن زبيد الأيامی عن سعد بن عبيدة عن أبی عبدالرحمن السلمی عن علیؓ قال: لاتشريق، ولاجمعة الا فی مصر جامع، كذا فی نصب الراية [١ : ٣١٣] وفی الدراية [ص: ١٣١]: اسناده صحيح اهـ.

وروى ابن أبی شيبة فی مصنفه: حدثنا جرير عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن أبی عبدالرحمن أنه قال: قال علی رضی اللہ عنه فذكر اللفظ الأول. واسناده صحيح، كذا فی عمدة القاری[٣: ٢٦٤].

وذكر الامام خواهر زاده فی "مبسوطه" أن أبا يوسف ذكره فی الاملاء مسندا مرفوعا الى النبی ﷺ. وأبو يوسف امام الحديث حجة. كذا فی البناية [١ : ٩٨٣]. أی فيكون رفعه حجة لأنه زيادة من ثقة فتقبل. (اعلاء السنن، ابواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری، ج: ٨، ص: ٣ تا ٦، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

کی آمد ۸ہجری میں بتائی ہے(۲۴) لہٰذا جواثی میں جمعہ کی اقامت ۸ہجری کے بعد یا کم ازکم ۶ہجری کے بعد ہوئی۔اب غورطلب بات یہ ہے کہ ان چھ یا آٹھ سال کی مدت میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت کے مطابق مسجد نبوی کے سوا کسی بھی جگہ جمعہ قائم نہیں ہوا حالانکہ ۶ہجری تک اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا اور بیشمار بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی تھیں اور ۷ہجری میں تو خیبر بھی فتح ہو چکا تھا اس طویل مدت میں مسجد نبوی کے سوا کسی اور جگہ جمعہ کا قائم نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں۔

چوتھی دلیل: ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتے ہیں: **عن عائشة زوج النبیﷺ أنها قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالی.(ابوداؤد، رقم: ١٠٥٥)**

---

(۲۴):فی اعلاء السنن: وقد ورد ذكر الحج أيضا فی "مسند الامام أحمد" من رواية أبان العطار عن قتادة عن سعيد بن المسيب، وعن عكرمة عن ابن عباسؓ فی هذه القصة، كما اعترف به الحافظ فی "الفتح" [١: ١٢٥] وقد جزم القاضی عياض بأن قدوم وفد عبدالقيس كان فی سنة ثمان قبل فتح مكة، كما ذكره الحافظ أيضا، ويؤيده أمر النبیﷺ اياهم بالحج، فكان قدومهم بعد فرض الحج بيقين، وأما قول الحافظ "ان القاضی تبع فيه الواقدی" ففيه أن الواقدی حجة فی المغازی، والسير لاسيما وقد وافقه ابن اسحاق ايضا: فانه ذكر وفد عبدالقيس فی سنة الوفود كما فی "سيرة ابن هشام" [٢: ٣٦٦].

فقد توافقا على وفودهم بعد فرض الحج، واختلفا فی تعيين السنة، فقال الواقدی: سنة ثمان قبل الفتح، وقال ابن اسحاق: سنة تسع بعد الفتح، والتوفيق بينهما أنه كان لعبد القيس وفادتان احداهما قبل الفتح وأخرى بعده. كما تبين ذلك للحافظ أيضاً. (اعلاء السنن، ابواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القریٰ، ج: ٨، ص: ٢٥، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عوالی باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شریک ہونے کیلئے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے اگر چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز ہوتا تو ان کو جمعہ کیلئے باریاں مقرر کر کے مدینہ آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ ''عوالی''ہی میں جمعہ قائم کر سکتے تھے۔

پانچویں دلیل: جب نبی کریم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو پہلے آپ نے قباء میں قیام کیا (جو مدینہ کے قریب ایک قریہ ہے جس میں بنوعمرو بن عوف کے مکانات تھے) اور یہاں چودہ روز اقامت فرمائی (ایام اقامت کے عدد میں اختلاف ہے۔مگر بخاری میں جو چودہ روز مذکور ہیں یہ سب سے راجح ہے) یہاں آپ کو دو جمعے پیش آئے۔ کیونکہ آپ قباء میں پیر کے روز فروکش ہوئے اور پندھویں دن پیر ہی کے روز مدینہ تشریف لے گئے لیکن اس اثناء میں آپ نے قباء میں جمعہ نہیں پڑھا اور نہ اہل قباء کو اس کا حکم فرمایا۔معلوم ہوا کہ نہ اہل قریہ پر جمعہ واجب ہے اور نہ قریہ اقامت جمعہ کا محل ہے(۲۵)۔

---

(۲۵):قال ابن شهاب: واخبرني عبدالرحمٰن بن مالك المدلجي، وهو ابن أخي سراقة بن مالك بن جعشم، أن اباه أخبره أنه سمع سراقة بن جعشم يقول:.....حتى نزل بهم في بني عمرو بن عوف، وذلك يوم الاثنين من شهر ربيع الأول، فقام أبو بكر للناس وجلس رسول اللهﷺ صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم ير رسول اللهﷺ يحيى ابا بكر، حتى أصابت الشمس رسول اللهﷺ فأقبل أبو بكر حتى ظلل عليه بردائه فعرف الناس رسول اللهﷺ عند ذلك فلبث رسول الله في بني عمرو بن عوف بضع عشرة ليلة۔ الى آخر الحديث۔

وفي الفجر الساطع تحت هذا الحديث: بضع عشرة ليلة: يأتي أنها أربعة عشر يوماً. (الفجر الساطع على الصحيح الجامع، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبيﷺ، وأصحابه الى المدينة، ج: ۹، ص: ۲۰۸، ط، مكتبة الرشد رياض/ و منحة الملك الجليل، شرح صحيح محمد بن اسماعيل، كتاب فضائل أصحاب النبيﷺ، باب مقدم النبيﷺ واصحابه الى المدينة، ج: ۷، ص: ۳۴۳، ط، دار التوحيد رياض) =

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب متعدد احادیث اور قوی دلائل سے ثابت ہے۔(انعام الباری، ج:۴، ص:۶۷، ط، مکتبۃ الحراء کراچی/ نصر الباری، ج:۴، ص:۹۳، ط، مکتبۃ الشیخ کراچی/ تحفۃ المنعم شرح مسلم، ج:۳، ص:۳۶۵ تشریحات الترمذی، ج:۲، ص:۳۷۱، ط، قدیمی کتب خانہ/ درس ترمذی، ج:۲، ص:۲۶۷، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی/ الدر المنضود، ج:۲، ص:۴۱۱، ط، مکتبۃ الشیخ کراچی/ الفضل العبود، ج:۲، ص:۱۷۶/ فلاح بہود، ج:۲، ص:۶۷، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ توضیحات، ج:۳، ص:۸۰، ط، المکتبۃ العربیۃ کراچی/ درس مشکوۃ، ج:۲، ص:۱۱۴، ط، ادارۃ الحسن پشاور/ ایضاح المشکوۃ، ج:۲، ص:۵۷۷)

= عن أنس بن مالک قال: لما قدم رسول الله ﷺ المدينة فنزل فی علو المدينة فی حی يقال: لهم بنو عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلة۔ الی آخر الحديث۔

وفی حاشية البذل تحت هذا الحديث: وفی رواية الحموی والمستعلی: أربع عشرون، والصواب الأولی، كما ذكره المصنف ومسلم، "ابن رسلان". وهو الأنسب لأنه عليه الصلاة والسلام بدر وكماله فی أربعة عشر. "ابن رسلان". (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب فی بناء المساجد، ج: ٣، ص: ١٦٧، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

وفی فتح المنعم: (فأقام فيهم أربع عشرة ليلة) هذه رواية الأكثرين، وفی رواية "بضع عشرة ليلة" ولاخلاف بينهما، لكن فی رواية المستعلی والحموی "أربعاً وعشرين ليلة" قال الحافظ ابن حجر: والأول هو الصواب. (فتح المنعم شرح صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب مسجد المدينة، والصلاة فی مرابض الغنم، ج: ٣، ص: ١١٠، ط، دار الشروق القاهرة)

جمعہ فی القریٰ کے بارے میں علماء دیو بند کی آراء

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

سوال: جس مقام پر تفسیر حسب فقہاء صادق نہ آتی ہو مثل قریہ وغیرہ یا جس مصر میں حاکم اور نائب بھی نہ ہو کہ اجرائے حدود شرعیہ کرے اور کفار وہاں کے مانع احکام شرعیہ بھی نہ ہوں تو وہاں جمعہ عیدین قائم کیا جاوے یا نہیں اگر ایسی جگہ قائم کر لیں تو صحیح ہوگا یا ظہر ذمہ باقی رہے گی اور حدیث **لا جمعة و لا تشريق الا فی مصر جامع** صحیح ہے یا ضعیف؟

جواب: یہ حدیث قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے اور اس پر ہی عمل در آمد حنفیہ کثر ہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ قریہ میں نماز جمعہ کسی حال میں ادا نہیں ہوتی۔ البتہ قصبہ یا شہر میں اگر غلبہ کفار کا ہو اور اپنا امام خطیب مقرر کر کے جمعہ ادا کریں جیسا اب مروج ہے تو جمعہ ادا ہو جاتا ہے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رشیدیہ، ص:۳۹۹، ط، دار الاشاعت کراچی)

قدوۃ العلماء زبدۃ الفقہاء حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ہر چند کہ یہ مسئلہ درمیان حنفیہ و شافعیہ کے مختلف فیہ ہے، مگر حنفیہ سے تعجب ہے کہ بلا وجہ اپنے مجتہد کی مخالفت کرتے ہیں......غرض ہمارے مذہب میں دیہات میں نہ جمعہ درست ہے، نہ عیدین۔ (فتاوی خلیلیہ، ص:۱۲۱، ط، مکتبۃ الشیخ کراچی)

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت حکیم الامت صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

گاؤں مذکورہ قریہ صغیرہ ہے اس لئے مذہب حنفی کے موافق اس میں جمعہ درست نہیں۔ (امداد الفتاوی، ج:۳، ص:۱۰۹، ط، زکریا بک ڈپو الہند)

مفتی اعظم و مفتی اوّل دار العلوم دیو بند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ہمارے گاؤں میں تخمیناً تین چار سو آدمی بستے ہیں اور ضروریات وغیرہ کچھ نہیں ملتیں، ایسے گاؤں میں عند الحنفیہ نماز جمعہ و عیدین واجب اور ادا ہوتی ہے یا نہ اور قول اکبر مساجد کی ناقص وغیرہ صحیح و مزیف و منقوض عند المحققین ہے یا نہ؟

الجواب: ایسے گاؤں میں موافق مذہب حنفیہ نماز جمعہ و عیدین صحیح نہیں ہے **كما فى الشامى وفيما ذكرنا اشارة الى انه لاتجوز فى الصغيرة اللتى ليس فيها قاض الخ وقال قبيله وتقع فرضاً فى القصبات والقرى الكبيرة اللتى فيها اسواق الخ ردالمحتار جلد اول.** اور اکبر مساجد کی عدم وسعت کی تعریف منقوض و مزیف ہے **كما قال فى شرح المنية فكل تفسير لايصدق على احد هما فهو غير معتبر حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لايسعهم فانه منقوض بهما اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة الى ان قال فلايعتبر هذا التعريف. فقط.**

(فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ٥، ص: ٤٢، ط، دار الاشاعت کراچی)

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

قال على رضى الله عنه لاجمعة ولاتشريق ولافطر ولا اضحى الا فى مصر جامع اومدينة رواه ابن ابى شيبة فى المصنف بسند حسن كما حققته فى اعلاء السنن ولله الحمد، وهو موقوف فى حكم المرفوع لكونه واردا على خلاف القياس المستمر فى

الصلوات من عدم تقییدھا بمکان دون مکان قال تعالٰی: ”وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ“ وقال النبی ﷺ جعلت لی الارض کلھا مسجداً طھوراً، اثر مذکور کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں، بلکہ ان کے لئے قصبات یا شہر ہی محل ہیں، اور عوام کالانعام کی ضد سے احکامِ شرعیہ نہیں بدل سکتے...الخ۔ (امداد الاحکام، ج:۱،ص:۷۷۷، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں، یا برابر، یا زائد۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۸،ص:۹۸)

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہونے کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے، بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات مثلاً غلہ کپڑا جوتا، آٹا دال ترکاری گوشت وغیرہ ہمیشہ ملتی ہوں...الخ۔ (منتخبات نظام الفتاوی، ج:۱،ص:۳۳۶، ط، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی)

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی محمود نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.معلوم ہونا چاہیے کہ باتفاق جمیع علماء احناف جمعہ کی فرضیت اور اس کی صحت کے لیے مصر (شہر) ہونا شرط

ہے۔عام دیہاتوں اور بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنی جائز نہیں بلکہ ظہر چار رکعتیں فرض اور ضروری ہے...الخ۔
(فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۱۳۱-۵، ط،اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ:’’ہر چیز کے کچھ اصول وقواعد ہوتے ہیں، ان اصول وقواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح ہوتا ہے ورنہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہوتا۔مثلاً نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح خود نہیں کرسکتے اگر کریں تو نکاح صحیح نہ ہوگا کہ اپنا نکاح خود کرنے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ لڑکا طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ طلاق کی صحت وقوع کے لئے بالغ کا طلاق دینا ضروری ہے، نابالغ لڑکا بالغین کا امام نہیں بن سکتا کہ امامت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، اسی طرح حج کی ادائیگی کے لئے اشہر حج ہونا اور ارکان کی ادائیگی کے لئے جو جگہیں مقرر کی گئی ہیں وہاں جاکر ارکان ادا کرنا ضروری ہے ورنہ فریضۂ حج ادا نہ ہوگا، اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے اس لئے چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین جیسی اہم عبادت جو عظیم شعائر اسلام میں سے ہیں ادا نہیں کی جاسکتی۔(فتاوی رحیمیہ، ج:۶،ص:۹۳، ط، دارالاشاعت کراچی)

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

سوال: دیہات میں نمازِ جمعہ وعیدین کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء احناف نے نمازِ جمعہ کے وجوب ادا کیلئے دیگر شرائط کے علاوہ قریہ کبیرہ مصر یا فناء مصر کا ہونا ضروری لکھا ہے، اس لیے دیہات میں شرائط کے فقدان کی وجہ سے نمازِ جمعہ وعیدین کا پڑھنا واجب نہیں، عدم وجوب کے باوجود پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔(فتاوی حقانیہ، ج:۳،ص:۳۸۱، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)

محدث کبیر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں کی آبادی اِدھر

اُدھر کا ملا کر کل چار سو بنتی ہے جبکہ اس گاؤں میں چھوٹا سا بازار بھی ہے کیا نماز جمعہ قائم کرنا جائز ہے؟ اگر کسی کی خواہش ہو کہ وعظ و تبلیغ کیلئے نماز جمعہ قائم کرنا چاہتا ہوں کیا یہ درست ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب: چونکہ یہ مقام قریہ صغیرہ ہے لہٰذا اس مقام پر نماز جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے تبلیغ کی اور بہت سی صورتیں ہیں اس کی کوئی حاجت نہیں۔ وھوالموفق۔ (فتاوی فریدیہ، ج:۳، ص:۱۳۵)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

فقہِ حنفی کے مطابق جمعہ صرف شہر اور قصبات میں جائز ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن، ج:۴، ص:۱۱۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت اقدس مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت اقدس مفتی حمید اللہ جان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواز جمعہ کے لیے مصر یا فناء مصر یا ایسا قریہ کبیرہ کہ جس میں بازار دکانیں وغیرہ ہوں اور وہ جگہ ایسی ہو کہ آس پاس کے دیہات کے لیے تجارتی مرکز ہو شرط ہے، اور مذکورہ بالا گاؤں میں یہ شرائط مفقود ہیں لہٰذا اس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ (ارشاد المفتین، ج:۴، ص:۴۲۵، ط، مکتبہ الحسن لاہور)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کے نزدیک جمعہ صرف شہر، قصبے یا ایسے بڑے گاؤں میں ہوسکتا ہے جہاں ضروریاتِ زندگی عام ملتی ہوں، بازار ہو، سڑکیں ہوں، اور وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے شہر کے ساتھ مشابہ ہو، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔

(فتاوی عثمانی، ج:۱، ص:۵۰۹، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تفصیلی بحث کرتے

ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

چونکہ جمعہ کی اہمیت اور اس کی خصوصیت عام نمازوں سے کہیں بڑھ کر ہے اسی وجہ سے اقامت جمعہ کے لیے فقہاء کرام نے متعدد شرائط ذکر کی ہیں جن میں سے چند اہم شرائط یہ ہیں۔

ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جائے نماز جمعہ مصر ہو یعنی ایسی جگہ جو شہر کے مضافات میں واقع ہو یا قصبہ یعنی بڑا گاؤں ہو جس کی آبادی کم از کم دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو اور وہاں روزہ مرہ سے متعلق ضروریات کی چیزوں کی دوکانیں موجود ہوں۔ چھوٹے گاؤں جس کی آبادی دو ہزار سے کم ہو اور وہاں روزمرہ ضرورت کی چیزیں نہ ہوں تو ایسی جگہ نماز جمعہ جائز نہیں۔

کما فی البدائع: ولان الجمعة من اعظم الشعائر. فتخص بمکان اظهار الشعائر وهو المصر...الخ.

''کیونکہ جمعہ یہ شعائر اسلام میں سے عظیم شعار ہے پس وہ ایسے موضع کے لئے مخصوص ہے جہاں شعائر کا اظہار ہو اور وہ مصر (شہر) ہے''۔ (فتاوی بینات، ج:۲،ص:۲۹۹، ۳۰۰، ط، مکتبہ بینات)

جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتیان کرام کا فتویٰ

سوال: ایک بستی جس کی آبادی سات سو ہے دوکان صرف ایک ہے۔ ضروریات زندگی نہیں ملتیں کیا اس جگہ جمعہ جائز ہے؟ اگر پڑھا گیا تو دوبارہ ظہر پڑھی جائے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بستی قریہ صغیرہ ہے اس میں عندالاحناف جمعہ جائز نہیں۔ جن لوگوں نے جمعہ پڑھا ہے ان کے ذمہ اس دن کی ظہر باقی ہے۔

فی الجواهر لو صلوا فی القریٰ لزمهم اداء الظهر اهـ [شامی، ج: ۱، ص: ۷۴۸]۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۴۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

حضرت مفتی اسماعیل صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

نماز جمعہ کے فرض ہونے کے لئے من جملہ شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جگہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہئے ،اس کے بجائے ظہر پڑھنی چاہئے۔

جس جگہ جمعہ واجب نہ ہوتی ہو وہاں جمعہ پڑھنے سے ظہر ادا نہیں ہوگی ، ذمہ میں باقی رہ جائے گی ، اور جمعہ کی نیت سے پڑھی گئی نماز نفل ہوجائے گی ، اور دن میں نفل نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہونے کی وجہ سے گناہ ہوگا....الخ۔ (فتاوی دینیہ ، ج:۲،ص:۱۳۲)

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

چھوٹے گاؤں اور دیہات میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں ہے، جو لوگ دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، ان پر شرعاً ظہر کی نماز باقی اور لازم ہے، جمعہ پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور دیہات میں جمعہ کے عدم جواز پر علماء ومفتیان کرام خاموش نہیں رہے ہیں، بلکہ اس بارے میں کتابیں اور فتاوی لاتعداد شائع ہوچکے ہیں۔

لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب....و الظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة ألا تری فی الجواهر: لو صلوا فی القری لزمهم اداء الظهر الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا۳/۷، کراچی ۲/۱۳۸)۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ۹، ص: ۱۳۸، ط، مکتبه اشرفیه دیو بند الهند)

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

کسی گاؤں میں نبی کریم ﷺ کا نماز جمعہ پڑھنا یا صحابہؓ کو نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دینا ثابت نہیں ہے، بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف سے چھوٹی آبادی میں جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں تھا، اسی وجہ سے جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور چودہ دن قبا میں قیام فرمایا جو اس وقت مدینہ کے

قریب ایک گاؤں تھا، تو اگرچہ جمعہ کی فرضیت مکہ معظّمہ میں ہوچکی تھی، پھر بھی آپ نے قبا میں جمعہ کی نماز قائم نہیں فرمائی، حالانکہ وہاں جمعہ قائم کرنے میں کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں جمعہ قائم کیا، اور روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ہجرت فرمانے سے پہلے ہی سے مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ، صحابیِ جلیل حضرت اسعد بن زرارہؓ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے، اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کا قیام بحرین کے شہر جواثی میں ہوا یہ کوئی چھوٹی آبادی نہیں تھی، بلکہ بڑا ساحلی شہر تھا جہاں مسلمانوں کو اجتماعیت حاصل تھی، اگر جمعہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں جائز ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ مدینہ کے اردگرد آبادیوں میں آپ نے جمعہ قائم نہیں کیا؟ ان آبادیوں میں جمعہ کا قائم نہ کرنا دلیل ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے بڑی آبادی شرط ہے، اس سلسلے میں علماء احناف نے مستقل تصنیفات لکھی ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (کتاب النوازل، ج:۵،ص:۲۱۴)

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم کا فتویٰ

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں.. الخ۔ (محمود الفتاوی، ج:۳،ص:۱۶۱، ط، مکتبہ محمودیہ، محمود نگر الہند)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید نجم الحسن امروھوی دامت برکاتہم کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی سید نجم الحسن امروھوی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں نماز جمعہ کی ادا کی جارہی ہے شہر ہو، اور شہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہزاروں کے لگ بھگ لوگ بستے ہوں، مختلف محلے اور

بازار ہوں، ضروریات زندگی کو پورا کرنے کیلئے سہولیات میسر ہوں، لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ اس جگہ پر جہاں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے شہر کی تعریف صادق نہیں آتی جیسا کہ سوال سے واضح ہے۔اس لئے وہاں جمعہ کی نماز از روئے فقہ حنفی جائز نہیں ہے...الخ۔(نجم الفتاوی، ج:۲،ص:۵۲۷)

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
محررہ حالات کی روشنی میں مذکورہ علاقہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے،اور کسی بڑے گاؤں کے توابع میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے یہاں پر ظہر کی نماز پڑھنا واجب ہے...الخ۔(فتاوی عثمانیہ، ج:۲،ص:۴۳۴، ط،مکتبۃ العصر پشاور)

حضرت مولانا مفتی محمد جعفر ملی رحمانی صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ

حضرت مفتی محمد جعفر ملی صاحب تحریر فرماتے ہیں:
چھوٹے گاؤں اور دیہات میں نمازِ جمعہ صحیح نہیں ہے، اور شہر اور قصبات میں صحیح ہے..الخ۔ (المسائل المھمۃ ، ج:۷،ص:۷۰)

جمعہ فی القریٰ کے بارے میں بعض حضرات کے تفردات کے جوابات

مذکور بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جمہور فقہاءِ احناف کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔لیکن عصر حاضر میں ہمارے بعض علماء کرام بعض بزرگوں کے تفردات کو بنیاد بنا کر جمعہ فی القریٰ کی دعوت دیتے ہیں لہٰذا اس موقع پر مناسب ہے کہ ان بزرگوں کے تحریرات کو بمع ان کے جوابات کے جو جمہور کی طرف سے دیئے گئے ہیں نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں لہٰذا ان تحریرات کو بمع ان کے جوابات کے ملاحظہ فرمائیں۔

تحریر مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ

چوں دریں زمان توانی در تنفیذ احکام شرع واقامۃ حدود بمرتبہ غایت رسیدہ بلکہ قدرتِ آں زا قضاۃ

غالباً مفقود گشتہ ازیں سبب اگر بموجب روایات اصل مذہب فتوی دادہ شود جواز صلاۃ جمعہ کہ از اعظم شعائر دین ست درتمامی بلاد سندھ در زیادہ از دوسہ جا متحقق نشود بلکہ درآن ہم مشکل پش لابدست کہ دریں باب عمل بروایاتِ دیگر نمودہ شود تا ظہور شعار دین از دست نرددو

چوں قاضی اجازت داد بموجب روایۃ امام محمدؒ ویا بر قول امام شافعیؒ ویا مالکؒ آں نماز باتفاق جائز گردد واختلاف ست دراں کہ نفاذ قضاء در مجتہدات وصیرورۃ آنہا مجمع علیہ مخصوص ست بحکم قاضی مجتہد کمافی فتح القدیر یا عام ست کہ شامل باشد ہر قاضی مقلد کما اختاره صاحب البحر ولفظه هذا ان القاضی المقلد اذا قضیٰ بمذهب غيره فانهٔ ينفذ وكذا اذا قضى برواية ضعيفة او بقول ضعيف انتهىٰ ودر مثل ما نحن فيه کہ محمل تہمت در قاضی نیست باید کہ فتویٰ دادہ شود بروایۃ بحرا ظہاراً لشعائر الاسلام ولازم نیاید این شبہ کہ در تقلید شافعی لازم ست کہ جمیع شرائط مذہب شافعی رارعایت کردہ شود زیراکہ ایں باب از تقلید نیست اصلاً بلکہ صحیح می شود ایں نماز بر جمیع مذاہب از حنفیہ وغیرہم ولازم نیاید این شبہہ کہ نفاذ قضاء در مجتہدات مشروط ست بوجود تقدم دعویٰ صحیحہ مقضیٰ لہٗ ومقضیٰ علیہ والا فتویٰ باشد نہ قضاء زیرانچہ شرط در معاملات دعویٰ ست نہ در عبادات ولہٰذا در مضمرات، وفتاوی حجۃ تاتارخانیہ وابی المکارم ایں را قضا نام نہادہ اند وحکم بصیرورۃ آن مجمع علیہ کردہ اند ولازم نیست کہ اہل آں قریات کہ در بیوت وابنیہ سکونت دارند قصد دوام اقامۃ داشتہ باشند بدلیل آنکہ متفق است کلمہ حنفیہ براں کہ در منیٰ جمعہ ست ودر ایام موسم فقط زیرانچہ منیٰ مصری شود در ایام موسم بسبب بودن ابنیہ واجتماع مردم ووجود خلیفہ وقاضی اگرچہ بعد از ایام موسم باقی نمی داند مصریۃ او کمافی الہدایۃ وشروحہا والتبیین والبحر وغیرہا وقید صیفاً ولاشتاء در مذہب شافعی ست نہ نزد حنفیہ وملوک سندھ وہند فرامین کود بتقلید عمل بر مذہب حنفیہ نمی نگارند بلکہ اطلاق می کنند۔ والمطلق یجری علی اطلاقہٖ وھو تعالیٰ اعلم پس اقامۃ کنندگان درآن قریہا ماجور مثاب عنداللہ می باشند ومانعان نماز جمعہ در قریہا آثم وبزہ گار شوند وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بحقیقۃ الحال۔

تعقبہ المخدوم عبدالواحد السیوستانی رحمہ اللہ وقال

ولايخفى ان المذهب عدم جواز الجمعة فى القرى فى الهداية ولايجوز فى

القرى لقوله عليه وآله الصلاة والسلام لاجمعة ولاتشريق ولافطر ولااضحٰى الا فى مصر جامع فى البحر المذهب عدم صحتها فى القرى فضلاً عن لزومها وفى التجنيس ولايجب الجمعة علٰى اهل القرى وان كانوا قريبة من المصر لان الجمعة انما يجب علٰى اهل الامصار وفى خزانة المفتين فلايجوز اقامتها فى الرساتيق وفى الخلاصة لم تجب على اهل القرى انتهٰى والجمعة وان كانت من اعظم شعائر الدين تتحقق اقامتها فى كثير من امصار السنده وغيره على ما هو المفتٰى به من حد المصر المذكور فى متن التنوير وهو مالايسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وفى الدرالمختار وعليه فتوى اكثر الفقهاء لظهور التوانى فى الاحكام انتهٰى فلظهور التوانى فى تنفيذ احكام الشرع افتوا بذلك فلاحاجة لاجل التوانى الى القول بالعمل علٰى خلاف المذهب وقد قال فى البحر العجب من المشايخ يختارون خلاف ظاهر المذهب مع انه واجب الاتباع على مقلدى ابى حنيفةؒ انتهٰى فترك الواجب مع وجود حد المصر المفتٰى به ليس بسديد والمفتٰى به هو عدم جواز قضاء المقلد فى مجتهد فيه لما فى الدرالمختار والمقلد متى خالف معتمد مذهبه لاينفذ حكمهٗ وينقض هو المختار للفتوىٰ وفيه ايضاً القاضى المقلد اذا خالف مشهور مذهبه لاينفذ حكمه فى الاصح وفيه أيضاً قضى من ليس مجتهداً كحنيفة زماننا بخلاف مذهبه عامداً لاينفذ اتفاقاً فى القنية القاضى المقلد اذا قضى علٰى خلاف مذهبه لاينفذ وفى جامع الفصولين الحنفى لاينبغى له ان يحكم بخلاف مذهبه الا اذا كان مجتهداً انتهٰى والعدول عن المفتى به الى القول الضعيف والمرجوح بعيد عن قضية الفقيه وقد قال فى حسب المفتين القاضى والمفتى يأثمان بالرواية المرجوحة انتهٰى وعلٰى هٰذا انما يأثم من قضٰى بالمرجوح لامن عمل بما هو واجب الاتباع من مذهب الامام. والله اعلم.

(بياض واحدى قلمى)

سندھ میں بالعموم جواز جمعہ فی القریٰ کے لئے مخدوم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کو سند بنایا جاتا ہے مگر

غالبًا خواہش نفس کیخلاف ہونیکی وجہ سے مخدوم سیوستانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ جواب نصوصِ مذہب کے عین مطابق ہے۔ البتہ اس میں مصر کی تعریف مالایسع اکبر مساجدہٖ الخ حد نہیں بلکہ رسم ہے۔ مصر کی حد یہ ہے کہ اس میں سکک واسواق اور ضروریات زندگی مہیا ہونیکی وجہ سے اس کو عرف میں شہر سمجھا جاتا ہو۔

مخدوم سیوستانیؒ کے جواب سے بھی زیادہ مفصل جواب بندہ کی تحریر بعنوان ''جمعہ فی القری باذن الحاکم'' میں ہے۔ اس میں مخدوم ٹھٹوی کی تحریر کے ایک ایک جزء کا جواب موجود ہے۔ مزید بریں اس تحریر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ سندھ کے کس حاکم نے کس قریہ میں اقامت جمعہ کا امر کیا تھا۔ ثانیاً اگر کسی قریہ میں کسی حاکم کی طرف سے اقامت جمعہ کا امر ثابت ہو جائے تو اس کا تعدیہ دوسرے قری کیطرف کیونکر صحیح ہوگا؟ ثالثاً اگر سب قری میں اقامت جمعہ کا امر مراد ہے تو اس کا ثبوت چاہئے۔ نیز ایسے امر کی صحت ونفاذ کے لئے کوئی صریح دلیل درکار ہے، عبارات فقہ تو خاص قریہ سے متعلق ہیں۔ رابعاً حاکم آمر کی موت کے بعد اس کا امر ختم ہو گیا کما حررنا موضعہ۔

پھر اس تحریر کے اس مضمون پر کہ ''اصل مذہب کیمطابق سندھ میں کہیں بھی جمعہ جائز نہ ہوگا'' جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض حضرات نے اصل مذہب حنفی میں تعریف مصر میں تنفیذ الاحکام واقامۃ الحدود کی شرط لگائی ہے مگر محققین نے ان پر رد کیا ہے کہ اصل مذہب میں قدرۃ علی تنفیذ الاحکام شرط ہے نہ کہ خود تنفیذ الاحکام پھر قدرت بھی اکثر احکام کی تنفیذ پر نہ کہ کل احکام کی تنفیذ پر آخر میں ترجیح اس کو دی گئی ہے کہ کسی ایک حکم کی تنفیذ پر بھی قدرت شرط نہیں صرف ایسا مصر ہونا شرط ہے جو عرف میں مصر سمجھا جاتا ہو۔

قال فی شرح التنویر ویشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر وهو مالایسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها، وعلیه فتوی اکثر الفقهاء مجتبیٰ لظهور التوانی فی الاحکام وظاهر المذهب انه کل موضع له امیر وقاض یقدر علی اقامة الحدود کما حررناه فیما علقناه علی الملتقی وفی الشامیة (قولهٗ وعلیه فتوی اکثر الفقهاء الخ) وقال ابو شجاع هٰذا احسن ما قیل فیه وفی الولواجیة وهو صحیح بحر، وعلیه مشی فی الوقایة

ومتن المختار وشرحه وقدمه فی متن الدرر علی القول الآخر وظاهره ترجیحه وایده صدر الشریعة بقوله لظهور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامة الحدود فی الامصار (قوله وظاهر المذهب الخ) قال فی شرح المنیة والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة انه الذی لهٗ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وتزیف صدر الشریعة لهٗ عند اعتذاره عن صاحب الوقایة حیث اختار الحد المتقدم لظهور التوانی فی الاحکام مزیف بان المراد القدرة علٰی اقامتها علی ما صرح به فی التحفة عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتهٖ وعلمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهٰذا هو الاصح اھـ الا ان صاحب الهدایة ترک ذکر السکک والرساتیق لان الغالب الامیر والقاضی الذی شأنه القدرة علی تنفیذ الاحکام واقامة الحدود لایکون الا فی بلد کذٰلک اھـ (قولهٗ یقدر الخ) افرد الضمیر تبعاً للهدایة لعوده علی القاضی لان ذٰلک وظیفتهٗ بخلاف الامیر لما مر وفی التعبیر بیقدر رد علی صدر الشریعة کما علمته وفی شرح الشیخ اسماعیل عن الدهلوی لیس المراد تنفیذ جمیع الاحکام بالفعل اذ الجمعة اقیمت عهد اظلم الناس وهو الحجاج وانه ماکان ینفذ جمیع الاحکام بل المراد واللّٰه اعلم اقتداره علی ذٰلک اھـ ونقل مثله فی حاشیة ابی السعود عن رسالة العلامة نوح آفندی اقول ویؤیده انه لو کان الاخلال بتنفیذ بعض الاحکام مخلاً بکون البلد مصراً علی هٰذا القول الذی هو ظاهر الروایة لزم ان لاتصح فی بلدة من بلاد الاسلام فی هٰذا الزمان بل فیما قبله من ازمان فتعین کون المراد الاقتدار علی تنفیذ الاحکام ولکن ینبغی ارادة اکثرها والا فقد یتعذر علی الحاکم الاقتدار علی تنفیذ بعضها لمنع ممن ولاه وکما یقع فی ایام الفتنة من تعصب سفهاء البلد بعضهم علی بعض او علی الحاکم بحیث لایقدر علی تنفیذ الاحکام فیهم لانه قادر علٰی تنفیذها فی غیرهم وفی عسکره علی ان هذا عارض فلایعتبر ولذا لو مات

الوالی او لم يحضر لفتنة ولم يوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطيباً للضرورة كما سيأتی مع انه لا امير ولاقاضی ثمة اصلا وبهذا ظهر جهل من يقول لاتصح الجمعة فی ايام الفتنة مع انها تصح فی البلاد التی استولی عليها الكفار كما سنذكره فتأمل. (رد المحتار، ج: ۱، ص: ۷٤۷)

صحیح بات تو یہ ہے ایسی ساقط تحریر کو دیکھ کر یہی باور کرنا مشکل ہے کہ یہ واقعۃً مخدوم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی تحریر ہے۔ آپ کی بلند پایہ تحقیقات شاہد صدق ہیں کہ اس تحریر کو آپ کے مقام تفقہ سے دُور کی بھی نسبت نہیں۔ علاوہ ازیں تفحص وتتبع کے باوجود حضرت ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی تصنیف میں اس تحریر کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج:۴، ص:۱۷۰ تا ۱۷۳، ط، ایچ ایم سعید)

سوال: چند مسئلے حسبِ ذیل ہیں امید کہ جواب باصواب عطا فرمایا جائے، اولاً یہ کہ وہ کون سی دلیل دربارۂ جواز جمعہ فی القریٰ حضرات شوافع وحنابلہ وغیرہم کی ہے، جس کی وجہ سے بجز امام ابوحنیفہؒ کے یہاں تک کہ غالباً ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے، کہ ہر قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ وخرخشہ ہوسکتا ہے، اور یہ شرائط جو جماعت کے شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک لگائی گئی ہیں، کہ چالیس پچاس سے کم اگر آدمی ہوں تو جمعہ نہیں ہوسکتا، یہ تعداد کس حدیث سے ثابت کرتے ہیں، اور اگر کوئی حنفی المذہب علی الخصوص مسئلہ جمعہ میں شافعیہ وغیرہ کے مسئلہ پر متفق ہوکر وجوب جمعہ فی القریٰ کا عام اس سے صغیرہ ہو یا کبیرہ قائل ہو اور ادا بھی کرے تو کیا عنداللہ ماخوذ آثم ہوگا یا نہیں؟ اور حنفیہ کے نزدیک کوئی ایسی دلیل دیکھی نہیں جاتی جس سے صریح ممانعت ادائے جمعہ فی القریٰ کی پائی جائے، اور ادھر ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے مجھے بخوبی یاد نہیں وہ یہ ہے "**الجمعة علی كل مسلم وقرية**" بہرحال آپ تو ضرور واقف ہوں گے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں اپنی دلیل میں اسی کو پیش فرما کر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جس جگہ جماعتِ کثیر ہو جمعہ پڑھنا چاہئے، اگرچہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اور دوسرے اس وقت دورِ آخر میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنی رسالہ فیوضِ قاسمیہ میں بہت بسط کے ساتھ غالباً تین ورق تک ایک خط کے جواب میں بعبارت فارسی جمعہ کی ادائیگی کے لئے ایک پُر زور تقریر تحریر فرمائی ہے، جس میں حنفیہ کو متعصب کا لفظ بھی فرمایا

ہے، اورانہوں نے گاؤں کے لوگوں کی رائے سے امام بنا کر جمعہ پڑھنے اورادا ہونے کے لئے فرمایا ہے، آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے غالباً ہرکس وناکس اور نہ کہ ذی علم واقف نہ ہو، ملاحظہ فرمائیں فیوض قاسمی، اور ایسی ہی تقریر مولانا مولوی بحرالعلوم صاحب لکھنوی نے بھی ایک چھوٹے سے رسالہ غالباً ارکان اربعہ میں عربی الفاظ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، مجھے عبارت بخوبی یاد نہیں، غرضکہ بہت سے احناف کا یہ مذہب ہے کہ جمعہ دیہات میں ہونا چاہئے، اور پڑھتے بھی ہیں، ان علماء کو میں کہتا ہوں جن کی گنتی اہل علم کے نزدیک بڑے ہونے کی کی جاتی ہے، اور پھر بھی تعریفِ مصر میں بہت بڑا اختلاف ہے، اوراس وقت بعض شرائط بھی نہیں پائے جاتے، تو جب چھ شرائط میں سے کوئی مفقود ہوتو پھر جمعہ کا وجوب اور ادائے جمعہ کے کیا معنی، چنانچہ بادشاہ یا نائب بادشاہ کا منجملہ شرائط میں سے ایک شرط وجوب ادا کے لئے ضروری ہے، مگر ہندوستان بھر میں بالکل یہ شرط عنقا صفت ہے، پھراس کے نہ پائے جانے پر جمعہ جولوگ شہروں میں ادا کرتے ہیں تو کیا جمعہ ادا ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے لوگوں نے احتیاط الظہر کے مسئلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، مگر قریب قریب ہرایک میں خدشہ لازم آتا ہے، اور دلائل ایک نہ ایک وجہ سے جروح پذیر ہیں، بہرحال للہ فللہ دربارۂ تحقیق جمعہ فی القریٰ وتحقیق شرائط وتعریفِ مصر کسی براہین قاطعہ وساطعہ کے ساتھ تحریر فرمائیے، تاکہ چاہِ شکوک سے نکل کر کنارۂ یقین پر فائز المرام ہوں، بینوا توجروا۔

الجواب: حنفیہ کے نزدیک صحتِ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، امام صاحبؒ اور صاحبینؒ سب اس میں متفق ہیں، باقی ائمہ کا اختلاف ہے، پس سائل کا یہ کہنا ’’یہاں تک غالباً ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ وخرخشہ ہوسکتا ہے‘‘ الخ بالکل غلط ہے، صاحبینؒ قریہ صغیرہ میں جمعہ ہرگز جائز نہیں کہتے، حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

روی عبدالرزاق فی مصنفه اخبرنا معمر عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی رضی اللّٰه عنه قال لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع عمدة القاری (ص ۲۶۴ ج۳) فان قلت فیه الحارث الاعور وقد کذا به الشعبی وغیره قلت قد وثقه ابن معین وغیره، ففی تهذیب التهذیب ج:، ص: ۱۴۶ وقال الاوری عن ابن معین الحارث قد سمع من

ابن مسعود وليس به بأس وقال عثمان الدارمی عن ابن معين ثقة اھ وفیه ایضا ص: ۱۴۷، ج: ۲ و قال ابن ابی خیثمه قیل لیحیی یحتج بالحارث .... لہٰذاان دلائل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں دلیل نقلی صحیح وعقلی قوی موجود ہے، پس کسی حنفی المذہب کو چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور یہ جو سائل نے لکھا کہ اُدھر یعنی امام شافعیؒ وغیرہ کی طرف ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے مجھے بخوبی یادنہیں وہ یہ ہے "الجمعة علی کل مسلم وقرية"سو یہ الفاظ کسی حدیث کے نہیں، سائل کو حدیث نبوی ﷺ کی نقل میں اٹکل پچو لکھنے سے احتراز واجب تھا، بدون خود الفاظ دیکھے ہوئے یا کسی عالم سے پوچھے ہوئے غلط سلط الفاظ لکھنا اس کو جائز نہ تھا، بخاری میں جو حدیث شافعیہ وغیرہ کی دلیل ہے وہ یہ ہے عن عباسؓ قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین، اس سے بعض ائمہ نے جوازِ جمعہ فی القریٰ پر استدلال کیا ہے، مگر اس استدلال کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے جواثی کا گاؤں ہونا ثابت کیا ہے، حالانکہ اب تک یہ بات ثابت نہیں ہوسکی، جن لوگوں نے جواثی کو گاؤں کہا ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ بعض روایات میں اس کی نسبت قریہ من البحرین کا لفظ آیا ہے لیکن یہ دلیل کافی نہیں، کیونکہ اول تو لفظ قریہ کا اطلاق لغتِ عرب میں عام ہے، شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں، چنانچہ خود قرآن میں ہے "وقالوا لولا نزل هذا القرآن علیٰ رجل من القريتين عظيم". مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس میں قریتین سے مکہ وطائف مراد ہیں، پس ممکن ہے کہ جواثی شہر ہو جس کو معنی لغوی عام کی بناء پر قریہ کہہ دیا گیا ہو، اور اس احتمال کی تائید ان اقوال سے ہوتی ہے "حکی ابن التين عن الشيخ ابی الحسن انها مدينة وفی الصحاح للجوهری والبلدان للزمخشری جواثی حصن من البحرين وقال ابو عبيد البكری هی مدينة بالبحرين لعبدالقيس، ص: ۲۶۳ ج ۱، عينی علی البخاری".

ان اقوال سے جواثی کا شہر ہونا معلوم ہوتا ہے، پس دیگر ائمہ کا استدلال ساقط ہے...... باقی سائل حجۃ اللہ البالغہ اور فیوض قاسمیہ وارکان اربعہ کی عبارات کا جو حوالہ دیا ہے، سوان کتابوں کی عبارات اس کو نقل کرنا چاہئے تھیں، یہ کتابیں میرے پاس موجود نہیں ہیں، باقی محض سائل کا لکھ دینا کافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس

نے سمجھنے میں غلطی کی ہو، جیسا کہ حدیث بخاری کی نقل میں اس نے پہلے غلطی کی ہے، اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہونا چاہئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا بحر العلوم کو ہم امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے، تو جب ہم نے اس مسئلہ میں ان ائمہ ثلاثہ کے قول کے خلاف ابو حنیفہؒ کا قول اختیار کیا ہے، کیونکہ روایۃً و درایۃً ان کا قول ہمارے نزدیک صحیح ہے تو ہم ان متاخرین کے قول کو اس کے مقابلہ میں کب تسلیم کر سکتے ہیں، اُن اقوال کو ائمہ اربعہ کے اقوال سے کیا نسبت ہے، کچھ نہیں، اگر ان کی تحقیق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف ہی ہوا کرے ہم نے اُن کی تقلید کا التزام نہیں کیا، بعد میں فیوض قاسمیہ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سائل نے مولانا قاسم العلوم کا مطلب بالکل نہیں سمجھا، مولانا قاسم العلوم کی عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے بڑی عقل کی ضرورت ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ سائل نے مولانا کی کس عبارت سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے مصر و اذن سلطان وغیرہ شرط نہیں، وہ اس عبارت کو پھر لکھے پھر جواب دیا جائے گا، الخ۔ (امداد الاحکام، ج:۱،ص: ۷۲۵ تا ۷۳۰، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

سوال: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی فیوض قاسمی میں درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ حتی الوسع شہروں میں قائم کرنا چاہئے، اور ظہر بھی ضرور پڑھنا چاہئے، اور اگر کوئی شخص گاؤں میں جمعہ قائم کرے اس سے دست گریبان نہ ہونا چاہئے، اس سے جواز جمعہ فی القریٰ ثابت ہوتا ہے، احناف کو اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں، علماء احناف کی جواز جمعہ فی القریٰ مع التزام احتیاطِ ظہر کیا رائے ہے؟

الجواب: حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ چونکہ دیہات میں جمعہ کا صحیح ہونا نہ ہونا ائمہ میں مختلف فیہ ہے، اس لئے حنفیہ کو اس میں دوسرے مذہب کے لوگوں سے جھگڑنا نہ چاہئے، اور واقعی مسائل مجتہد فیہا میں جھگڑنا مناسب نہیں، مگر مولانا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حنفیہ کو دیہات میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، کیونکہ جب اُن کے مذہب میں جمعہ فی القریٰ صحیح نہیں تو اُن کو ایسا کرنا کب جائز ہے۔

رہا شہروں میں جمعہ کے ساتھ ظہر پڑھنے کا حکم یہ اس وقت کا ہے جب ہندوستان میں شرطِ سلطان فوت ہونے کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں علماء کو اختلاف تھا، کہ یہاں کے شہروں میں بھی جمعہ صحیح ہے یا نہیں، بعض

لوگ اس وجہ سے شہر میں بھی جمعہ کو صحیح نہ مانتے تھے، اور بعض شہر میں بھی جمعہ کے ساتھ احتیاطِ ظہر پڑھتے تھے، ہمارے اکابر نے اس کو رد کیا، اور عامہ اہل اسلام کو قائم مقام سلطان کے فرمایا، مگر مولانا محمد قاسم صاحبؒ جمعہ کے ساتھ احتیاطِ ظہر کو بہتر سمجھتے تھے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فسادِ عقیدہ عوام کی وجہ سے اس کو منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب امصار میں جمعہ دلیل سے صحیح ہے تو ہندوستان کے شہروں میں جمعہ وعیدین درست ہیں احتیاطِ ظہر کی ضرورت نہیں، بلکہ فساد عقیدہ عوام کے انسداد کے لئے احتیاط ظہر سے شہروں میں اور جمعہ قائم کرنے سے دیہات میں سختی کے ساتھ منع کیا جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی یہ تحریر بطور فتوے کے نہیں، بلکہ علل احکام سے بحث کے طور پر ہے، جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح ہے، اور عالم کا فتویٰ تو عوام کے حق میں حجت ہوسکتا ہے، نہ اس کی بحث اور تدقیق ردالمحتار میں تصریح ہے کہ ابن الہمام کی ابحاث حجت نہیں، کیونکہ وہ عالمانہ گفتگو ہوتی ہے، نہ کہ فتویٰ اور فیصلہ۔ (امداد الاحکام، ج: ۱، ص: ۷۹۸، ۷۹۹، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

سوال: حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جمعہ کے مسئلہ میں نرمی فرماتے تھے اور فرماتے جہاں جمعہ جاری ہو وہاں نزاع نہ کیا جائے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب: جمعہ فی القری کے بارے میں حنفیہ کا محقق مذہب وہی جو کتب فتاوی میں مصرح ہے اور تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے منع کا مصداق وہ جگہیں ہیں جن کا قریہ صغیرہ یا کبیرہ ہونا مختلف فیہ ہو اور وہاں جمعہ قائم ہو تو حضرت وہاں نزاع سے منع فرماتے تھے۔ بایں وجہ کہ کسی درجہ میں گنجائش ہے۔ [کذا فی فتاوی دارالعلوم ج ۵]۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۰۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

سوال: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ جمعہ کیلئے قریہ جامعہ وہ ہے جس میں پچاس آدمی ہوں کیا حنفیہ کا یہی مذہب ہے اور فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب: حضرت شاہ ولی اللہؒ کی جو کچھ تحقیق جمعہ کے بارے میں ہے اس میں کوئی اخفاء اور استعجاب نہیں ہے اکابر کے کلام میں ایسے مضامین بیشتر ہوتے ہیں دیہات میں جمعہ کا نہ ہونا یہ بھی مسلم امر ہے

جس کوشاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے پھراپنی تحقیق سے جس قریہ کوانہوں جامعہ خیال فرمایا اس میں حکم جمعہ کا ارقام فرمایا اس میں شک نہیں کہ قریہ جامعہ میں سب کے نزدیک جمعہ کا ادا ہونا مسلم ہے امام ابوحنیفہؒ بھی قریہ جامعہ میں حکم جمعہ کا فرماتے ہیں باقی یہ امراور تحقیق ثانی ہے کہ قریہ جامعہ کس کو کہا جاوے گا امام صاحب امصار و قصبات وقری کبیرہ کو جن میں ضروریات انسانیہ کا بہم پہنچانا سہل ہو بازارودکانیں وہاں ہوں حکام کا قیام گاہ ہو قریہ جامعہ فرماتے ہیں اوراس میں حکم جمعہ کا فرماتے ہیں اور قریہ صغیرہ کو جس میں اوصاف مذکور موجود نہ ہوں محل جمعہ قرار نہیں دیتے بخاری کی حدیث جس میں اہل قریٰ کا مدینہ شریف نوبت بنوبت جمعہ کے لئے آنا ثابت ہے وہ قوی دلیل ہے اس پر کہ اہل قریٰ پر جمعہ واجب نہیں ورنہ سب کا آنا ضروری ہوتا نوبت بنوبت آنا کیسے جائز ہوسکتا تھا اور یہ بھی مسلم ہے کہ خود ان قریٰ میں جمعہ نہ ہوتا تھا جو یہ خیال کیا جاوے کہ جو صحابہ مدینہ شریف میں نہ آئے وہ وہاں جمعہ پڑھ لیتے ہوں گے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اتنی بات میں تو متفق ہیں کہ قریہ جامعہ جمعہ کے لئے ضروری ہے باقی یہ ان کی تحقیق ہے کہ جس قریہ میں پچاس آدمی ہوں اس کو وہ قریہ جامعہ خیال فرماتے ہیں اور دیگر ائمہ مثل امام مالکؒ وامام شافعیؒ کی تحقیق کو اس بارے میں اختیار فرماتے ہیں ہر ایک محقق امت کی ایک تحقیق ہے جو اس کو مختار و پسندیدہ ہے دوسروں پر اس کا کچھ التزام نہیں ہے مجتہدین امت کی تحقیقات کو اگر ملاحظہ کیا جاوے تو بہت مواقع میں ایسے امور نظر آتے ہیں جن میں بظاہر ان کا کلام متعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تعارض نہیں ہر ایک تحقیق کا محل ومنشاء دوسرا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی انہیں محققین ومرجحین میں سے ہیں کہ ان کی تحقیق کا مرتبہ جدا اور ممتاز ہے عام آدمیوں کو ان کی تحقیق کا احصاء کیسے ہوسکتا ہے کہ خواص بھی اس میدان میں حیران ہوتے ہیں پس اس قصہ سے قطع نظر کیجئے کہ ان اکابر کی تحقیق فلاں جگہ کیا ہے اور فلاں جگہ کیا ہے اپنے مجتہد امام کی تقلید کرنی چاہیئے کہ اس قسم کی خطرات سے امن ہے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ومذہب دربارہ جمعہ معلوم ومحقق ہے جس کو احقر نے بھی کچھ لکھ دیا ہے اور کتب فقہ میں مبین ومبرہن ہے اس کو اختیار کرنا ہے اور باقی تحقیقات اپنی وسعت فہم وادراک سے باہر سمجھ کر اس سے اغماض وسکوت چاہیئے ۔(عزیز الفتاوی،ص:۲۸۶،۲۸۷،ط،دارالاشاعت کراچی)

سوال: حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا قول حجۃ اللہ البالغہ میں قابل عمل ہے یا نہ وہ یہ کہ جس قریہ میں پچاس آدمی مرد مسلم ہوں اس میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے، حنفیہ کو اپنے مذہب کے فقہ کی کتابوں کے موافق عمل کرنا چاہئے۔ حضرات محققین کے کلام سے حجت نہ لانا چاہئے فقط۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۵۵، ط، دارالاشاعت کراچی)

سوال: اکثر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا مولوی محمد قاسمؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے نماز جمعہ دیہات میں ادا کی ہے اگر یہ بات خلاف ہوتی تو وہ کیوں کرتے؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ فقہ کی معتبر کتابوں مثل ہدایہ وشرح وقایہ ودرمختار وشامی سے یہ ثابت ہے کہ ادائے جمعہ اور وجوب جمعہ کے لئے مصر شرط ہے اور شامی میں نقل فرمایا ہے کہ قصبہ قریہ کبیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے کہ کیونکہ وہ بھی حکم میں شہر اور مصر کے ہے اور درمختار اور شامی میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ چھوٹے قریہ میں جمعہ درست نہیں ہے اور اس میں کراہت تحریمیہ ہے پس حضرت حاجی شاہ امداد اللہ قدس سرہٗ یا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ نے اگر دیہات میں جمعہ پڑھا ہوگا تو وہ بڑا گاؤں ہوگا اور حضرت مولانا گنگوہی خلیفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے اپنے پیر اور پیر بھائی کے حالات سے زیادہ واقف تھے ان کا فتویٰ آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ کیسے تشدد سے چھوٹے دیہات میں جمعہ کو منع فرماتے تھے اور اس بارہ میں کتاب بھی لکھی ہے۔ اگر بالفرض اختلاف علماء بھی اس کو تسلیم کیا جاوے تو پھر بھی احتیاط ترک جمعہ فی القریٰ میں ہے کیونکہ مکروہ امر سے بچنا سنت اور مستحب کے کرنے سے مقدم ہوتا ہے۔ فقط۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۱۱۵، ط، دارالاشاعت کراچی)

سوال: حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ قیام صلاۃ جمعہ فی القریٰ کو جائز ہونے کا محقق ومصدق ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔ واگر کسی در دیہی جمعہ قائم کند دست گریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط مصر بودن ظنی الخ حالانکہ یہ جمہور کے خلاف ہے تطبیق کی کیا صورت ہے۔

الجواب: حنفیہ کا مذہب معلوم ومعروف ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر شرط ہے اور تحقیق اس کی اور دلائل قوی اوثق العریٰ واحسن القریٰ میں.....موجود ہیں ان کتابوں کو دیکھا جاوے۔ باقی حضرت مولانا نانوتویؒ کا یہ فرمانا، دست وگریبانش نہ زنند الخ اس وجہ سے ہے چونکہ یہ مسئلے مابین الائمہ مختلف فیہا ہے اور دلائل ظنیہ پر مبنی ہے اس لئے جمعہ فی القریٰ قائم کرنے والے سے لڑائی جھگڑا اور طعن وتشنیع نہ کریں کہ فروعی اختلافات میں محققین کا یہی مسلک ہوتا ہے کہ نزاع وجدال اس میں مناسب نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۱۲۳،۱۲۴،ط، دارالاشاعت کراچی)

گاؤں میں جمعہ کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب اور اس کی وضاحت

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم حضرت مولانا موصوف قدس سرہم کا مکتوب گرامی بزبان فارسی در بارہ بعض احکام جمعہ فیوض قاسمی میں طبع ہوا تھا جس کو بعض حضرات نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے، اس مکتوب کے بعض الفاظ سے بعض عوام کو حنفیہ کے متفق علیہ مذہب کے خلاف اس کا شبہ ہوگیا کہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اس لئے اس کی توضیح کی ضرورت ہوئی تاکہ حنفی مسلمان اس سے شک میں نہ پڑ جائیں۔ واللہ الموفق۔

پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے مصر کی شرط حنفیہ کے تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے کسی حنفی امام وفقیہ کو اس میں کلام نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات ہیں کہ ادائے جمعہ کے لئے مصر شرط ہے صحابہؓ وتابعینؒ میں سے حضرت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حذیفہؓ اور عطاءؒ اور حسن بن الحسنؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور مجاہد اور محمد بن سیرین اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مذہب ہے (**کذا فی الشرح الکبیر للمنیۃ ص:۴۶۵**) اور شمس الائمۃ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ نے جب بلاد عرب وعجم کو فتح کیا تو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو۔ یا منبر قائم کیا ہو۔ بلکہ یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس پر متفق تھے کہ ادائے جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ (**کذا فی المبسوط ص ۲۳ ج ۱**)

ہدایہ اوراس کی شروح فتح القدیر، عنایۃ، کفایۃ، عینی وغیرہ اور کنز اوراس کی شروح بحر، نہر، عینی، مستخلص وغیرہ قدوری اوراس کی شروح جوہرۃ النیرۃ وغیرہ، منیۃ اوراس کی شروح صغیری وکبیری وغیرہ، شرح وقایہ اوراس کی حواشی سعایہ، عمدہ، چلپی وغیرہ، نورالایضاح اوراس کی شروح وحواشی، مراقی الفلاح، طحطاوی وغیرہ، درمختار اور اس کی شروح شامی طحطاوی وغیرہ خلاصۃ الفتاوی، قاضی خان، عالمگیری، دررالاحکام، بدائع الصنائع وغیرہ جو حنفیہ کے مذہب کی صحیح اورنہایت معتمد ومعتبر ترجمان ہیں۔ سب کی سب اس شرط پر متفق ہیں اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں اوران اساطین امت اور ائمہ حنفیہ کی تصریحات کے بعد اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کی خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں تب بھی از روئے عقل ونقل حنفی المذہب مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہاء کا اتباع کریں کیونکہ یہی دستور امت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعۃ کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کا کیا جاتا ہے اور اگر کسی بزرگ سے کوئی کلمہ ان کے خلاف ثابت بھی ہو اس کی تاویل کی جاتی ہے اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو سکوت کیا جاتا ہے تمام علماء امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے۔ علامہ محقق شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر شرح ہدایۃ حنفیہ کے ایک نہایت محقق امام ہیں جن کی جلالت قدر سے کوئی حنفی یا غیر حنفی انکار نہیں کرسکتا اور جن کے احسانات علمیہ سے تمام حنفیہ متاخرین کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ لیکن باین ہمہ جب ان کی کوئی تحقیق جمہور حنفیہ کے خلاف واقع ہوئی ہے تو کوئی حنفی ان کی اقتداء اس مسئلہ میں نہیں کرتا اوراسی لئے مسلمہ امر ہے کہ تفردات ابن ہمام مقبول نہیں۔ صاحب ہدایہ کو اگرچہ اصحاب ترجیح میں سے مانا گیا اور فقہاء حنفیہ میں نہایت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں لیکن بہت سے مواضع میں ان کے قول کو تمام حنفیہ نے بوجہ مخالفت جمہور ترک کردیا ہے۔ شامی اور درمختار جس پر آج کل حنفی فتاویٰ کا دارومدار ہے لیکن جن بعض مسائل میں جمہور حنفیہ سے ان کی تحقیق علیحدہ واقع ہوئی ہے۔ باتفاق حنفیہ وہ تحقیقات متروک ہیں اور عمل اسی قول پر ہے جو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ (الا مامست الیہ الضرورۃ الشدیدۃ لحوادث الفتاوی)

اس گزارش کے بعد اہل علم وفہم کے لئے احکام جمعہ کے بارے میں مکتوب مذکور کی توضیح مطلب کی زیادہ ضرورت باقی نہ رہی کیونکہ ان کے عمل کے لئے بہرحال راستہ متعین ہے۔ کہ باتباع جمہور مصر کی شرط کو

لازم سمجھیں چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہ کریں کیونکہ بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ جس جگہ جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہو وہاں ظہر پڑھی جائے تا کہ فرض باتفاق ذمہ سے ساقط ہو جائے۔

البتہ صرف اس غرض سے کہ حضرت مولانا موصوف کی صحیح غرض اور اصلی مقصد لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔اس مکتوب کی توضیح کے لئے کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔**وهو هذا والله المصوب وعليه التكلان.**

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت امام العارفین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں مجدد تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اصلاح امت کے لئے ہی پیدا فرمایا تھا اور مصلح اعظم اور طبیب حاذق کا کام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اگر مریض کے بدن میں مختلف قسم کے امراض و تکالیف ہوں۔تو وہ سب سے پہلے ایسے امراض کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو زیادہ مہلک اور خطرناک ہیں معمولی تکلیفوں کی طرف التفات نہیں کرتا ہے۔مثلاً ایک شخص درد گردہ پر خرچ کرے گا۔خفیف زخم کے لئے مرہم سازی کی فکر میں نہ پڑے گا اور اگر تیماردار توجہ بھی دلائیں گے تو وہ التفات نہ کرے گا۔اسی طرح اس وقت امت مرحومہ کو سمجھنا چاہئے۔کہ وہ مختلف امراض روحانی میں مبتلا ہے کہیں نمبر ا صریح اور قطعی معاصی کا ارتکاب اور کہیں نمبر ۲ مواقع اختلاف میں بے احتیاطی سے خواہش نفسانی کا اتباع۔اور کہیں نمبر ۳ آپس میں فتنہ وفساد اور جدال وقتال لیکن ان سب امراض پر جب مصلح امت نظر ڈالتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اور سب امراض کا علاج سہل ہے اور کوئی ان میں سے مہلک نہیں بجز امر سوم کے یعنی آپس کا جدال وقتال جھگڑا فساد کے اس لئے وہ ہمہ تن اس کے انسداد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور دوسرے امراض کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا۔موجودہ زمانہ میں بعض فتنہ پرداز غیر مقلد اور تکفیر باز مبتدعین نے یہ فتنہ اٹھایا کہ بالکل معمولی اور جزوی اختلافات کو رنگ آمیزی کر کے ایک مہیب صورت بنادی اور اولیٰ اور غیر اولیٰ کے فرق پر ایک اختلاف وجدال وقتال کا بازار گرم کر دیا۔کہیں آمین کے بالجہر اور بالاخفاء کا اختلاف کہیں رفع یدین اور ترک رفع کا۔حالانکہ یہ اختلاف محض اولویت کا اختلاف ہے نہ بالجہر کہنے سے نماز میں خلل کسی کے نزدیک آتا ہے اور نہ اخفاء سے اسی طرح رفع یدین اور ترک رفع کا قضیہ سمجھئے۔

انہی اختلاف فرعیہ وجزئیہ میں سے جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ بھی ہے کہ تین امام، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، گاؤں میں جمعہ جائز فرماتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ وغیرہم ناجائز فرماتے ہیں۔ بہرحال چونکہ جانبین میں ائمہ ہدیٰ اور اساطین امت ہیں اس لئے اس کی تو ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے امام کی تقلید واتباع کرے لیکن اس کی گنجائش نہیں کہ جزوی مسئلہ کے لئے جدال وقتال کا بازار گرم کردیا جائے۔ اور جو جہاد کفار کے مقابلہ میں ہونا چاہئے وہ مسلمانوں ہی پر صرف کردے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین کے فتنہ انگیزی اور عوام کی جہالت سے یہ بحثیں طول پکڑ گئی تھیں۔ اور اختلافات شدیدہ مسلمانوں کی جماعت میں رونما ہوگئے تھے۔ اس لئے مولانا موصوفؒ نے ان کا انسداد سب سے زیادہ اہم سمجھا اور اس مکتوب محبوب میں اس مسئلہ جزئیہ کے اتنے اہتمام سے منع فرمایا کہ جس سے آپس کے اختلافات ونفاق وشقاق کی صورتیں پیدا ہوں حضرت موصوف کا مقصد اصلی اس مکتوب میں زیادہ تر یہی ہے۔ اور بس ورنہ حضرت مولانا جب کہ خود اپنے کو ہمیشہ حنفی المذہب کہتے ہیں اور اس کی تقلید پر عمل کرتے تھے وہ کیسے جمہور حنفیہ سے اس مسئلہ میں تفرد کرتے۔ وہ تو عنایت تواضع سے ہر عالم وفقیہہ کا بھی اتباع کرنے کے لئے تیار تھے ان پر جمہور سے شذوذ وتفرد کا گمان وہی کرسکتا ہے جس نے مولانا موصوف کو نہ دیکھا اور نہ آپ کے حالات کو سنا ہے اور یہی وجہ ہے حضرت موصوف کے تمام شاگردوں اور مرید ومعتقد جو اطراف عالم میں ہزارہا کی تعداد سے موجود ہیں۔ کسی نے بھی شرطیت مصر میں کوئی شبہ نہیں کیا۔ آپ کے مخصوص تلامذہ میں حضرت شیخ الہند محدث دیوبند نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہہ، وحضرت مولانا عبدالعلی صاحب صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی وغیرہم سب نے کبھی اس شرط مصر میں کوئی شبہ بھی نہیں کیا بلکہ حضرت شیخ الہندؒ نے تو احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ میں اسی بحث پر ایسی مکمل تحقیق فرمائی ہے کہ باید شاید، کئی سو صفحہ کا مجموعہ ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا موصوف کے اقوال واحوال اور آپ کے مکاتیب ومضامین کو یہ حضرات جتنا سمجھ سکتے تھے آج ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں کیونکہ خصوصیات متکلم ومخاطب اور زمان ومکان پر جو کلام کیا جاتا ہے متکلم کے قریبی دوست واحباب ہی اس کی حقیقت ومقصد کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ دوسرا آدمی بغیر ان کی ہدایت کے کبھی صحیح مقصد پر نہیں پہنچ سکتے۔

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے بھلا اس کو صباء کیا جانتے کیا ہے

اس لئے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا موصوف ادائے جمعہ کے لئے وہ شرطیت مصر سے ہرگز منکر نہ تھے۔ اور کیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت موصوف شرط مصر سے منکر تھے۔ حالانکہ اسی مکتوب میں حضرت موصوف نے تمام شرائط جمعہ کو خود الفاظ آیت سے باسلوب بدیع ثابت فرمایا جن میں شرط مصر کو بھی الفاظ قرآن سے اسی طرح استنباط فرمایا ہے کہ اہل علم ہی اس کی قدر جانتے ہیں ملاحظہ ہو مکتوب مذکور کی عبارت ذیل:

الغرض ضروریات امیر یا ماموروہم ضرورت جماعت مسافر راہم از آیت وحدیث یک طرف افگند وجہہ اشراط امیر یا نائب امیر ہم بوجہہ ضرورت خطبہ کہ از لفظ **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ** ہویداست بانضمام حدیث لاینقص موجہ شد۔ باقیماند فقط شروط مصر اگر غور کنند ہمیں ضرورت امیر و ماموردست ودر کمرآن دارد چہ مصرے نباشد۔ کہ حاکمے دران نبود خود بادشاہ وقت اگر نباشد نائب او بالضرور خواہد بود (الی قولہ) نظر بدیں صحر اواو دیرایک سوگند اشتند وکارگذاری سرکاری بذمہ اہل نہر نہادند واز یں تقریر ہم ہویدا شد کہ جواز جمعہ بس کس مخل اشتراط مصر نیست ضرورت مصر بوجہہ دیگر است بغرض فراہمی مجمع کثیر نیست اھ (از احکام الجمعہ ص ٦)

عبارت مذکورہ میں کس قدر صاف اور واضح طور پر ادائے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا حضرت مولانا نے ظاہر فرمایا اور پھر اس کا خود الفاظ قرآنی سے ثبوت بہم پہنچایا ہے کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا موصوف اس مسئلہ میں جمہور حنفیہ کے خلاف کوئی روئے رکھتے ہیں اور اشتراط مصر کے قائل نہیں۔ حاشا وکلا بلکہ صرف رفع خلاف اور انسداد فتنہ کے لئے لوگوں کی توجہہ اس کے اتنا زیادہ اہتمام سے ہٹانا مقصود تھی جس سے فتن کا بازار گرم ہوتا تھا۔ اور جو احقر نے عرض کیا ہے محض تخمینی کلام یا محض تاویل نہیں بلکہ خود اس مکتوب گرامی میں اس کے کافی مویدات ہیں۔ ملاحظہ ہوں عبارت ذیل:

’’ایں اشارات کلام زبانی چوں ہمہ مروم را میسر نیست احادیث مصرحہ یا نیمعنی بحد گواتر سیدہ اند افہام علماء مختلف شدند وعوام۔ گنجائش امید مغفرت بہر تہاون درصورت وجوب نزدیکی وعدم وجوب نزدیکی بہمر سیدورفتہ رفتہ کاہلی نوبت تا بآں رسانید کہ متعصّبان حنفیہ عمداترک وتہاون نماز جمعہ کردند‘‘۔

عبارت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں حضرت مولانا مرحوم کا روی سخن ان حنفیہ کی طرف

سے جو باوجود شرط مصر موجود ہونے اور جمعہ واجب ہونے کے ادائے جمعہ میں سستی کرتے ہیں اور بوجہ تعصب کے دوسرے لوگوں سے جھگڑتے ہیں۔سو ظاہر ہے کہ ایسے حضرات ہر شخص کے نزدیک قابل ملامت ہیں لیکن اس سے یہ کہاں سمجھ میں آیا کہ ہر گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہئے۔اسی کے بعد ارشاد ہے۔

’’چوں نفس جمعہ قطع نظر از شرائط ست از شعائر اسلام اگز از ادائے نماز تہاون در ادایش او دہد مرومان کم فہم را بوجہ کم فہمی مسعونت کاہلی مفقودشدن شرائط موجب ترک جمعہ شود نہ افزائش نماز ظہر اھ‘‘۔

یہ عبارت بھی اس کی تصریح کرتی ہے کہ تغافل وتکاسل کی وجہ سے ترک جمعہ کرنے والوں کو نصیحت فرمائی گئی ہے۔

سارے مکتوب گرامی میں جس لفظ سے شبہہ پڑ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ تقریر لطیف کے بعد ارشاد فرمایا ہے۔

’’وچوں موافق ایں تقریر ایں شرط از میان برخاست شرط مصر ہم بیک طرف رفت چہ اشتراطش لزوم اشتراط شرط امیر بود آرنے ظاہر الفاظ روایات مشعرہ ضرورت مصر عام اند لہٰذا احتیاط ہمیں است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند واگر کسی در دیہے جمعہ قائم کنند دست وگریبانش نہ زنند کہ اول۔ایں شرط ظنی بود باز حسب تقریر مذکور ضعفے وگرد در آن بہم رسید‘‘۔

اس عبارت میں اول تو خود حضرت موصوف کا منشا ظاہر ہے کہ جدال وقتال کی ممانعت مقصود ہے۔

اس کو ظاہر فرمادیا ہے کہ احتیاط یہی ہے کہ شروط مصر کا لحاظ رہے ثانیا یہ کلام ایک لطیف تقریر پر مبنی ہے جو اس سے پہلے فرمائی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ امیر کی شرط جو جمعہ میں شرعاً ضروری ہے یہ ہر جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے کیونکہ نصف امام کا تعلق عوام مسلمین ہی سے ہے لہٰذا جس شخص کو وہ امام بنادیں گے (دار الحرب) میں وہ ہی امام متصور ہوگا اور یہ شرط اس طرح پوری ہو جائے گی اسی طرح جب امیر کا تقرر یہ مسلمانوں اور اہل بستی کے قبضہ میں ہوا اور مصر کی تعریف یہی ہے کہ وہاں امیر یا نائب امیر موجود ہو اس طرح مصر کی شرط ہر جگہ متحقق ہو سکتی ہے لیکن اس کے بعد ہی متصلاً خود حضرت موصوف نے اپنی اس تقریر پر اعتراض کر کے مخدوش فرمایا ہے ملاحظہ ہو عبارت ذیل۔

”مگر خلجانے ہنوز باقی ست عرض آں نیز ضروری است چنانکہ ادای ظہر کم فہمان را موجب تہاون در جمعہ میشود ہمچناں ایں اجازت نصب امام خاص واستماع مواعظ وخطب آں موجب تہاون در نصب امام عام است“۔

الغرض اول تو اس عبارت سے مقصود اشتراط مصر کی نفی ہرگز نہیں بلکہ رفع فتنہ وفساد مقصود ہے، جیسا کہ خود عبارت مذکورہ میں مصرح ہے دوسرے خود حضرت موصوف نے باوجود تقریر مذکور کے بھی اشتراط مصر کو احوط قرار دیا ہے۔ تیسرے جس تقریر کی بنا پر اشتراط مصر میں کچھ ضعف پیدا ہوتا تھا اس کو خود حضرت موصوف نے مجروح ومخدوش فرما کر اس سے رجوع کر لیا ہے پھر کسی منصف انسان کے لئے کیسے جائز ہے کہ حضرت موصوف کی طرف اس کی نسبت کرے کہ وہ ادائے جمعہ کے لئے مصر کو شرط نہیں سمجھتے اور ان سب امور کے بعد عمل کے لئے پھر وہی عرض ہے جو ابتداء میں کی گئی ہے کہ اگر فرض ہی کر لیا جائے کہ حضرت مولانا موصوف کی تحقیق بنظر دقیق اس مسئلہ اشتراط مصر میں جمہور حنفیہ سے علیحدہ ہے تب بھی عمل تمام حنفیہ کو اسی پر کرنا لازمی ہے جو جمہور حنفیہ کا مذہب وفتویٰ ہے۔ البتہ اس غرض اور مقصد کا سمجھنا اور باقی رکھنا نہایت اہم وضروری ہے جس کے لئے حضرت مولانا موصوف نے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے یعنی آپس میں جھگڑے اور فتنہ وفساد سے بچنا، تمام مقاصد سے زیادہ اہم ہے اگر کسی گاؤں میں کچھ مسلمان جمعہ قائم کرتے ہوں تو حنفی المذہب مسلمانوں کا انتہائی فرض یہ ہے کہ نرمی سے مسئلہ سمجھا دیں لیکن اگر پھر بھی لوگ نہ مانیں تو جھگڑے وفتنہ میں ہرگز نہ پڑیں کیونکہ اس سے زائد کوئی مسلمانوں کے لئے مضر نہیں۔ خصوصاً بحالت موجود۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (امداد المفتین، ص: ۳۳۹ تا ۳۴۴، ط، دار الاشاعت کراچی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں تقریباً پندرہ بیس سال سے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ جبکہ ہمارے گاؤں کی آبادی تقریباً بالغ افراد ۳۵۰ ہوں گے اور ۱۱۰ گھر ہیں۔ اور دو دکانیں ایک پی سی او، ایک میڈیکل اسٹور اور پن چکی ہیں، نیز لڑکوں کا ہائی سکول اور لڑکیوں کا مڈل اسکول بھی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ

(۱)۔کیا مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲)۔بصورت عدم جواز کیا اس نماز جمعہ کے ادا کرنے سے منع کرنا درست ہے یا منع نہ کیا جائے۔ جبکہ اس ممانعت میں لوگوں کے انتشار کا خوف اور اندیشہ ہو۔تو کیا ایسی صورت میں شوافع کے مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دینا درست ہے یا نہیں؟

(۳)۔بعض حضرات یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفایت المفتی وغیرہ میں توسع سے کام لیا ہے۔تو کیا اس توسع کو بطور دلیل پیش کرنا درست ہے؟ جبکہ اس صورت میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں جیسے کہ احسن الفتاویٰ میں مذکور ہیں...الخ۔

الجواب حامداً ومصلیاً.......جمعہ کے واجب ہونے کیلئے شہر کا ہونا شرط ہے۔قصبات اور بڑی بستیاں بھی شہر کے حکم میں ہیں۔قصبہ اور بڑی بستی کی فقہاء کرام نے مختلف علامات بیان کی ہیں۔جیسا کہ بدائع میں تفصیل مذکور ہیں۔

(۱)۔صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کے گاؤں میں ان علامات میں سے کوئی علامت موجود نہیں ہے لہٰذا یہ بڑی بستی میں داخل نہیں ہے بلکہ قریہ صغیرہ (چھوٹی بستی) ہے اور چھوٹی بستی میں باتفاق فقہاءِ احناف جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔لہٰذا مذکور گاؤں میں جمعہ ادا کرنا درست نہیں۔البتہ اگر حاکم اجازت دے دے تو پھر درست ہوسکتا ہے۔

(۲)۔بحالت موجودہ جب جمعہ درست نہیں ہے تو لوگوں کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ نماز جمعہ کے ادا کرنے سے منع کیا جائے۔اس لئے کہ جمعہ کے ادا کرنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی بلکہ ظہر کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ایسی صورت میں شوافع کے مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ مذہبِ غیر پر فتویٰ ضرورت شدیدہ کی وجہ سے دیا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں حنفیہ کو بمذہب دیگر ائمہ عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی۔

(۳)۔اور کفایت المفتی میں جواز کے بارے میں توسع سے کام لینا حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور تفرد ہے۔حضرت کے علاوہ کسی نے بھی جواز کا قول نہیں کیا ہے بلکہ سب عدم

جواز کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس توسع کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے...الخ۔ (نجم الفتاوی، ج:۲،ص: ۵۲۷،۵۲۸)

جمعہ فی القری کے بارے میں دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ تو واضح ہے کہ جمہور فقہاء احناف کے نزدیک چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جمعہ فی القریٰ کے بارے میں بعض حضرات نے دوسرے ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دے کر جمعہ فی القریٰ کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ مذہبِ غیر پر فتویٰ ضرورت شدیدہ کی وجہ سے دیا جاتا ہے(۲۶) اور اس مسئلہ میں حنفیہ کو بمذہب دیگر ائمہ عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی ہے۔ زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں فقہاء حنفیہ نے فتویٰ امام مالک رحمۃ اللہ کے مذہب پر دے دیا ہے اس پر عمل کیا جاوے گا۔ اسی طرح جس مسئلہ میں فقہائے کرام نے تصریح کی ہے وہاں عمل کرسکتے ہیں اور جس جگہ تصریح ان حضرات کی نہیں ہے وہاں عمل نہیں کرسکتے۔

---

(۲۶):قال شيخ الاسلام محمد تقى العثمانى دامت بركاتهم: الافتاء بمذهب آخر لحاجة عامة. الحالة الأولى: الضرورة أو الحاجة. وذلک أن يكون فى المذهب فى مسألة مخصوصة حرج شديد لايطاق، أو حاجة واقعية لامحيص عنها، فيجوز أن يعمل بمذهب آخر دفعاً للحرج وانجازاً للحاجة، وهذا كما أفتى علماء الحنفية بمذهب الشافعية فى جواز الاستئجار على تعليم القرآن، وبمذهب المالكية فى مسألة زوجة المفقود والعنين والمتعنت. وكذلک يدخل فى هذا النوع ما عم فيه البلوى......ولكن يجب لجواز الافتاء بمذهب آخر بسبب الحاجة أو عموم البلوى أن تتحقق شروط آتية:

الأول: أن تكون الحاجة شديدة، والبلوى فى نفس الأمر، لا مجرد الوهم بذلک.

الثانى: أن يتأكد المفتى بمسيس الحاجة،وذلک بمشاورة غيره من أصحاب=

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ در بعض دیار بہ ہر قریہ نماز جمعہ می گزارند خواہ در وشمار مردماں ومکانان کثیر باشد یا نہ وگروہے از علمائے احناف می گویند کہ گرچہ بمذہب ما در قریٰ جمعہ روا نیست مگر مایاں مسئلہ بر مسلک ائمہ دیگراں عمل می نمائیم قول اوشاں چہ چگونہ است واگر کسے از احناف در قریٰ صلاۃ جمعہ ادا کند پس از ذمہ اش نماز ظہر او ساقط خواہد شد یا نہ جواب صافی مدلل تحریر فرمایند؟

الجواب: عدم صحت جمعہ در قریٰ عند الاحناف ظاہر است وآنانکہ بر مذہب شافعیہ می گزارند وظاہر است کہ ایشاں سائر فرائض صلاۃ کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعمل نمی آرند مثل قراءۃ خلاف الامام وہم چنیں رعایت

=الفتوى وأصحاب الخبرة في ذلك المجال، والأحسن أن لايتبادر بالافتاء منفرداً عن غيره، بل يحاول بالقدر المستطاع أن يضم معه فتوى غيره من العلماء وخاصة اذا أراد أن ينشر الفتوى على نطاق واسع.

الثالث: أن يتأكد ويتثبت في تحقيق المذهب الذي يريد أن يفتي به تحقيقاً بالغاً، والأحسن أن يراجع في ذلك علماء ذلك المذهب، ولايكتفي برؤية مسألة في كتاب أو كتابين، لأن كل مذهب له مصطلحات تخصه، وأساليب ينفرد بها، وربما لايصل الى مرادها الحقيقي الا من مارس هذه المصطلحات والأساليب.

الرابع: أن لايكون القول المأخوذ به من الأقوال الشاذة التي تخالف جماهير فقهاء الأمة، ووقع منهم الانكار عليها...الخ.

الخامس: أن يؤخذ ذلك المذهب بجميع شروطه المعتبرة فيه، لئلا يؤدي ذلك الى التلفيق في مسألة واحدة. ومن المناسب أن نذكرهنا بعض التفصيل في مسألة التلفيق، والله سبحانه ولي التوفيق. (أصول الافتاء وآدابه، ص: ٢٠٢ تا ٢٠٧، ط، مكتبه معارف القرآن كراتشي)

عددمصلین کہ عندالشافعیہ معتبرست بجانمی آرند پس جمعہ ایناں نہ عندالحنفیہ درست شدلعدم قول الحنفیہ بالجمعۃ فی القریٰ ونہ عندالشافعیہ درست باشدلعدم شرائط صحۃ الصلاۃ وایں راتلفیق می گویند کہ فقہاء آں راباطل گفتہ فافہم۔

ترجمہ سوال: بعض علاقوں میں ہر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں خواہ وہاں لوگوں کی اور مکانات کی کثرت ہو یا نہ ہو، علماء احناف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگرچہ ہمارے مذہب میں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے، لیکن ہم اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں، ان حضرات کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی حنفی گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہوگی یا نہیں؟ ۱۲سعید احمد پالن پوری

ترجمہ جواب: دیہاتوں میں احناف کے نزدیک جمعہ کا صحیح نہ ہونا ظاہر وباہر ہے اور جو لوگ مذہب شافعیؒ کے پیش نظر پڑھتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ لوگ نماز کے وہ تمام فرائض جو امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہیں بجانہیں لاتے جیسے قرأت خلف الامام اور نماز جمعہ کی صحت کے لئے نمازیوں کی جو تعداد ان کے یہاں معتبر ہے، اس کی رعایت بھی نہیں کرتے، تو ان کا جمعہ نہ احناف کے نزدیک درست ہوتا ہے، اس لئے احناف گاؤں میں جمعہ کے قائل ہی نہیں ہیں اور نہ شافعیہ کے نزدیک درست ہوتا ہے، کیونکہ ان کے یہاں جو صحت شرائط ہیں وہ نہیں پائے جاتے اور اس کا نام تلفیق ہے جسے فقہاء باطل کہتے ہیں فافہم۔۱۲سعید احمد پالن پوری۔(امدادالفتاوی، ج:۳،ص:۱۵۲،۱۵۳، ط، زکریا بک ڈپو دیوبند الہند)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک اس گاؤں میں جمعہ جائز ہے جس میں ۴۰ نمازی ہوں۔ایسے گاؤں میں حنفیہ کو امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حنفیہ کو اس صورت میں امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کی جائز نہیں ہے بلکہ درمختار وشامی میں قنیہ سے نقل

کیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۸۳، ط، دارالاشاعت کراچی)

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں: اور حنفیہ کو بمذہب دیگر ائمہ اس مسئلہ میں عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی۔ اور ہم لوگ پابند ہیں اس امر کے کہ جس جگہ اور جس مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے فتوی غیر کے مذہب پر دے دیا ہے اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں فقہاء حنفیہ نے فتویٰ امام مالک رحمۃ اللہ کے مذہب پر دے دیا ہے اس پر عمل کیا جاوے گا۔ اسی طرح جس مسئلہ میں تصریح فقہاء کی ہے وہاں عمل کر سکتے ہیں اور جس جگہ تصریح ان حضرات کی نہیں ہے وہاں عمل نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۴۸، ط، دارالاشاعت کراچی)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ان کے فتاوی کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح و معتبر ہے، چنانچہ زوجہ مفقود کے متعلق دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ دیا جاتا ہے، کیوں کہ وہاں ضرورت متحقق ہے، مسئلہ زیر بحث میں اول تو ضرورت کیا ہے کہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کیا جائے، دوسرے وہ کون سے امام ہیں جن کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کا وجوب ہے، جس غلط علم یا عمل میں لوگ مبتلا ہیں اس کی اصلاح کی جائے، یہ ہے اصلی علاج، نہ کہ ان کی خاطر غلط فتوی دے کر ان کی غلطی کو مستحکم کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ، ج: ۸، ص: ۸۸، ط، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک دوسری جگہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ''حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''جمعہ اور عید کی نماز شہر میں ہے گاؤں میں نہیں''۔ ان کے علاوہ دوسری بھی دلیلیں ہیں جن کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کی جماعت کے متعلق سخت شرط ہے، وہ یہ کہ اگر چالیس آدمی جماعت میں ہوں تو جمعہ کی نماز درست ہو سکے گی، بشرطیکہ بستی بڑی ہو۔ حنفی کو اس مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں''۔ (فتاوی محمودیہ، ج: ۸، ص: ۹۱)

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ صوبہ بلوچستان کے بعض علاقوں میں قریہ صغیرہ میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے...... بالفرض جو کوئی ایسی جگہ ہو کہ جس میں شرائط جمعہ عندالاحناف مفقود ہوں کیا حنفی ہوتے ہوئے مذہب شوافع پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟....الخ۔

جواب: حنفیہ کو اس صورت میں امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کی جائز نہیں بلکہ درمختار میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ **صلاۃ العید فی القری تکرہ تحریما.... ومثله الجمعة... الخ.** (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۵۹۱،۵۹۲،۵۹۳، ط،اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

حضرت مولانا مفتی اصغر علی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں مالکیہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مفقود الخبر کی زوجہ کے بارہ میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے۔

الجواب: چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ امام مالکؒ کے مذہب کی بنا پر جائز قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جو زوجہ مفقود الخبر میں ہے۔لہٰذا اس کو زوجہ مفقود الخبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۱۰۹، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: پاکستان کے دیہات میں اکثر علماء خواہ دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں یا بریلوی سے، قریہ صغیرہ میں نمازِ جمعہ بلا جھجک پڑھاتے ہیں، حالانکہ حنفی مسلک میں دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، مندرجہ بالا حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قریہ صغیرہ میں نمازِ جمعہ جائز ہے

اوران کا مسلک قوی ہے۔

سندھ کے بڑے اکابر میں سے حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی، امروٹ شریف میں جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے جبکہ جمعہ کی اکثر شرائط پوری نہیں ہوتیں، ان کے جانشین کا بھی یہی عمل ہے، دوسرے حضرت مولانا حماد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہالیجی شریف ہیں۔ اس لئے جو علماء حنفی مسلک پر کاربند ہیں وہ دیہات میں درس تدریس اور خطابت بغیر جمعہ کے، فرائض سرانجام نہیں دے سکتے، عوام تو صرف یہ کہتے ہیں کہ یا تو اکابر کو یہ کہو ناحق پر ہیں، اگر حق پر ہیں تو ان کی طرح نماز جمعہ تم بھی پڑھاؤ، ایک سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں لیکن چونکہ ہمارا گاؤں ستر، اسی (۷۰،۸۰) گھروں پر مشتمل ہے، چھ سات دکانیں بھی ہیں، ڈاکٹری اور دیگر ضروریات کافی حد تک پوری ہو جاتی ہیں، شہر سے تقریباً سات آٹھ میل دور ہے جس بستی میں رہائش پذیر ہوں وہ ہماری برادری کی بستی ہے، اس کے ارد گرد اور بھی کئی بستیاں ہیں جو مختلف مقامات سے آکر یہاں آباد ہوئی ہیں۔

اور ہماری بستی کے چیئرمین کی زیرِ نگرانی اکھٹے کئی ہزار ایکڑ زمین خریدی گئی تھی، اگر ایک جگہ گاؤں بناتے تھے تو بہت سے آدمی اپنی زمین سے بہت دُور ہو جاتے تھے، اس لئے ہر ایک نے اپنی سہولت کے لئے اپنی اپنی زمینوں سے قریب گھر بنالئے اور ان میں جو سرکردہ لوگ تھے ان کے نام سے وہ گاؤں مشہور ہو گیا، جبکہ چیئرمین سب کا ایک ہی ہے۔ حنفی مسلک کی شرائط کیا ہیں؟ اور ان کا مأخذ قرآن وسنت سے کیا ہے؟ اور حنفی مسلک کی مالکی مسلک پر وجہ ترجیح کیا ہے؟ ہماری اس بستی میں نمازِ جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: عزیز محترم سلمہ اللہ تعالیٰ!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال غور سے پڑھا اور تمام حالات پر غور کیا، لیکن آپ نے اپنی بستی کا جو حال لکھا ہے اس کے پیشِ نظر اسے قصبہ، قریہ کبیرہ یا شہر کہنا مشکل ہے، اور حنفیہ کی تمام کتابیں متون وشروح وفتاویٰ جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کی شرط کو ضروری قرار دیتی ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں بلاشبہ گاؤں میں بھی جمعہ ہو جاتا ہے، لیکن کسی ایک مسئلے میں مالکیہ یا شافعیہ کے قول کو لینا اور باقی نماز حنفیہ کے طریقے پر پڑھنے میں ''تلفیق'' کا اندیشہ ہے، جو باجماع فقہاء باطل ہے، اور اس سے کسی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی، لہٰذا مالکیہ یا شافعیہ

کے مسلک پر عمل کر کے جمعہ ادا کر لینا کسی طرح دُرست نہیں، حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ کے جواز کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ امامِ مسلمین وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم دیدے، یہ صورت بھی ہمارے ملک میں مفقود ہے...الخ۔(فتاوی عثمانی، ج:۱،ص:۵۱۵، ۵۱۶، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید نجم الحسن امروھوی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں تقریباً پندرہ بیس سال سے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ جبکہ ہمارے گاؤں کی آبادی تقریباً بالغ افراد ۳۵۰ ہوں گے اور ۱۱۰ گھر ہیں۔ اور دو دکانیں ایک پی سی او، ایک میڈیکل اسٹور اور پن چکی ہیں، نیز لڑکوں کا ہائی سکول اور لڑکیوں کا مڈل اسکول بھی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ.........بصورت عدم جواز کیا اس نماز جمعہ کے ادا کرنے سے منع کرنا درست ہے یا منع نہ کیا جائے۔ جبکہ اس ممانعت میں لوگوں کے انتشار کا خوف اور اندیشہ ہو۔ تو کیا ایسی صورت میں شوافع کے مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دینا درست ہے یا نہیں؟....الخ۔

الجواب حامداً ومصلیا: جمعہ کے واجب ہونے کیلئے شہر کا ہونا شرط ہے۔ قصبات اور بڑی بستیاں بھی شہر کے حکم میں ہیں۔ قصبہ اور بڑی بستی کی فقہاء کرام نے مختلف علامات بیان کی ہیں۔ جیسا کہ بدائع میں تفصیل مذکور ہیں......بحالت موجودہ جب جمعہ درست نہیں ہے تو لوگوں کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ نماز جمعہ کے ادا کرنے سے منع کیا جائے۔ اس لئے کہ جمعہ کے ادا کرنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی بلکہ ظہر کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ ایسی صورت میں شوافع کے مذہب کے مطابق جواز کا فتویٰ دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ مذہبِ غیر پر فتویٰ ضرورت شدیدہ کی وجہ سے دیا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں حنفیہ کو بمذہب دیگر ائمہ عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی...الخ۔ (نجم الفتاوی، ج:۲،ص:۵۲۷، ۵۲۸)

چھوٹے دیہاتوں میں برسوں سے جاری شدہ جمعہ کو بند کرنے حکم

فقہائے احناف کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا نہ واجب ہے اور نہ جائز۔ البتہ وہ

مقامات جہاں عندالاحناف جمعہ کی شرائط نہ پائی جائیں لیکن کئی سالوں سے وہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ان مقامات میں جمعہ کی نماز کو بند کیا جائے یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے اکابرین کا فتوی یہ ہے کہ اگر جمعہ بند کرنے میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، تو فساد کرنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ خود جمعہ نہ پڑھے اور لوگوں کو نرمی سے صاف صاف مسئلہ بتادیا جائے کہ یہاں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جارہی ہیں لہٰذا یہاں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود اگر لوگ نہیں مانتے ہیں تو وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔

نیز اس مسئلہ کے بارے میں حضرت اقدس مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ جمعہ بند نہ کیا جائے بلکہ جاری رکھا جائے۔لیکن یہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتی رائے اور تفرد ہے۔لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں اکابرین کے فتاوی جات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت اقدس مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’گاؤں میں جمعہ کا صحیح ہونا نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے تاہم جس مقام میں کہ زمانہ قدیم سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ کو ترک کرانے میں جو مفاسد ہیں وہ ان مفاسد سے بدرجہا زیادہ سخت ہیں جو سائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکر کئے ہیں جو لوگ جمعہ کو جائز سمجھ کر جمعہ پڑھتے ہیں ان کا فرض ادا ہوجاتا ہے نفل کی جماعت یا جہر بقرأت نفل نہار یا ترک فرض لازم نہیں آتا‘‘۔

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے مفتیان کرام حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اس مذکورہ بالا جواب کے تحت حاشیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’گاؤں میں فتنہ کے خوف کی وجہ سے جمعہ جاری رکھنے کا یہ قول توسع اور ذاتی رائے پر مبنی ہے کیونکہ کتب میں عدم جواز پر تصریح کی گئی ہے، اس کے علاوہ فتاویٰ معاصرہ امداد الفتاوی ۱/ ۲۶۶، خیر الفتاوی، احسن الفتاوی، امداد الاحکام ۱/ ۷۰۶، فتاوی دار العلوم دیوبند ۵/ ۹۹ وغیرہ میں بھی عدم جواز پر جواز اتفاق ہے لہٰذا آنے مسائل جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حضرت کی رائے کا دخل ہے، نیز جواب ۳۸۸ میں انہوں نے خروج عن المذہب کی تصریح بھی کی ہے۔ وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیھا أسواق

الخ (الدرالمختار، باب الجمعة ۲/۱۳۸ سعید) **وفی الجواھر: لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر الخ.** (ردالمحتار، جمعه ۲/۱۳۸ سعید) **وفی الدرالمختار: صلوۃ العید فی القریٰ مکروہ تحریما الخ وفی الشامیة: ومثله الجمعة** (باب الجمعة ۲/۱۵۲ سعید)۔(کفایة المفتی، ج: ۳، ص: ۲۳۱، ط، دار الاشاعت کراچی)

حضرت اقدس مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جمعہ بند نہ کیا جائے جاری رکھا جائے اور سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں آپس میں اختلاف کرنا بہت بُرا ہے۔

قلت وھذا ان کان غیر موافق لما علیه الحنفیه ولکنه اشد موافقة لمصالح الاسلامیة الاجتماعیة خصوصاً فی ھذا القطر وفی ھذا الزمان فان اعداء الاسلام یظفرون بمقاصدھم المشومة فی قری لاتقام فیھا الجمعة ویخیبون فی مواضع اقامة الجمعة والتوفیق من اللّٰہ عزوجل وحفاظة الاسلام خیر من الاصرار علی ترکھا والمسئلة مجتھد فیھا''.

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے مفتیان کرام حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے اس مذکورہ بالا جواب کے تحت حاشیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یہاں تصریح فرمائی ہے کہ مصلحت کی وجہ سے توسع اختیار کیا ہے، اور یہ حضرت کی ذاتی رائے اور تفرد شمار ہوتا ہے فافہم۔(کفایة المفتی، ج: ۳، ص: ۲۵۱، ط، دار الاشاعت کراچی)

مفتی اعظم ومفتی اوّل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب نوراللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: جامع مسجد میں بروز جمعہ جماعت جمعہ کی ہورہی تھی، ایک مولوی صاحب نے وہاں آکر تمام نمازیوں کو بآواز بلند کہا کہ فوراً اے حنفیوں جمعہ کی نماز سے نیت توڑ دو ورنہ کافر ہوجاؤ گے کیوں کہ یہاں

نماز جمعہ جائز نہیں ہے، اس کا پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔ آیا کس کس مقام پر کس شرائط سے نماز جمعہ جائز ہے اور کہاں ناجائز۔ اگر کسی مقام پر کلیۃً شرائط جمعہ موجود نہ ہوں وہاں جمعہ نہ پڑھنے سے گناہ اور کفر عائد نہیں ہوتا اور وہ مولوی صاحب نماز توڑوانے کے مجاز تھے یا نہ، اگر نہیں تھے تو ان کو کیا گناہ ہوا؟

الجواب: حنفیہ کا مذہب جمعہ کے بارہ میں یہ ہے کہ شہر اور قصبہ اور بڑے قریہ میں جس میں دو چار ہزار آدمی آباد ہوں اور ضروری اشیاء کی دوکانیں ہوں وہاں جمعہ واجب ہے اور ادا ہوتا ہے البتہ چھوٹے قریہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا اس میں جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی لکھا ہے، لیکن کفر وہ بھی نہیں ہے۔ پس اگر وہ بستی جس میں جمعہ ہو رہا تھا قصبہ یا بڑا قریہ تھا تو جمعہ اس میں واجب تھا اور صحیح تھا توڑوانا جمعہ کا وہاں حرام تھا، وہ مولوی صاحب غلطی پر تھے جنہوں نے جمعہ توڑوایا توبہ کریں۔ اور اگر وہ چھوٹا تھا تو بے شک جمعہ پڑھنا وہاں مکروہ تحریمی تھا، توڑوانا جمعہ کا اچھا ہوا...الخ۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵ ص:۷۰، ط، دارالاشاعت کراچی)

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب نوراللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر اس گاؤں کی آبادی تین چار ہزار سے کم ہے اور وہاں تمام ضروریات معاش نہیں ملتیں تو وہاں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں، پس اس صورت میں زید کو وہاں جمعہ وعیدین نہ پڑھنا چاہئے، اور جو لوگ پڑھتے ہیں اُن سے منازعت اور جھگڑا ابھی نہ کرنا چاہئے، ہاں نرمی سے عقلاء کو سمجھا دیا جائے کہ مجھے اب معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں اس لئے میں نہیں پڑھ سکتا، اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ لوگ بھی نہ پڑھیں، تاکہ گناہ سے بچ جائیں، آئندہ تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے اور اگر نرمی سے کہنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہو، تو اُس سے بھی احتراز کیا جائے، صرف اپنی عمل کو درست کرلیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد الاحکام، ج:۱ص:۷۹۸، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: ایک جگہ ایسی بستی ہے جہاں احناف کے مذہب کی بنیاد پر جمعہ نہیں ہوتا لیکن وہاں بہت سے دنوں سے صلوۃ جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے تو اب صلاۃ جمعہ وہاں پڑھی جائے یا نہیں؟ جب کہ چھوڑ دینے سے

لوگوں کی ملامت کا خوف ہو؟ ویسے تو لوگ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو ایک پنجوقتی نماز نہیں ادا کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل رہے ہیں، اب اگر جمعہ کی نماز سے منع کر دیا جائے تو غفلت میں اور بھی زیادتی ہو جائے گی اور غفلت میں زیادتی شریعتِ مطہرہ میں کہاں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ایک غلط کام اگر پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہو تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہایت شفقت، ہمدردی سے، حسن تدبیر سے اس کی اصلاح کی جائے، اس کی اجازت نہیں کہ غلط کام کی تائید کر کے اس کو اور بھی پختہ کر دیا جائے، وہ پانچ وقت کا فرض ادا نہیں کرتے تو اس کا وبال وعذاب ذہن نشین کرایا جائے کہ یہ کس قدر خطرناک حالت ہے، احادیث میں اس پر کس قدر وعید ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۸، ص:۱۷۴،۱۷۵)

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں وہ جمعہ ترک کر دیں یا پڑھتے رہیں اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں یا نہ کریں؟

الجواب: جمعہ ترک کر دیں اور ظہر باجماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کر کے ان کی بھی قضا کریں۔

فی الجواھر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر. [شامیة، ج: ۱، ص: ۷٤۸]۔

(خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۱۳، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

فقیہ ملت مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسائل کہ:.......اگر کسی قریہ صغیرہ میں جمعہ کافی مدت سے پڑھا جاتا ہے کیا اس کو اب ختم کرنا چاہیے اور وہاں نہ جانا چاہیے شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: جس گاؤں میں بوجہ اس کے چھوٹا ہونے کے عندالحنفیہ جمعہ درست نہیں اس میں کسی خیال

سے بھی جمعہ نہ پڑھنا چاہیے۔اس کو ترک کرنا چاہئے۔کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے گناہ گار ہوتے ہیں اور ظہر کی جماعت کے ترک کا گناہ بھی ان پر ہے اور ظہر کی نماز ان کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ **کما فی الشامی وفیما ذکرنا اشارة الی انه لاتجوز (ای الجمعة) فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمرات والظاهر انه ارید به الکراهة النفل بالجماعة الا تری ان فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم اداء الظهر....الخ.** (فتاوی مفتی محمودؒ، ج: ۲، ص: ۵۷۱، ۵۷۲، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاهور)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے سوال کے جواب میں ایک چھوٹی بستی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ: لہٰذا ایسی بستی میں جمعہ کا ادا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ جب جمعہ کا ادا کرنا صحیح نہ ہوا تو وہ دو رکعتیں نفل ہوں گی۔لہٰذا جب مولوی صاحب نے بند کرادیا ہے اور بند ہوگیا ہے تو اچھا کیا ہے۔ اب دوبارہ جاری کرا کر فتنہ فساد برپا نہ کیا جائے۔(فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۵۷۴، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوراللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھوٹی بستی میں جمعہ جائز نہیں، اور گو کہ دُوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے، مگر ان کے مذہب پر عمل کرنا اس لئے ممکن نہیں کہ ان کے مذہب کے مطابق نماز کی بہت سی شرطیں ایسی ہیں جن کا ہمارے لوگوں کو علم نہیں، اور جب ان شرطوں کے بغیر گاؤں میں جمعہ پڑھا جائے تو نماز نہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہوئی، نہ امام شافعیؒ کے نزدیک، پس ظہر کی نماز کو غارت کرنا کسی طرح روا نہ ہوگا، اور اس کا وبال سر پر رہے گا۔اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جہاں جمعہ شروع ہو وہاں بند نہ کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ سمجھا دیا جائے، اس کے باوجود کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، مگر خود جمعہ پڑھنا کسی حال میں درست نہیں۔اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس سے انتشار ہوگا، یہ ایک درجے میں صحیح ہے، کہ لوگوں پر جہل غالب ہے، مگر یہ بھی اس امر کے لئے کافی عذر نہیں کہ اس بدعت کا خود ارتکاب کیا جائے۔راقم الحروف اپنے گاؤں میں طالب علمی کے زمانے میں خود جمعہ پڑھاتا تھا، لیکن جب مسئلے کا علم ہوا تو جمعہ بند کردینے کا اعلان کردیا، الحمدللہ! نہ

کوئی مرتد ہوا، نہ کسی نے نماز چھوڑی، البتہ ایسے بے دین لوگ جن کو نماز اور مسجد سے کوئی واسطہ نہیں، اب بھی نکتہ چینی کرتے ہیں، سوا ایسے لوگوں کی نکتہ چینیوں سے گھبرا کر شرعی مسائل کو اگر بدل دیا جائے تو دینِ اسلام کی شکل ہی مسخ ہو جائے گی۔ مسئلہ تو میں نے لکھ دیا ہے، اب آگے مشورہ عرض کرتا ہوں، آپ اپنی بستی کے دین دار اور صاحبِ فہم لوگوں کو جمع کر کے میرا یہ خط ان کے سامنے رکھیں، اگر وہ شرعی مسئلے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں تو ان میں سے جو حضرات ذی وجاہت ہیں، وہ خود اس مسئلے کا اعلان کر کے جمعہ بند کرنے کا اطلاع کریں، اور اگر اس بستی کے دین دار اور سمجھ دار لوگ بھی اس مسئلے پر عمل کرنے سے گریز کریں تو آپ اس بستی کی امامت چھوڑ دیں۔ امام کو اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ شرعی مسائل کے مطابق لوگوں کی امامت کرے، نہ یہ کہ شریعت کے خلاف لوگوں کا تابعِ مہمل بن کر رہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل اضافہ وتخریج شدہ، ج: ۴، ص: ۱۱۳، ۱۱۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

فقیہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ: نماز عید کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں اگر کسی جگہ جمعہ جائز نہیں تو وہاں نماز عید بھی جائز نہیں، اس کو بند کر دیا جائے، اسی طرح جس جگہ جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں تو وہاں جمعہ پڑھنا جائز نہیں اس کو بند کر دیا جائے، بعض حضرات جو فرماتے ہیں کہ اس کو بند نہ کر دیا جائے کیونکہ فساد کا خطرہ ہے تو جواباً عرض ہے کہ اس قسم کا قول احناف کے ائمہ مجتہدین، اربابِ تخریج، اصحابِ تحقیق، اقوال ترجیح میں سے کسی مستند فقیہ کا ہمیں معلوم نہیں، اور چودہویں صدی کے مقلد محض مفتی کا قول حجت نہیں ہے۔ (ارشاد المفتین، ج: ۴، ص: ۵۹۶، ط، مکتبہ الحسن لاہور)

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک دوسرے جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں جمعہ شروع ہو وہاں بند نہ کیا جائے کیونکہ اس میں فساد کا خطرہ ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اس قسم کا قول احناف کے ائمہ مجتہدین، اربابِ تخریج، اصحابِ تحقیق، اقوال ترجیح میں سے کسی مستند فقیہ کا ہمیں معلوم نہیں ہوا اور چودہویں یا پندرہویں صدی کے محض مفتی کا قول حجت نہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کے چند جملے اس سلسلے میں مجھے پسند آئے ہیں بلفظہ نقل کرتا ہوں۔

''اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جہاں جمعہ شروع ہو وہاں بند نہ کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ سمجھا دیا جائے اس کے باوجود کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے مگر خود جمعہ پڑھنا کسی حال میں درست نہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس سے انتشار ہوگا یہ ایک درجہ صحیح ہے کہ لوگوں پر جہل غالب ہے، مگر یہ بھی اس امر کے لیے کافی نہیں کہ اس بدعت کا خود ارتکاب کیا جائے۔ راقم الحروف اپنے گاؤں میں طالب علمی کے زمانے میں خود جمعہ پڑھاتا تھا، لیکن مسئلہ کا علم ہوا تو جمعہ بند کردینے کا اعلان کردیا، الحمدللہ نہ کوئی مرتد ہوا، نہ کسی نے نماز چھوڑ دی البتہ ایسے بے دین لوگ جن کو نماز اور مسجد سے کوئی واسطہ نہیں اب بھی نکتہ چینی کرتے ہیں سو ایسے لوگوں کی نکتہ چینیوں سے گھبرا کر شرعی مسائل کو اگر بدل دیا جائے تو دین اسلام کی شکل ہی مسخ ہو جائے گی''۔[آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲/ ۳۹۸]

خلاصہ یہ کہ جس آبادی پر ''مصر جامع'' کی تعریف صادق نہ آتی ہو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں، خود نہیں پڑھنا ہے اور دوسروں کو سمجھانا ہے، اگر مان جائیں فبہا، ورنہ لڑائی کا حق آپ کو حاصل نہیں۔ (ارشاد المفتین، ج:۴،ص:۴۳۸، مکتبہ الحسن لاہور)

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں جہاں جمعہ کے شرائط بالکل نہیں پائے جاتے ہیں، نہ ہی ضروریات کی چیزیں ملتی ہیں اور نہ ہی اتنی آبادی ہے کہ وہاں جمعہ قائم کیا جا سکے، لیکن پھر بھی بہت سالوں سے جمعہ ہوتا ہے۔ اب اگر جمعہ بند کرایا جائے، تو اختلاف وانتشار اور فتنہ کا اندیشہ ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں جمعہ بند کرایا جائے یا بدستور باقی رکھا جائے؟...الخ۔

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس جگہ بہت دنوں سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، اور اب جمعہ بند کرانے میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، تو فساد کرنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ لوگوں کو صاف صاف مسئلہ بتادیا جائے

کے کہ یہاں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جارہی ہیں، اس کے باوجود اگرلوگ نہیں مانتے ہیں تو وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں...الخ۔(فتاوی قاسمیہ، ج:۹،ص:۱۱۹، ۱۲۰، ط، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند الہند)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید نجم الحسن امروھوی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں صوبہ سرحد ضلع کوہاٹ کے نواح میں پنڈی روڈ پر واقع ہے جس کی آبادی 1500 کے لگ بھگ ہے جس میں ضروریات زندگی کیلئے چھ دوکانیں، ایک میڈیکل کلینک، ایک موچی کی اور ساتھ ہی ایک ٹیلرز کی دوکان بھی ہے۔ تین مسجدیں جن میں سے دو میں نمازیں ہوتی ہیں اور ایک بالکل ویران ہے۔ گاؤں میں گاڑیوں کی سہولت کے ساتھ فون کی سہولت بھی میسر ہے اور اس کے علاوہ آٹے کی مشینیں بھی موجود ہیں۔ ان تمام سہولتوں کے باوجود اکثر ضروریات زندگی کیلئے شہر جانا پڑتا ہے اور بڑے مریضوں کو شہر لے جایا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اس گاؤں میں تقریباً ۴۰۔۵۰ سال سے جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں، آیا اس گاؤں میں جمعہ کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے ہوتی ہے یا نہیں؟ بعض صاحبان نے عدم جواز کا حکم دیا ہے جبکہ اس کے روکنے میں فتنہ اور فساد کا قوی اندیشہ ہے اس لئے اس گاؤں میں فرقہ مخالف کے لوگ (یعنی بریلوی حضرات) موجود ہیں اگر اس کو روکا جائے اگرچہ روکنا ممکن نہیں لیکن بالفرض پھر بھی اگر روکا جائے تو فرقہ مخالف والے اپنی مسجد میں جمعہ شروع کردیں گے جس سے مزید فتنہ اور فساد پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے، اس کا خیال رکھتے ہوئے اس مذکورہ مسئلے کا تفصیلی جواب ارسال کرکے احسان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً: (۱):۔نماز جمعہ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں نمازِ جمعہ ادا کی جارہی ہے شہر ہو، اور شہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہزاروں کے لگ بھگ لوگ بستے ہوں، مختلف محلے اور بازار ہوں، ضروریات زندگی کو پورا کرنے کیلئے سہولیات میسر ہوں، لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ اس جگہ پر جہاں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے شہر کی تعریف صادق نہیں آتی جیسا کہ سوال سے واضح ہے۔ اس لئے وہاں جمعہ کی نماز از روائے فقہ حنفی جائز نہیں ہے۔

(۲):۔اگر نماز جمعہ کی ادائیگی سے روکنے میں فتنہ وفساد کا قوی اندیشہ ہو تو اس صورت میں حکومتِ وقت یا اُس کے نائب سے اجازت لے کر نمازِ جمعہ کی ادائیگی جائز ہو جائے گی۔

لما فی المصنف لعبدالرزاق [١٦٧/٣]: عن الحارث عن علی قال: لاجمعة و لاتشریق الا فی مصر جامع.

وفی الدرالمختار[١٣٨/٢]: وفی القهستانی: اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقاً علی ما قاله السرخسی واذا اتصل به الحکم صار مجمعاً علیه فلیحفظ. (نجم الفتاوی، ج: ٢، ص: ٥٢٦، ٥٢٧)

حضرت مولانا مفتی سید سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جہاں جمعہ جائز نہیں ہے دیہات وغیرہ، اگر وہاں پہلے سے ہو رہا ہو تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟ پڑھا جائے یا ختم کرا دیا جائے، حالانکہ شاید دیوبند کا فتویٰ یہی ہے کہ جہاں ہو رہا ہو وہاں ہونے دیں، ختم نہ کیا جائے، چاہے دیہات ہو یا گاؤں وغیرہ۔

الجواب وباللہ التوفیق: چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ کا قیام حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے، اگر وہاں پہلے سے جمعہ ہوتا آرہا ہے پھر بھی حکمت عملی کے ساتھ اسے ختم کر کے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، علماء دیوبند کا فتویٰ اسی پر ہے، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مقامات پر جمعہ جاری رکھنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن دیگر حضرات مفتیان نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔[فتاوی محمودیہ ڈابھیل،۱۲۳/۸، کفایت المفتی ۲۰۵/۳، امداد الاحکام۳۳۹/۲، امداد المفتین /۳۹۴]

وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق وفیما ذکرنا اشارة الی أنها لاتجوز فی الصغیره. (شامی زکریا۷/۳)

ألا ترى أن فى الجواهر لو صلوا فى القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامی زکریا ۳/۷)

عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال: ليس على اهل القرى جمعة، انما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبى شيبة ٤٦/٤ المجلس العلمى)

من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (شامی زکریا۳/۳۳)

وفى الجمعة: واختيار المشائخ أنه اذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة ان أدرك وصلى، وان ادرك ففرضه الظهر. (الفتاوى التاتارخانية ٥٤٥/٢ رقم: ٣٢٥٨)۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ۵، ص: ۲۳۰، ۲۳۱)

پہلے شہر تھا پھر اجڑ کر چار سو آبادی رہ گئی تو جمعہ جائز نہیں

سوال: بستی شیخ پورہ جو کسی زمانہ میں بڑا بھاری شہر تھا، سکھوں نے اس کو لوٹا اور تباہ کیا، جس کی موجودہ حالت یہ ہے کہ کل ساڑھے چار سو آدمی آبادی ہیں، دو۲ دکانیں پرچون کی ہیں نہ کوئی بازار ہے اور نہ کوئی ضروری شے ملتی ہے، زمیندار مسلمان ہیں، دریا کے قرب وجوار کے باعث کئی گاؤں کے مردے وہاں پھینکتے آئے ہیں، آیا ایسی جگہ شرعاً جمعہ جائز ہے یا نہ؟ کسی جگہ کا زمانہ سابق میں شہر ہونا اور دوسری جگہ کے مردوں کا وہاں آکر پھنکنا یا دفن ہونا شرائط جواز جمعہ میں سے ہے یا نہیں؟ شرائط جمعہ مثلاً سلطان یا نائب سلطان وغیرہ ہندوستان میں مفقود ہیں لہٰذا ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ جائز نہ ہونے چاہئے۔

الجواب: فی الحال جب کہ آبادی موضع شیخ پورہ کی کل ساڑھے چار سو آدمیوں کی ہے یا فرض کرو اس سے کچھ زیادہ ہو اور بازار وغیرہ وہاں نہیں ہے نہ ضروری اشیاء وہاں ملتی ہیں تو وہ موضع یقیناً قریہ صغیرہ ہے جس میں فقہاء نے جمعہ پڑھنا ناجائز اور مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ شامی میں ہے: **وفيما ذكرنا اشارة الى انه لايجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض الخ.** اور درمختار باب العیدین میں ہے منقول قنیہ سے

صلاة العيد فی القری تکره تحریماً الخ شامی میں ہے **ومثله الجمعة**.کسی زمانہ سابقہ میں موضع مذکور کا شہر یا قصبہ ہونا یا قرب وجوار کے مردے کفار و مسلمین کے وہاں آکر پھنکنا یا دفن ہونا علامت اس موضع کی شہر ہونے یا جمعہ کے جائز ہونے کی نہیں ہے یہ محض کسی کا غلط بیان ہے کہ دوسرے دیہات قرب وجوار کے مردوں کا وہاں دفن ہونا یا پھنکنا دلیل جواز جمعہ ہے اس کی کچھ اصل شریعت میں نہیں ہے (اور سوال میں یہ لکھنا کہ ہندوستان میں شرائط جمعہ میں سے سلطان یا نائب سلطان وغیرہ مفقود ہیں اس لئے ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ درست نہ ہونا چاہئے) یہ غلط ہے،اور کتب فقہ کی عبارات وتصریحات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے یہ شرط وہاں ہے کہ بادشاہ اسلام کا ہوتو وہ خود امام جمعہ ہونا چاہئے یا اس کا نائب اور ماذون اور جس جگہ بادشاہ اسلام کا نہ ہو وہاں تراضی مسلمین سے جس کو امام جمعہ مقرر کرلیں وہ امام جمعہ ہوجاتا ہے اور نماز جمعہ وہاں واجب واداہوجاتی ہے درمختار میں ہے **ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود ذکر ام مع عدمهم فیجوز للضرورة، وقال فی الشامی فلو الولاة کفاراً یجوز للمسلمین اقامة الجمعة و یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین الخ. فقط.** (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ٥، ص: ٤٥، ٤٦، ط، دار الاشاعت کراچی)

مسلم بادشاہ کی اجازت سے دیہات میں نماز جمعہ کا حکم

سوال: درملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بتحریک بعض عالم درقریٰ جمعہ قائم می کنند وبرائے چار پنج قریہ خطیب ازطرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ راازاشتراط مصر مغنی می پندارند دریں علاقہ اگر کدام یکے بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کنند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد درصورت مذکورہ دورکعت جمعہ ازظہر خلف میشود یانہ درتاخیر بعذر وحیلہ آثم خواہد شد یانہ؟

الجواب: قال الشامی: قال أبو القاسم: هذا بلاخلاف اذا أذن الوالی أو القاضی (الیٰ قوله) ولو صلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر وهذا اذا لم یتصل به حکم فان فی فتاویٰ الدیناری: واذا بنی مسجداً فی الرستاق بأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً.

پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است، لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر سالہ غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست۔

قال الشامی: لایبقیٰ الی الیوم الاذن بعد موت السلطان الأذن بذلک الا اذا أذن به أیضاً سلطان زماننا نصره الله . ص ۸۴۰. والله اعلم.

ترجمہ سوال: افغانستان میں صورت یہ ہے کہ بعض علماء کی تحریک اور امیر کے حکم سے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے ہیں اور چار پانچ دیہاتوں کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایک خطیب مقرر ہوتا ہے، بادشاہ کی اجازت کی صورت میں ''مصر'' کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس علاقہ میں اگر کوئی جمعہ میں حاضر نہ ہوتو خطیب صاحب نکیر کرتے ہیں اور کبھی حاکم تک شکایت کی نوبت بھی آجاتی ہے، اندریں صورت جمعہ کی دو رکعتیں ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گی یا نہ؟ اور اگر کوئی عذر وحیلہ کر کے ایسے جمعہ میں شریک نہ ہوتو گنہگار ہوگا یا نہ؟ ۱۲سعید احمد پالن پوری

ترجمہ جواب: قال الشامی...... ۔صورت مسئولہ میں جمعہ صحیح ہے، لیکن جب حکومت بدلے (یعنی بادشاہ بدلے) تب نئے امیر کی اجازت شرط ہوگی، امیر سابق کی اجازت کافی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔
(امداد الفتاوی، ج:۳،ص:۲۴، ۲۵، ط، زکریا بک ڈپو انڈیا الہند)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جب بادشاہ وقت کی طرف سے اجازت نامی ملا ہوتو اس قریہ میں اقامت جمعہ درست ہے...الخ۔
(فتاوی فریدیہ، ج:۳،ص:۱۳۲/ فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۹۱، ط، دارالاشاعت کراچی)

متعدد قریٰ پر مشتمل علاقہ میں نماز جمعہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا علاقہ پینتالیس گھروں پر مشتمل ہے اور اس میں بعض گھروں کے درمیان تین سو چار سو گز فاصلہ بھی ہے ہم قبائلی لوگ ہیں کوئی حکومت نہیں ہے

اور ہمارے ہاں اس علاقہ میں پانچ مساجد ہیں یہاں جمعہ ادا کی جاسکتی ہے؟ حالانکہ قدیم علماء نے نماز جمعہ رائج کی ہے کیا وجوب جمعہ ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب: چونکہ یہ مقامات متعدد قریٰ ہیں نہ کہ ایک مقام کے محلات لہٰذا ان مقامات میں نماز جمعہ پڑھنا تحقیق اور تقلید دونوں سے خلاف ہے، لعدم صحۃ الجمعۃ فی القریٰ روایۃ ودرایۃ البتہ اگر یہ مقامات (گھریں، قریٰ) ایسے قریب اور متصل ہوں کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلایا جائے کہ فلاں جگہ سے دوسرا مقام شروع ہوتا ہے تو دونوں کو ایک سمجھے تو ایسے مقامات کو ایک مقام شمار کیا جائے گا، اور باقاعدہ نماز ادا کی جائے گی۔[والتفصیل فی امداد الفتاوی، ص ۴۲۵ جلدا]۔(فتاوی فریدیہ، ج:۳، ص:۱۶۷، ۱۶۸)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے:

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی صحت وعدم صحت کا مدار استجماع شرائط وعدم پر ہے۔ پس صورت مسئولہ میں جب کہ دو گاؤں علیٰحدہ علیٰحدہ نام کے ساتھ مشہور وموسوم ہیں اور انفرادی طور پر کسی ایک میں صحت جمعہ کی صلاحیت نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک فرض کر کے لزوم جمعہ کا حکم لگا دیا جائے کیونکہ اس میں کوئی خفاء نہیں کہ حضرات فقہاء نے دو مستقل مستقل بستیوں میں جمعہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مدار فصل اور عدم فصل پر نہیں رکھا بلکہ حقیقی مدار ہر ایک بستی کی صلاحیت وعدم صلاحیت پر ہے یعنی اگر ہر بستی میں صحت جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی اصولی غلطی ہے کہ صرف جمعہ کے شوق میں دو مستقل آبادیوں کو ایک بنانے میں پیمائش شروع ہو جاتی ہے۔ بات یہی ہے کہ جب کہ یہ دو گاؤں مستقل ناموں کے ساتھ موسوم ہیں تو پھر احکام شرعیہ میں بھی اس کے استقلال کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ البتہ اگر واقعی دو بستیاں نہیں بلکہ محلے ہیں اور دونوں محلوں کا بحثیت مجموعی کوئی دوسرا نام ہے تو پھر یہ صرف راستوں کا فاصلہ بھی صحت جمعہ کی لئے مخل نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں اور بظاہر نہیں ہے تو یقیناً ایسی بستیوں میں جمعہ صحیح نہیں۔ فرضیت جمعہ کے حامیوں کو اس پر بے محل اور غیر شرعی اصرار کی ضرورت نہیں۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵، ص:۱۰۰، ط، دارالاشاعت کراچی)

ایسے مقام کا حکم جس کا شہر ہونا مشتبہ ہو

سوال: جہاں شک ہو کہ نمازِ جمعہ صحیح ہوتی ہے یا نہیں وہاں نماز جمعہ کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر پڑھیں یا جمعہ چھوڑ دیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ شرط ہے، جب تک وجود شرط متیقن نہ ہو جمعہ صحیح نہ ہوگا، لہٰذا ایسے موضع میں جمعہ نہ پڑھا جائے، البتہ اگر پہلے سے اس میں جمعہ جاری ہے تو شریک ہوجائے اور بعد میں احتیاط الظہر پڑھ لے، مگر عوام کو نہ بتایا جائے، صرف خواص اس احتیاط پر عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج:۴، ص:۱۳۲، ط، ایم ایچ سعید)

سوق بدون بیوت میں جمعہ صحیح نہیں

سوال: بعض دیہی علاقوں میں بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں، چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے جو دن میں کھلا رہتا ہے اور رات میں سب لوگ اپنے اپنے گاؤں میں چلے جاتے ہیں، اس مقام میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحتِ جمعہ کے لئے بازار کے قیام میں لوگوں کی مستقل سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی؟ یہاں اس میں اختلاف ہو رہا ہے اس لئے مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب: ایسے مقام میں جمعہ صحیح نہیں، صحت جمعہ کے لئے یہاں اتنے لوگوں کی مستقل سکونت شرط ہے جن کی آبادی کو عرفاً قریہ کہا جاسکے، رہائشی مکان آپس میں متصل ہوں اور ان کے درمیان کم از کم تین گلیاں ہوں جیسا کہ مصر کی تعریف میں "**مافیہ سکک واسواق**" سے ظاہر ہے "**لان السکک تکون بین المنازل المسکونة واقل الجمع ثلاث، قال الشرنبلالی رحمه اللّٰه فی حد المصر انه بلد له مفت وامیر وقاض مقیمون بها (الی قوله) بلغت ابنیته قدر ابنیة منیٰ وهٰذا فی ظاهر الروایة قاله قاضیخان وعلیه الاعتماد، وقال الطحطاوی (قوله مقیمون بها) قید بها لانه اذا لم تعتبر الاقامة لاتوجد قریة اصلاً اذ کل قریة مشمولة**

بحکم کذا فی الشرح (طحطاوی علی المراقی ص: ۲۷۹)**وقال ایضاً ان موضع اقامة المرء حیث یبیت فیه الا تریٰ انک اذا قلت لشخص این تسکن یقول فی محلة کذا، وهو بالنهار یکون بالسوق نقله السید عن العلامة مسکین** (طحطاوی علی المراقی ص۲۳۲)

وقال قاضیخان لایکون الموضع مصراً فی ظاهر الروایة الا ان یکون (الی قوله) وبلغت ابنیته ابنیة منیٰ (خانیة علی هامش العالمگیریة ج: ۱، ص: ۱۷٤) **وقال ابن همام رحمه اللّٰه قیل فیها ثلاث سکک** (فتح القدیر ج: ۱، ص: ٤۱۱) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ بدون اقامت قریہ کا وجود نہیں ہوسکتا اور اقامت بدونِ بیتوتت معتبر نہیں، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ابنیۂ منیٰ جن کو معیار قرار دیا گیا ہے ان میں تین گلیاں تھیں، بلکہ ایسے مقام میں تو باجماعِ مذاہب اربعہ جمعہ صحیح نہیں، اقامت کی شرط پر اجماع ہے بلکہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اقامت سے بھی بڑھ کر استیطان شرط ہے، "**قال العلامة الدردیر رحمه اللّٰه تعالیٰ وشروط صحتها خمسة اولها الاستیطان وهو اخص من الاقامة لانه الاقامة یقصد التأبید والاقامة اعم**". (الشرح الصغیر ج: ۱، ص: ٤۹۵)۔ فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ۱٤٤، ۱٤۵، ط، ایم ایچ سعید)

تعدد جمعہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمپ میرٹھ لال کورتی بازار میں دو مسجدوں یعنی سیدہ والی اور شیخ الٰہی بخش والی میں ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اب قریب ایک ماہ چند اشخاص نے بوجہ نفسانیت چند اشخاص کوٹھی کے ضد میں مسجد کوٹلہ والی میں جمعہ پڑھنا شروع کردیا ہے اور موجد لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمہ دن درستی مسجد کوٹلہ والی میں مصروف ہیں اس مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ جمعہ بوجہ نفسانیت بھی ہو تو اس میں جمعہ پڑھ کر لال کورتی میں تین جگہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ ایک بستی میں کئی جگہ جمعہ جائز ہے یا نہیں اگر چہ واسطے دفع حرج کے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ جائز ہے پھر مجوزین کی تعداد اس میں مختلف ہے کہ آیا دو جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے یا نہیں اگر چہ بوجہ اطلاق دلیل راجح یہی ہے کہ جائز ہے۔

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتویٰ شرح المجمع للعینی وامامة فتح القدیر دفعا للحرج علی المرجوح فالجمعة لمن سبق تحریمة وتفسد بالمعیة والاشتباه. درمختار، وبما ذکرنا اندفع ما فی البدائع من أن ظاهر الروایة: جوازها فی موضعین لا فی أکثر وعلیه الاعتماد شامی مصری جلد أول ص ۵۴۱.

یہ سب اختلاف اس صورت میں ہے کہ از راہ نفسانیت نہ ہو ورنہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اگر چہ سقوط واجب ہو جائے گا پس صورت مسئولہ میں اگر از راہ نفسانیت بھی نہ ہوتا جب بھی بہتر نہ تھا کیونکہ خواہ مخواہ اختلاف علماء میں پڑنا کون ضرور ہے۔ دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور دراز سے سب کا آنا دشوار ہوگا اور لال کورتی جیسی چھوٹی جگہ میں یہ بھی حرج نہیں۔ **فاذا فاتت العلة فات المعلول** چہ جائیکہ یہ تفریق از راہ نفسانیت ہو تو بہت بیجا اور مشابہت ہے اہل مسجد ضرار کے ساتھ کہ جن کی شان میں ہے۔ **والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المؤمنین الخ. اعاذنا الله منه وجمیع المسلمین** ہاں جس جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا ہے اگر وہاں کوئی خرابی شرعی ہو اور اس کا تدارک بجز کنارہ کشی کے ممکن نہ ہو تو بیشک اس علیحدگی میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (امداد الفتاوی، ج:۳، ص:۶۹ تا ۷۱، ط، زکریا بُک ڈپو الہند)

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ادارہ کی مسجد ہے جس کی تقریباً دس صفیں بنتی ہیں اور ایک صف میں پندرہ آدمیوں کی گنجائش ہے، رمضان المبارک سے قبل صرف نماز ظہر ہی ادا کی جاتی ہے اب پانچ نمازیں با جماعت ادا ہوتی ہیں ایسی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام کرنا جائز ہے یا

نہیں؟ جبکہ اس مسجد کے قریب دوسری مارکیٹوں میں تین بڑی جامع مساجد بھی موجود ہیں اور مسجد ہذا میں پہلے کبھی بھی جمعہ کا اہتمام نہیں ہوا، کیا ایسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب باسم الملک الوھاب: صورت مرقومہ میں اگر یہ ادارہ شہر یا بڑے قصبے کے اندر ہے اور اس مسجد میں عام مسلمانوں کو نماز کے لیے آنے کی اجازت ہے تو اس مسجد میں نماز جمعہ درست ہے مگر تکثیر جمعہ ایک شہر میں خلاف سنت ہے.....الخ۔ (ارشاد المفتین، ج:۴، ص:۴۸۰، ط، مکتبہ الحسن لاہور)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تعدد جمعہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہارِ شوکت ہے جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے زیادہ واضح طور پر حاصل ہوتا ہے، بلا ضرورت جگہ جگہ جمعہ کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس لئے یہ طریقہ ناپسند ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۸، ص:۱۸۹)

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

کسی شہر یا قصبہ کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کرنا جائز ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ شہر میں مقیم دور دراز کے لوگوں کو نماز جمعہ ادا کرنے میں دشواری نہ ہو اور جمعہ جیسے عظیم الشان دن کے فضائل سے مکمل طور پر مستفیض ہوسکیں، مگر بلا ضرورت تعدد جمعہ مکروہ ہے، اب رہی یہ بات کہ نماز جمعہ منعقد کرنے کی حکمت تو ایک اتحاد واخوت کے رشتہ کو مضبوط کرنے میں مدد ملے گی اور دوسری جانب اس جماعت کی بدولت مسلمانوں کے عقائد واعمال تحریف وفساد سے محفوظ رہیں گے...الخ۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۹، ص:۲۶۷، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ: جمعہ کی نماز میں اجتماعیت مطلوب ہے، ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ کے قیام سے شریعت کا منشاء فوت ہوجاتا ہے، اس لئے

معمولی ضرورتوں کی بنا پر ہر مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، باقی اگر قائم کرلیا جائے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، جمعہ شہر کی ہر مسجد میں درست ہو جاتا ہے۔(کتاب النوازل، ج:۵،ص:۱۹۸)

ایک آبادی کے اندر جمعہ باری باری سے کئی مسجدوں میں

سوال: ہمارے قصبہ میں تین مساجد ہیں اور ہر سہ مساجد میں نماز جمعہ علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی اب چند ماہ سے لوگوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ایک جمعہ کی نماز قدیم مسجد میں اور آئندہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں ہو چنانچہ باری باری سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ ہر ایک مسجد میں صحیح ہے اور یہ صورت جو سوال میں درج ہے کہ ایک دفعہ جمعہ ایک مسجد میں ہوا اور دوسرا جمعہ دوسری مسجد میں اور تیسرا جمعہ تیسری مسجد میں یہ بھی دراصل درست ہے اور نماز جمعہ صحیح ہوتی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ جو مسجد ان میں سے بڑی ہو اور یا قدیم ہو اس میں جمعہ قائم کیا جاوے اور اس کو جامع مسجد قرار دیا جاوے کیونکہ یہ صورت تناؤ کی جو سوال میں درج ہے پسندیدہ نہیں اور اس میں بوئے نفسانیت معلوم ہوتی ہے **وافاد ان المساجد تغلق یوم الجمعة الا الجامع در مختار** . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے خاص مسجد جامع موضوع ہے۔اگرچہ دوسری مساجد میں بھی جمعہ صحیح ہے۔فقط۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۵٦، ط، دارالاشاعت کراچی)

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم

سوال: ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا ہے جس میں دن کا اکثر حصہ جہاز میں گذرے گا، جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے؟ کیا ہم دوران سفر جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں؟

الجواب: جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔فضا نہ مصر میں داخل ہے۔نہ فناء مصر میں، لہٰذا وہاں ظہر ادا کریں۔[فتاوی خلیلیہ، ج:۱،ص:۱۱۸]۔(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۱۰۲، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

بحری جہاز میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال: بعض عازمینِ حج بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے جاتے ہیں، اگر وہ سب مل کر جہاز میں ہی نمازِ جمعہ ادا کرنا چاہیں تو کیا فقہ حنفی کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: فرضیت جمعہ کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مصر یعنی شہر کا ہونا ضروری ہے اور جہاز چونکہ مصر کے حکم میں نہیں اگر چہ اس میں عازمینِ حج کافی تعداد میں موجود ہوں، اس لیے فقہ حنفی کی رُو سے بحری جہاز میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ (فتاوی حقانیہ، ج:۳،ص:۳۹۴، ط، مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک)

الشرط الثانی: حاکم یا اس کا قائم مقام کا ہونا

صحت اداء جمعہ کے لئے دوسری شرط سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ہے کیونکہ جمعہ ایک جماعت عظیم کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور جماعت میں ہر شخص اپنی رائے کا مجاز ہوتا ہے اس لئے بہت سے اختلاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک کہے گا کہ میں امامت کرونگا دوسرا کہے گا نہیں میں کرونگا۔ ایک گروہ کہے گا کہ ہم فلاں بزرگ کو امامت کیلئے آگے بڑھائیں گے دوسرا گروہ کہے گا کہ ہم فلاں کو امام بنائیں گے۔ ایک کہے گا کہ ہماری مسجد میں جمعہ قائم ہو دوسرا کہے گا کہ ہماری مسجد میں قائم ہو۔ ایک فریق ایک وقت متعین کرے گا دوسرا فریق کہے گا کہ نہیں اس کے کچھ دیر بعد ہونا چاہئے۔ غرضیکہ شیطان کو مختلف طریق سے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے گا اور جمعہ کا مقصد جو دلوں میں اُلفت قائم کرنا ہے وہ فوت ہو جائیگا۔ اس لئے بادشاہ وقت یا اس کے نائب کا ہونا ضروی ہے تا کہ اس قسم کے اختلاف سے امن ہو سکے۔

فی مجمع الأنهر: والسلطان أی الوالی الذی لا والی فوقه أو نائبه، وهو الأمير أو القاضی، أو الخطباء. وانما كان شرطاً لصحة لأنه لاتقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة فی التقديم والتقدم، وقد تقع فی غيره فلا بد منه تتميماً لأمره. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، باب الجمعة، ج: ١، ص: ٢٤٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ والبحر الرائق، باب صلاة الجمعة، ج: ٢، ص: ٢٥٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

تنبیہ: بادشاہ یا اُس کے نائب کا ہونا اس وقت شرط ہے جبکہ یہ متعذر نہ ہو، اگر بادشاہ سے اجازت لینا متعذر ہو یا کوئی ملک (العیاذ باللہ) کفار کے غلبہ سے دارالحرب بن گیا تو اس وقت اگر لوگ کسی شخص کے پیچھے اقامت جمعہ پر متفق ہوگئے تو ان کے نماز صحیح ہے اور سلطان ونائبِ سلطان کی شرط ختم ہوجائے گی۔

فی الھندیة: ولو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعة جاز کذا فی التھذیب. (الفتاوی العالمکیریة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٦)

وفی الفیض: وقد صرح اصحابنا أن الملک اذا صار دار الحرب یجمع بھم من اتفق علیه القوم، ھکذا فی ا لمبسوط. (فیض الباری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، ج: ٢، ص: ٤٢٤، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب شہید نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: جمعہ کے جواز کے لئے مسجد کا خاص طول وعرض ضروری نہیں، اور حاکم یا قاضی کی شرط قطعِ نزاع کے لئے ہے، اگر مسلمان کسی امام پر متفق ہوں تو اس کی اقتداء میں جمعہ جائز ہے، گویا آپ نے دوشرطیں ذکر کی ہیں، یہ دونوں غیر ضروری ہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن، ج:۴، ص:۱۱۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

الشرط الثالث: ظہر کا وقت پایا جانا

جمعہ کے ادا ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ نماز ظہر کا وقت ہو، لہٰذا جب جمعہ پڑھتے ہوئے ظہر کا وقت نکل جائے گا تو جمعہ کی نماز مطلقاً باطل ہوجائے گی گومقتدی اپنے عذر (جیسے نیند یا بھیڑ) کی وجہ سے لاحق ہوگیا ہو مذہب معتمد یہی ہے اس لئے وقت کا پایا جانا ادئیگی کے لئے شرط ہے صرف شروع کرنے کی وقت میں شرط نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ جمعہ کے اخیر حصہ میں اگر عصر کا وقت آجائے گا تو جمعہ باطل نہیں ہوگا یہ قول صحیح نہیں ہے مثلاً نوادر میں مذکور ہے کہ کوئی امام جمعہ کی نماز پڑھ رہا تھا اور ایک مقتدی بھیڑ کی وجہ سے رکوع اور

سجدے پر قادر نہیں ہوسکا یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا اس کے بعد معاً عصر کا وقت ہوگیا، تو وہ مقتدی جمعہ کی نماز پوری کرے گا نوادر کا یہ مسئلہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کو اب قاعدہ میں ظہر کی قضا پڑھنا ہوگی کیونکہ وقت باقی نہیں رہا، جب ادائیگی نماز کے لئے وقت ہونا شرط ہے تو پوری نماز از اول تا آخیر وقت کے اندر ہونی چاہیے تھی حاصل یہ ہے کہ اگر ابتدائے نماز میں وقت تھا، اور اخیر میں وقت باقی رہا تو نماز ہوگی۔ (کشف الاسرار)

فی الدرالمختار: والثالث: وقت الظهر فتبطل الجمعة بخروجه مطلقاً ولو لاحقاً بعذر نوم أو زحمة على المذهب، لأن الوقت شرط الأداء لاشرط الافتتاح.

وفی الشامية: تحته: قوله: (على المذهب) رد لما فی النوادر من أن المقتدی اذا زحمه الناس فلم يستطع الركوع والسجود حتى فرغ الامام ودخل وقت العصر فانه يتم الجمعة بغير قرء اة. ح عن البحر. (ردالمحتار على الدرالمختار، باب الجمعة، ج:٣، ص: ١٨، ١٩، ط، دار عالم الكتب رياض)

جمعہ کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ

نمازِ جمعہ کا وقت وہ ہی وقت ہے جو ظہر کا ہے، یعنی آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک کہ ہر شے کا سایہ ظل استواء (یعنی زوال) کے علاوہ دو گنا ہو جائے اس کی تفصیل اوقات نماز کے بیان ص ۲۹۰ جلد اول میں اس طرح ہے۔ ظہر کا وقت سورج کا زوال شروع ہوتے ہی آجاتا ہے یعنی سورج جس وقت بھی وسطِ آسمان سے جھکا اسی وقت ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کی بلندی کے برابر نہ ہوجائے۔ اس کو جاننے اور سمجھنے کے لئے چاہئے کہ ایک سیدھی لکڑی یا ایسی ہی کوئی اور چیز دوپہر سے پہلے زمین پر سیدھی گاڑ دی جائے۔ قدرتی طور پر اس کا سایہ ہوگا اور وہ سایہ آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ سایہ بہت تھوڑا رہ جائے گا۔ اس وقت سایہ (کا گھٹنا) ٹھہر جائے گا اب اگر کچھ بھی سایہ باقی ہے تو جہاں تک وہ سایہ ہے اس پر نشان لگا دیا جائے، اگر سایہ بالکل نہ ہو تو جہاں لکڑی گڑی ہے وہ ہی نشان ہے۔ یہ کیفیت استوائی علاقوں میں ہوتی ہے (یعنی کم سے کم ہو) وہی استواء کا وقت ہے۔ اب پھر سایہ بڑھنے لگے تو جان لینا چاہئے کہ سورج ڈھلنے لگا، یعنی آسمان کے وسط سے جھک گیا۔ یہیں سے ظہر (اور جمعہ)

کا وقت شروع ہوتا ہے جب لکڑی کا سایہ علاوہ اس سایہ کے جو استواء کے وقت تھا لکڑی کی لمبائی کے برابر ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوجائے گا۔[کتاب الفقہ صفحہ ۵۹۹ جلد اول]۔(مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳،ص:۱۲۶، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

جمعہ کا مستحب وقت

جمعہ کے مستحب وقت کے بارے میں فقہاء احناف سے دو قول منقول ہیں ایک قول تو یہی ہے کہ جمعہ مثل ظہر کے ہے۔اصل وقت اور وقتِ مستحب دونوں کے اعتبار سے گرمی اور سردی میں، اس لیے کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے اور اس کا نائب ہے۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ اور علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ اور بعض دوسرے حضرات نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ سردی اور گرمی میں مطلقاً نماز جمعہ اوّل وقت ہی میں پڑھنا مستحب ہے۔ علامہ عینی، علامہ شامی رحمہما اللہ تعالیٰ اور محدث کبیر علامہ شاہ انور شاہ کشمیری اور علامہ محمد یوسف کاندھلوی رحمہما اللہ تعالیٰ اور اکثر علماء کرام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (۲۷)۔

---

(۲۷):في العمدة: باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة: أى هٰذا باب ترجمته اذا اشتد الحر، جواب: اذا، محذوف تقديره: اذا اشتد الحر يوم الجمعة أبرد بها، وانما لم يجزم بالحكم الذى يفهم من الجواب لكونه لم يتيقن أن قوله: يعنى الجمعة، من كلام التابعى أو من كلام من دونه، لأن قول أنس: كان النبى ﷺ اذا اشتد البرد بكر بالصلاة، واذا اشتد الحر أبرد بالصلاة، ومطلق يتناول الظهر والجمعة، كما أن قوله فى رواية حميد عنه: كنا نبكر بالجمعة، مطلق يتناول شدة الحر وشدة البرد، والحاصل أن النقل عن أنس رضى اللّٰه عنه، مختلف. فرواية حميد عنه تدل على التبكير بالجمعة مطلقاً، ورواية أبى خلدة عنه تدل على التفصيل فيها، وروايته الثانية عنه تدل على أن هذا الحكم بالصلاة مطلقاً، يعنى: سواء كان جمعة أو ظهراً، وروايته الثالثة التى رواها عنه بشر بن=

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:
”کنا نبکر بالجمعة“: کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح سویرے جمعہ پڑھا جاتا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زوال کے بعد جلدی جمعہ پڑھا جاتا تھا، گرمیوں میں بھی تاخیر نہیں کی جاتی تھی، زوال ہوتے ہی فوراً جمعہ

=ثابت تدل على ان هذا الحكم بالظهر، ويحصل الائتلاف بين هذه الروايات بأن نقول: الأصل فى الظهر التبكير عند اشتداد البرد والابراد عند اشتداد الحر، كما دلت عليه الأحاديث الصحيحة، والأصل فى الجمعة، التبكير لأن يوم الجمعة يوم اجتماع الناس وازدحامهم، فاذا أخرت يشق عليهم: وقال ابن قدامة ولذالک كان النبی ﷺ يصليها اذا زالت الشمس صيفاً وشتاءً على ميقات واحد، ثم ان انساً رضى الله تعالىٰ عنه، قاس الجمعة على الظهر عند اشتداد الحر لابالنص، لأن أكثر الأحاديث تدل على التفرقة فى الظهر وعلى التبكير فى الجمعة. (عمدة القارى، كتاب الجمعة، باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة، ج: ٦، ص: ٢٩١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى الدرالمختار: جمعة كظهر اصلاًواستحباباً فى الزمانين لانها خلفه.

وفى الشامية تحته: (واستحبابا فى الزمانين) اى الشتاء والصيف ح، لكن جزم فى الاشباه من فن الاحكام انه لايسن لهاالابراد، تؤدى فى وقت الظهر وتقوم مقامه، وقال الجمهور ليس بمشروع لانهاتقام بجمع عظيم، فتاخيرها مفض الى الحرج، ولاكذلک الظهر وموافقة الخلف لاصله من كل وجه ليس بشرط. (رد المحتار على در المختار، كتاب الصلاة، ج: ٢، ص: ٢٥ ـ ٢٦، ط: دار عالم الكتب رياض)

وقال العلامة المحدث الكبير الشيخ محمد انور الكشميرى نورالله مرقده: وفى العينى: أنه لا ابراد فى الجمعة. وفى البحر: أن فيها ذلک. والأرجح عندى ما اختاره العينى رحمه الله. (فيض البارى على صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب اذا اشتد=

پڑھنا نبی علیہ السلام کی سنت مستمرہ ہے۔ (تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج:۳،ص:۲۲۴، ط، مکتبہ حجاز دیوبند)

مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''جمعہ میں ہمیشہ تعجیل مستحب ہے''....الخ۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۲،ص:۳۶، ط: دارالاشاعت کراچی)۔

=الحر یوم الجمعة، ج: ٢، ص: ٤٣٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وقال العلامة محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ: وقد ذهب الى تبكير الجمعة وعدم الابراد بها اصحابنا الحنفية وهو مشهور مذهب مالك واصح الوجهين عند جمهور الشافعيه كما قال العينى لما ثبت فى الصحيح انهم كانوا يرجعون من صلوة الجمعة وليس للحيطان ظل يستظلون به من شدة التبكير لها اول الوقت فدل على عدم الابراد. (امانى الاحبارفى شرح معانى الآثار، كتاب الصلاة، باب الوقت الذى يتسحب ان يصلى صلوة الظهر فيه، ج: ٢، ص: ٤٠٩، ط، ادارة تاليفات اشرفية ملتان/والخير الجارى شرح صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة، ج: ١، ص: ٢٤٣، ط، ادارة تاليفات اشرفية ملتان/ و فتاوى رشيديه، ص: ٣٠٨، ط،دارالاشاعت كراچى/ وفتاوى محموديه ، ج:٥، ص: ٣٥٢/ وفتاوى عزيزى، ج:١،ص: ٢٨٤، ط، دار الاشاعت كراچى/ و خير الفتاوى ، ج:٣ ،ص: ٣٧ ،ط، مكتبه امداديه ملتان/ و فتاوى رحيميه، ج:٤ ، ص: ٧٥، ط، دار الاشاعت كراچى/ و فتاوى مفتى محمود رحمه الله،ج: ٢، ص:٥٥٤، ط، اشتياق اے مشتاق پريس، لاهور/وفتاوى فريديه، ج:٢ ، ص:١٦٨/ وآپ كے مسائل اور ان كاحل،اضافه و تخريج شده ايڈيشن، ج:٣ ،ص :٢١٩، ط، مكتبه لدهيانوى/ وكتاب النوازل، ج:٣ ، ص: ٢٣٩/ وعمدة الفقه، ج: ٢، ص: ١٩/ وفتاوى عثمانى، ج: ١، ص: ٥٣٢، ط، مكتبة معارف القرآن كراچى/ و فتاو ى قاسميه، ج: ٩، ص: ٨٦، ط، مكتبه اشرفيه، ديوبند/ وكتاب المسائل، ج: ١، ص: ٢٣٩، ٢٤٠)

شیخ الحدیث مفتی سیّد نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:
''سردی اور گرمی میں مطلقاً نماز جمعہ اوّل وقت ہی میں پڑھنا مستحب ہے''....الخ۔(نجم الفتاوی، ج:۲، ص:۴۹۰)

نماز جمعہ میں تاخیر کرنے کا حکم

سوال: بعض خطیب صاحبان جمعہ اتنی دیر سے پڑھتے ہیں کہ مثل اول کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب: ظہر کا وقت مثل ثانی کے اختتام تک ہے اور مثل اول سے مثلِ ثانی کا وقت مکروہ ہے اس لیے جو جمعہ مثل اول کے بعد پڑھا جائے تو وہ مکروہ ہے، اگر چہ بعض علماء کے نزدیک مثلِ اول کے بعد جمعہ باطل ہے اس لیے جمعہ مثلِ اول سے پہلے پہلے پڑھنا چاہئے۔

لما قال الشيخ السيد احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله ويستحب الابراد بالظهر) وفى الخزانة الوقت المكروه فى الظهر ان يدخل فى حد الاختلاف واذا اٰخره حتى صار ظل كل شئ مثلهٗ فقد دخل فى حد الاختلاف. [طحطاوی حاشيه مراقی الفلاح، ص: ١٤٥، كتاب الصلاة]۔ (فتاوی حقانيه، ج: ٣، ص: ٣٩٧، ٣٩٨، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)

زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم

سوال: امریکہ کی بعض مساجد میں نماز جمعہ زوال سے قبل پڑھی جاتی ہے کیا یہ کسی مذہب کے مطابق ہے؟ اور کیا دوسرے مذہب والے اقتداء کر سکتے ہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق نیز دیگر مذاہب سوائے حنابلہ سب کے نزدیک قبل الزوال جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں بھی افضل اور بہتر بعد الزوال ہے۔ اگر حنابلہ قبل الزوال ادا

کریں تو دوسرے مذہب والے اقتداء نہیں کرسکتے۔ ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

شروط صحة الجمعة: (ا) وقت الظهر.....ولاتصح عند الجمهور غير الحنابله قبله أى قبل وقت الزوال بدليل مواظبة النبیﷺ على صلاة الجمعة اذا زالت الشمس قال أنس رضى الله عنه: كان رسول اللهﷺ يصلى الجمعة حين تميل الشمس وعلى ذلک جرى الخلفاء الراشدون فمن بعدهم ولأن الجمعة والظهر فرضا وقت واحد فلم يختلف وقتهما كصلاة الحضر وصلاة السفر وقال الحنابلة: يجوز أداء الجمعة قبل الزوال.....وفعلها بعد الزوال أفضل. (الفقه الاسلامی وادلته: ٢/ ٢٧٢، دار الكفر۔ وكذا فی الفقه على مذاهب الاربعة: ١/ ٣٧٥، وقت الجمعة۔ ومنتهى الارادات مع شرحه: ٢/ ١٢۔ والمغنى لابن قدامة: ٣/ ١٥٩)

درمختار میں ہے:

وانما تفسد لمخالفته فى الفروض وفى الشامى: وفى البحر المخالفة فيما هو من الأركان أو الشروط مفسدة لا فى غيرها. (الدرالمختار مع الشامی: ١/ ٤٧٢، المراد بالمجتهد فيه، سعيد كمپنى)۔ واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ٢، ص: ٦٤٨، ٦٤٩، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

الشرط الرابع: خطبہ پڑھنا

الشرط الخامس: خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا

صحت جمعہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ جمعہ میں وقت کے اندر خطبہ پایا جائے لہٰذا اگر جمعہ کا خطبہ جمعہ داخل ہونے سے پہلے پڑھ لیا اور نماز جمعہ وقت کے اندر پڑھی تو نماز جمعہ درست نہیں ہوگی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے پایا جائے اس لئے کسی شئ کی شرط اس شئ سے پہلے پائی جاتی ہے، خطبہ ان لوگوں کی موجودگی میں ہو جن کی موجودگی سے جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے یعنی مقتدی عاقل

بالغ اور مرد ہوں گو وہ بہرے یا سوئے ہوئے ہوں، چنانچہ امام تنہا خطبہ اس طرح پڑھے کہ کوئی مقتدی موجود نہ ہو تو مذہب اصح یہ ہے کہ جمعہ درست نہیں ہوگا، بحرالرائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن یہ حکم دیا گیا کہ ذکر کے لئے دوڑ کر جاؤ ''فاسعوا الی ذکر اللّٰہ'' اس سے مراد یہی ہے کہ خطبہ سننے کے لیے سعی کرو اور جس لفظ سے سعی کا حکم دیا گیا وہ جمع کا صیغہ (فاسعوا) لہٰذا ایک شخص کا حاضر ہونا کافی نہیں ہوگا اور سوتے ہوئے یا بہرے کا پایا جانا کافی اس لئے کہ گو سننا نہیں پایا جاتا ہے مگر وہ خطبہ پڑھنے والے کے سامنے موجود ہوتے ہیں، اگر ان کو عذر نہ ہوتا تو سن سکتے تھے۔

خطبہ میں فرض کے ادا ہونے کے لئے ایک مرتبہ الحمدللہ یا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ یا ایک مرتبہ سبحان پڑھ دینا کافی ہے گو یہ کراہت سے خالی نہیں ہوتا، مگر صاحبینؒ کہتے ہیں کہ خطبہ میں ذکر طویل کا پایا جانا ضروری ہے اس ذکر طویل کی مقدار کم از کم واجب تشہد کے برابر ہو (۲۸)۔ (کشف الاسرار)

خطبہ میں ایسے تین مردوں کی حاضری شرط ہے جن سے جمعہ قائم ہو سکے

سوال: (۱): اگر امام نے تنہا خطبہ پڑھا یا صرف عورتوں اور بچوں کے سامنے خطبہ پڑھا تو یہ جائز

---

(۲۸): فی الدر المختار: والرابع الخطبة فلو خطب قبله وصلی فیه لم تصح.

والخامس: کونها قبلها لأن شرط الشئ سابق علیه بحضرة جماعة تنعقد الجمعة بهم ولو کانوا صماً أو نیاماً، فلو خطب وحده لم یجز علی الأصح کما فی البحر عن الظهیریة، لأن الأمر بالسعی للذکر لیس الا لاستماعه، والمأمور به جمع وجزم فی الخلاصة بأنه یکفی حضور واحد وکفت تحمیدة أو تهلیلة أو تسبیحة للخطبة المفروضة مع الکراهة، وقالا: لابد من ذکر طویل، وأقله قدر التشهد الجواب.

(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۱۹، ۲۰، ط، دار عالم الکتب ریاض)

فی سکب الانهر: (ووقت الظهر والخطبة قبلها فی وقتها) أی الظهر بحضرة جماعة تنعقد بهم، ولو صماً أو نیاماً فلو خطب وحده لم یجز فی الأصح. (سکب الانهر علی ملتقی الأبحر، ج: ۱، ص: ۲٤٥، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ہے یانہیں؟

(۲): اگرایک یا دو آدمیوں کے سامنے خطبہ پڑھے اور تین یا زیادہ آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھے تو درست ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: جائز نہیں، کیونکہ خطبہ جمعہ کے لئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے جن سے جماعت قائم ہوسکے، **قال العلائی رحمه اللّٰه تعالٰی، والخامس كونها قبلها لان شرط الشئ سابق عليه بحضرة جماعة تنعقد الجمعة بهم ولو كانوا صما او نياماً، فلو خطب وحده لم يجز على الاصح كما فى البحر عن الظهرية، وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى (قوله تنعقدالجمعة بهم) بان يكونوا ذكوراً بالغين عاقلين ولو كانوا معذورين بسفر او مرض، وقال شارح التنوير رحمه اللّٰه تعالٰى بعد ورقتين، والسادس الجماعة واقلها ثلاثة رجال ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سو الامام بالنص، لانه لابد من الذكر والخطيب وثلاثة سواه بنص فاسعوا الى ذكر اللّٰه.**

[ردالمحتار ج: ١، ص: ٧٥٧]

(۲) درست نہیں لما مر۔ فقط واللہ تعالٰی اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج:۴، ص:۱۴۳، ط، ایچ ایم سعید)

خطبہ سننا واجب ہے

سوال: عیدین اور جمعہ میں خطبہ پڑھنا یا سننا واجب ہے یا کیا؟ اور خطبہ اول و دوم کیلئے ایک حکم ہے یا علیحدہ یعنی اول واجب و دوم سنت ہے یا کیا؟

الجواب: فى الدرالمختار: ويشترط لصحتها (أى الجمعة) تسعة أشياء الى ان قال والرابع الخطبة، ثم قال ويسن خطبتان (۲۹) وفيه ويخطب بعدها (أى صلاة العيدين)

---

(۲۹): (الدرالمختار مع الشامى، باب صلاة الجمعة، ج: ٣، ص: ١٩، ٢٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

خطبتين وهما سنة(۳۰).

اس عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے:

(۱) عیدین کا خطبہ سنت ہے۔

(۲) جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اس کے دو حصے ہونا سنت ہے۔

(۳) اول وثانی میں دونوں کے کچھ فرق نہیں۔

(۴) سننا سب خطبوں کا واجب ہے۔ (امداد الفتاوی، ج:۳،ص:۱۲۳، ط، زکریا بک ڈپو انڈیا الہند)

کیا خطبہ جمعہ سنے بغیر نمازِ جمعہ ہو جائے گی؟

سوال: اسلام میں ہے کہ جمعہ کی نماز خطبہ سنے بغیر ادھوری ہو جاتی ہے، آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اگر کسی وجہ سے خطبے کی آواز ہم تک نہ پہنچے تو کیا اس صورت میں خطبہ سنے بغیر نماز ہو جائے گی؟

جواب: جو شخص جمعہ کے خطبے میں شریک تھا، لیکن امام کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی تھی، اس کو پورا ثواب ملے گا، بشرطیکہ خطبے کے دوران خاموش رہے(۳۱)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴،ص:۱۳۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

---

(۳۰):(الدرالمختار مع الشامی، باب صلاة العیدین، ج: ٣، ص: ٥٧، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۳۱):**فی الدرالمختار: وکل ما حرم فی الصلاة حرم فیها أی فی الخطبة. خلاصة وغیرها. فیحرم أکل وشرب وکلام ولو تسبیحاً، أو رد سلام أو أمر بمعروف بل یجب علیه أن یسمع ویسکت بلافرق بین قریب وبعید فی الأصح، محیط.** (الدرالمختار، مع ردالمحتار، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٣٥، ٣٦، ط، دار عالم الکتب ریاض)

خطبہ مسنون کی مقدار

سوال: ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھاتا ہے اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو ہوجاتی ہے یا نہیں؟ خطبہ یہ ہے۔

الحمد للّٰه كفٰى وسلام على عباده الذين اصطفٰى خصوصاً على افضل الرسل وخاتم الانبياء. اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم. بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم. وما ارسلناک الا رحمة للعالمين انه جواد كريم ملک برٌّ رحيم.

دوسرا خطبہ: **نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا الٰه اللّٰه وحده لاشريک له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله. اما بعد ان اللّٰه يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهٰى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون اذكرواللّٰه يذكركم ولذكر اللّٰه تعالٰى اعلٰى و اولٰى واتم اكبر".**

کیا اس خطبہ سے نماز جمعہ ہوجاتی ہے؟ حالانکہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔

الجواب: خطبہ جمعہ میں مقدار مسنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے۔ مراقی میں ہے:

ويسن تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل كذا فى المعراج الدراية ولكن يراعى الحال بما هو دون ذالک فانه اذا جاء بذكر وان قل يكون خطبة. [ص: ٢٨١]

تشہد کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہوجائے گی۔

"**واقله قدر التشهد الى قوله عبده ورسوله**". [مراقی ص: ٢٨٠]

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی جمعہ کی ادائیگی ہوگئی ہے۔ آئندہ مقدار مسنون کی رعایت رکھی جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۳۰۷،۴۷،ط،مکتبہ امدادیہ ملتان)

خطبہ جمعہ میں تطویل مکروہ ہے

سوال: بعض لوگ خطبہ کو نماز جمعہ سے طویل کرتے ہیں، اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب:عن ابی وائل عن عمار قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة الحديث رواه مسلم [ج: ا، ص: ٢٨٦] وفى الدر ويسن خطبتان خفيفتان وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل وعبارة القهستانى وزيادة التطويل مكروهة (٣٢) اهـ [ص٧٤٨ ج ا] وفى مراقى الفلاح ويسن تخفيف الخطبتين قال ابن مسعود رضى اللّٰه عنه طول الصلاة وقصر الخطبة من فقه الرجل (قال المحقق فى الفتح من الفقة والسنة تقصير الخطبة وتطويل الصلاة) بقدر سورة من طوال المفصل ولكن يراعى الحال بما هو دون ذلك ويكره التطويل من غير قيد بزمن ففى الشتاء لقصر الزمان وفى الصيف للضرر بالزحام والحر (٣٣) اهـ [ص ٢٩٩] احادیثِ نبویہ اور تصریحاتِ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ خطبہ کو نماز سے طویل نہ کرنا چاہئے، اور یہ کہ خطبہ میں تطویل مکروہ ہے، پس اگر گاہے ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں، مگر اس کا عادی ہونا مکروہ ہے۔(امداد الاحکام، ج:ا،ص:۸۰۳،۸۰۴،ط،مکتبہ دار العلوم کراچی)

ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم

سوال: جب ریڈیو پر جمعہ کا خطبہ نشر کیا جا رہا ہو تو استماع واجب ہے یا نہیں؟

---

(٣٢):(ردالمحتار على الدرالمختار، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٢٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

(٣٣):(مراقى الفلاح بامداد الفتاح، باب الجمعة، ص: ١٩٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

الجواب: ریڈیو پر اگر خطیب کی آواز کو براہِ راست نشر کیا جارہا ہے تو جن پر جمعہ واجب ہے ان کے لئے خطبہ کی جگہ آکر سننا بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر آواز کو ٹیپ کیا گیا تھا اس کو نشر کیا جارہا ہے تو سننا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی النهر عن البدائع يكره الكلام حال الخطبة، وكذا كل عمل يشغله عن سماعها من قراءة قرآن أو صلاة أو تسبيح أو كتابة و نحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت، فی شرح الزاهدی يكره لمستمع الخطبة ما يكره فی الصلاة من أكل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلك، وفی الخلاصة كل ما حرم فی الصلاة حرم حال الخطبة ولو أمراً بمعروف، وفی السيد استماع الخطبة من أولها الی آخرها واجب.....والنائی كالقريب. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص: ٥١٩، واجبات الجمعة، بيروت)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریڈیو، اس میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر آواز ٹیپ کرلی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے، پس اگر ایسا ہونے کا ظن غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔ ہاں جب بولنے والا بغیر ان وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہٖ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہوجاتا ہے اسی کے اعتبار سے عمل کرے۔ [نظام الفتاوی: ۱/۲۷، کتاب الصلاۃ، فقہ اکیڈمی]

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۷/۲۷۴، مبوب ومرتب۔ وجدید فقہی مسائل: ۱/۱۷۱، نعیمیہ دیوبند۔ وآلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص۱۷۴۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۲، ص: ٦٦٦، ٦٦٧، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے دینے کا حکم

سوال: جمعہ کے لیے خطبہ کی اذان کہاں دی جائے گی؟ کیا امام سے دائیں بائیں جانب اذان کہنا

جائز ہے یا لازمی طور پر امام کے سامنے دی جائے گی؟

الجواب: اگرچہ اذان ایک اعلان ہونے کی حیثیت سے کسی مقام سے مخصوص نہیں لیکن خطبہ قبل اذان کے لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونی چاہئے۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: ويؤذن ثانياً بين يديه اى الخطيب. [ردالمحتار، ج: ۲، ص: ۱۶۱ مطلب فى حكم الاذان بين يدى الخطيب]۔ (فتاوى حقانيه، ج: ۳، ص: ۳۸۵، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

خطبے کے وقت اذان امام اور منبر کے بالکل سامنے ہونی چاہئے، دائیں یا بائیں ہٹ کر نہیں، اور اذان کے اس طریقے کو بدعت قرار دینا درست نہیں، **كما صرح به الفقهاء وتمام دليله فى امداد الفتاوى.** (فتاوی عثمانی، ج:۱، ص:۵۱۱، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

جمعہ کیلئے دو خطبوں کا ثبوت

سوال: کیا خطبہ جمعہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا؟

۲: خطبہ جمعہ حضور ﷺ کے بعد کس زمانہ میں اجماع صحابہؓ سے دو حصوں میں شروع ہوا۔

۳: حضور ﷺ نے اذان جمعہ ایک دلوائی یا دو، اور پھر یہ دو اذانیں کب سے شروع ہوئیں؟

الجواب: ۱/۲: نبی کریم ﷺ دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضى الله عنه قال كان النبى ﷺ يخطب خطبتين كان يجلس اذا صعد المنبر حتى يفرغ اراه المؤذن ثم يقوم فيخطب ثم يجلس فلا يتكلم ثم يقوم فيخطب. [ابو داؤد: ج:۱، ص: ۱۵۶]

۳: اذانِ ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماعِ صحابہؓ سے مشروع ہوئی۔

فلما کان خلافة عثمانؓ کره الناس امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذالک. [ابو داؤد، ج: ۱، ص: ۱۵۶] فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۳۵، ۳۶، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

جمعہ کے خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھے؟

سوال: ہمارے شہر کے ایک امام صاحب جمعہ کے خطبوں کے درمیان کافی دیر تک منبر پر بیٹھتے ہیں، جس سے لوگ اُکتا جاتے ہیں، کیا یہ درست ہے یا نہیں تو امام کو کتنی دیر تک بیٹھنا چاہئے؟

جواب: دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے، لیکن یہ بیٹھنا تھوڑی دیر کا ہو، فقہاء نے اس کے لئے ''جلسہ خفیفہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور لکھا ہے کہ بیٹھنے کی مقدار تین آیات پڑھنے کی بقدر ہونی چاہئے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

وسن الجلوس بین الخطبتین جلسة خفیفة وظاهر الروایة مقدار ثلاث آیات (۳۴).

اس سے زیادہ بیٹھنا مناسب نہیں، امام صاحب کو ان کا احترام برقرار رکھتے ہوئے حکمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائیں۔ (کتاب الفتاوی، ج:۳، ص:۵۹، ۶۰، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا

سوال: اگر کوئی خطیب جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

---

(۳۴): (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ۵۱۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

الجواب: دوخطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ مذہبِ احناف کے مطابق سنت ہے، لہٰذا خطبہ تو ادا ہوجائے گا مگر خلافِ سنت اور مکروہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وسن خطبتان للتوارث الى وقتنا وسن الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة وظاهر الرواية مقدار ثلاث آيات. وفي الطحطاوي: وهو المذهب در، وتاركها مسيء في الأصح لأنها سنة قهستاني لما روى أن النبي ﷺ كان يخطب قائماً خطبة واحدة فلما أسن جعلها خطبتين بينهما جلسة خفيفة، وفيه دليل على أنها لاستراحة لا شرط. [مراقي الفلاح مع الطحطاوي: ص ٥١٦، قديمي، وكذا في الدرالمختار: ١٤٨/٢، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ١٤٧/١]

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دوخطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلاف سنت ہے۔ [فتاوی محمودیہ: ۲۰۱/۸، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ]۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۲،ص:۶۶۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

جمعہ کے لیے ایک خطبہ پر اکتفاء خلافِ سنت ہے

سوال: اگر کسی خطیب نے دوخطبوں کی جگہ ایک خطبہ پر اکتفاء کیا تو کیا اس سے خطبہ ادا ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اسی حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک خطبہ پڑھنے سے اگرچہ خطبہ کی شرط پوری ہوجاتی ہے لیکن دو خطبے پڑھنا مسنون ہے، اس لیے ایک خطبہ پر اکتفاء کرنا خلاف سنت ہے تاہم نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال محمد بن عبدالله التمرتاشي: ويسن خطبتان بجلسة بينهما. [تنوير الابصار على صدر ردالمحتار ج: ٢، ص: ١٤٨، باب الجمعة]۔ (فتاوى حقانيه، ج: ٣، ص: ٣٨٥، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)

جمعہ میں دوسرا خطبہ بھول جائے؟

سوال: ایک مسجد میں خطیب صاحب جمعہ کے دن خطبہ اولی کے فوراً بعد نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، خطبہ ثانی پڑھنا بھول گئے، تو کیا خطبہ ثانی کے بغیر نمازِ جمعہ درست ہوگی؟

جواب: دوسرا خطبہ مسنون ہے، اگر ایک خطبہ بھی دے دے، تو نماز جمعہ ہوجائے گی، بلکہ اگر صرف حمد وتسبیح کا کلمہ یا "**لاالــہ الا اللّٰـہ**" خطبہ کی نیت سے پڑھ لے تو اس سے بھی خطبہ ادا ہوجاتا ہے اور نماز درست ہوجاتی ہے، البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے:

"ومنها الخطبة قبلها.....وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون، هذا اذا كان على قصد الخطبة"(۳۵).

لہٰذا جوصورت آپ نے لکھی ہے اس میں نماز جمعہ ادا ہوگئی۔ (کتاب الفتاوی، ج:۳،ص:۴۵، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

خطبہ کے شروع میں دومرتبہ الحمدللہ پڑھنا

سوال: خطبہ کے شروع کرتے وقت دومرتبہ الحمدللہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: خطبہ میں الحمدللہ دومرتبہ پڑھا جاتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جب کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے، بزرگان دین کا طریقہ رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج:۶،ص:۱۲۹، ط، دارالاشاعت کراچی)

ایک خطبہ کو دومرتبہ پڑھ لینا

سوال: ہمارے یہاں امام صاحب اچانک بیمار ہوگئے، تو دوسرے ایک آدمی نے جمعہ کا خطبہ

---

(۳۵):(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الصلاة، ج: ١، ص: ١٤٦)

پڑھایا، اور خطبہ پڑھنے میں بھول ہوگئی، اور دونوں خطبوں میں خطبہ اولیٰ ہی پڑھ دیا، یعنی پہلا خطبہ دومرتبہ پڑھ دیا، اور دوسرا خطبہ پڑھا ہی نہیں، بلکہ دوسرے خطبہ میں پہلا والا خطبہ ہی پڑھا، تو خطبہ صحیح ہوا یا نہیں؟ اور نماز ہوئی یا نہیں؟ خطبہ میں کیا کیا باتیں ہونی چاہئیں؟ کیا جمعہ کی نماز کے لئے خطبہ ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً..... جمعہ کے دن خطبہ پڑھنا یہ بھی جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ [درمختار] لیکن دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا، دو خطبے پڑھنا، اور اس میں تعوذ، آیتیں اور نصیحت وغیرہ ہونا اور دوسرے خطبہ میں مسلمانوں کے لئے دعا، خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر ہونا سب امور سنت اور مستحب ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں خطبہ اولیٰ ہی کو دومرتبہ الگ الگ پڑھ لیا تو اس سے نماز یا خطبہ میں کسی طرح کی خرابی نہیں آئے گی، سنن ومستحبات اگر سہواً چھوٹ جائیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (فتاوی دینیہ، ج:۲،ص:۱۵۹،۱۶۰، ط، ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی)

کیا ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام حافظ قاری ہیں، آنکھوں سے کچھ معذور ہیں، کتاب کے اندر دیکھ کر پڑھ نہیں سکتے، اس لئے انہوں نے پانچ چھ خطبے زبانی یاد کر رکھے ہیں اور وہ جمعہ کے دن ان میں سے ایک ایک خطبہ باری باری پڑھتے رہتے ہیں، ہمارے محلّہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے خطبہ نہیں ہوتا کیونکہ ہر ماہ ایک خطبہ پڑھتے رہتے ہیں حالانکہ ہر ہفتے اور ہر مہینے کا جو الگ الگ خطبہ ہے وہ پڑھنا چاہئے، اسی بناء بعض مقتدی دوسری مسجد میں چلے جاتے ہیں، اس سلسلے میں مفتیان عظام کیا فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ [سورت]

الجواب: جب کہ امام حافظ قرآن اور قاری ہیں، خوش الحان ہیں، قرآن خوب عمدہ پڑھتے ہیں، نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہیں، کچھ معذور ہونے کے باوجود پاک صاف رہنے کا اہتمام کرتے ہیں لہٰذا ان کی امامت بلا کراہت درست ہے، حدیث میں ہے **عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال استخلف رسول اللّٰہ ﷺ ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی. رواہ ابو داؤد.** یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے

کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو امام بنایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے (مشکوۃ شریف ص:۱۰۷ باب الامامۃ)

خطبہ عربی پڑھا جاتا ہے، حاضرین عموماً عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، سمجھ نہیں پاتے، اس لئے بھی ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا کیا مفید ہوگا؟ امام صاحب کو پانچ چھ خطبے یاد ہوں تو کافی ہے، نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی، تاہم نیا خطبہ سننے کا شوق ہو تو عربی سیکھیں اور اچھے عالم حافظ قاری کو رکھا جائے، وہ جمعہ وعیدین کے خطبہ کا ترجمہ بیان کرے اور شرعی احکام سے نمازیوں کو واقف کرے، موجودہ امام کو نائب امام کے طور پر رکھا جائے وہ رمضان میں تراویح پڑھانے کی خدمت بھی کماحقہٗ انجام دے سکتے ہیں، لوگ مسجد کی عمارت پر تو ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر امام و مؤذن پر خرچ کرنے میں ہاتھ تنگ کر لیتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہے کیونکہ عمدہ عمدہ عمارت مقصود نہیں ہے البتہ قابل امام اور مؤذن مطلوب شرعی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج:٦ ص:١٣٠، ١٣١، ط، دارالاشاعت کراچی)

خطبہ میں جہر شرط ہے

سوال: خطبہ جہر کے ساتھ فرض ہے یا سنت؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: خطبہ میں اس قدر جہر شرط ہے کہ پاس بیٹھنے والے سن سکیں، **قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى (قوله ولو كانوا صما او نياما) اشار الى انه لايشترط لصحتها كونها مسموعة لهم بل يكفى حضورهم حتى لو بعدوا عنه او ناموا اجزأت والظاهر انه يشترط كونها جهراً بحيث يسمعها من كان عنده اذا لم يكن به مانع شرح المنية. (ردالمحتار ج: ١، ص: ٧٥٨) فقط واللّٰه تعالٰى اعلم.** (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٤٤، ط، ایم ایچ سعید)

جمعہ میں عورت کا خطبہ دینا کیسا ہے؟

سوال: جمعہ میں خطبہ اگر عورت مردوں کے بیچ میں مسجد میں عام مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر

پڑھے تو یہ کیسا ہے۔عورت گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اور خطبہ دوبارہ پڑھا جاوے یا کہ وہی خطبہ کافی ہے اور نماز میں کچھ نقص ہوا یا نہیں کیونکہ نماز جمعہ عورت نے نہیں پڑھائی مرد نے پڑھایا۔ یہ معاملہ ایسا ہوا ہے یہاں پر کیونکہ اس دن جمعہ کے روز کوئی شخص خطبہ کا پڑھانے والا نہ تھا۔ مجبوری درجہ عورت کو پڑھانا پڑھا۔ یہ معاملہ غیر مقلد کے ہاں ہوا ہے؟

الجواب:في العالمگيرية: وأما الخطيب فيشترط فيه أن يتأهل للامامة في الجمعة كذا في الذاهدي وفيها في شرائط صلاة الجمعة ومنها الخطبة قبلها حتىٰ لو صلوا بلا خطبة أو خطب قبل الوقت لم يجز. كذا في الكافي: وفيها فرائض الخطبة والثاني ذكر اللّٰه تعالىٰ كذا في البحر الرائق: وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون(٣٦) ج ا ص ۹۴.

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا۔ جب خطبہ شرائط صحت جمعہ سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا۔ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز قضاء پڑھنی چاہئے۔اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا تو جس نے نماز پڑھائی ہے وہی کچھ ذکر اللہ یا کچھ قرآن پڑھ دیتا۔حتی کہ سبحان اللہ الحمد اللہ اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض نماز ادا ہوجاتی۔(امداد الفتاوی، ج:۳،ص:۱۹۹،۲۰۰،ط،زکریا بُک ڈپو الہند)

شیعہ اور بدعتی کے لکھے ہوئے خطبے پڑھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شیعہ اور بدعتی کے لکھے ہوئے خطباتِ جمعہ وعیدین پڑھنا کیسا ہے،اس کو پڑھنے سے ان کی اتباع لازم آئے گی یا نہیں؟

الجواب وباللّٰه التوفيق: شیعہ اور بدعتی کے لکھے ہوئے خطبہ کو پڑھنا ممنوع ہے،اس لئے کہ اس میں باطل عقائد ونظریات موجود ہونے کا قوی احتمال ہے، نیز ان کا خطبہ پڑھنے سے ان کی تعظیم لازم

---

(٣٦):(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الصلاة، ج: ١، ص: ١٤٦)

آتی ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے۔ارشادنبوی ہے:

عن ابراهیم بن میسرة قال: قال رسول اللهﷺ: من وقر صاحب بدعة فقد أعان علی هدم الاسلام. [رواه البیهقی فی شعب الایمان ٧/٦١ رقم: ٩٤٦٤، مشکوة شریف ١/٣١ رقم: ١٨٩]

یعنی جوشخص کسی بدعت والے کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کی بنیاد مٹانے پر اعانت کرتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔(کتاب النوازل، ج:۵،ص:۲۷۳، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مرادآباد الہند)

ممبر کے کسی بھی زینہ سے خطبہ پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: جمعہ کے دن ممبر کی سیڑھی کے پہلے زینہ پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا جائے تو خطبہ ہوگا یانہیں؟ آپﷺ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے تھے تب آپﷺ پہلے زینہ پر تھے، اور انہوں نے کہا: ہلاک ہوجائے وہ شخص جسے رمضان کا مبارک مہینہ ملے اور وہ اپنی مغفرت نہ کرائے۔تو حضورﷺ نے کہا آمین۔ اس طرح تین دعائیں حضرت جبرئیلؑ نے کی، اور آپﷺ نے ہر مرتبہ آمین کہی۔تو اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپﷺ تیسرے زینے تک جاتے تھے اور خطبہ پڑھتے تھے،تو پہلے زینہ پر سے خطبہ دینے سے خطبہ صحیح ہوگا یانہیں؟اس طریقہ پر امام صاحب کے فعل پر لعن طعن کریں تو کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً......ممبر کے پہلے زینہ پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا جاوے یا دوسرے یا تیسرے زینے پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا جاوے،سب جائز ہے۔خطبہ ادا ہوجائے گا۔

حضورﷺ تیسرے زینے پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے،آپ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپ کے احترام میں اس سے ایک درجہ نیچے اتر کر دوسرے زینے پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے،ادب کی وجہ سے تیسرے زینے پر کھڑے نہ ہوتے تھے،اور آپ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ ادب واحترام کی وجہ سے دوسرے زینے پر چڑھتے نہ تھے،صرف پہلے زینہ پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے۔ممبر پر حسب ضرورت اور مصلحت جہاں چاہے کھڑے ہوکر خطبہ دینا درست ہے۔(فتاوی دینیہ، ج:۲،ص:۱۶۰، ۱۶۱، ط، ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی)

خطبہ جمعہ کے وقت دوزانو بیٹھنا

سوال: جمعہ کے خطبے کے وقت کیا دوزانو ہو کر بیٹھنا اور ہاتھ باندھنا ضروری ہے؟

جواب: خطبہ جمعہ کے دوران کسی خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھنا ضروری نہیں، نہ ہاتھ باندھنا ضروری ہے، جس طرح سہولت ہو بیٹھے، البتہ کوٹ مار کر بیٹھنا مکروہ ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج: ۴، ص: ۱۳۱، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: تشہد کی ہیئت میں بیٹھنا، ہاتھ باندھنا اور خاص وقت پر ہاتھ چھوڑ دینا سنت نہیں، ادب کے خیال سے دوزانو بیٹھنے میں کچھ حرج نہیں، بلکہ بہتر ہے...الخ (۳۷)۔ (فتاوی عثمانی، ج: ۱، ص: ۵۰۹، ۵۱۰، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

خطبہ سننے کے لئے سہارا لگا کر بیٹھنا

سوال: مسجد میں خطبہ سننے کے لئے سہارا لے کر بیٹھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً.... خطبہ سنتے وقت سہارا لگا کر بیٹھنا خلاف ادب ہے، لہٰذا مجبوری یا کمزوری نہ ہو تو محض کاہلی کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

عالمگیری: ۱۴۷ پر لکھا ہے کہ: خطیب کے سامنے منہ کر کے بیٹھنا مستحب ہے، نیز آگے لکھا ہے کہ: نماز میں قعدہ میں جس طرح بیٹھا جاتا ہے اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔ (فتاوی دینیہ، ج: ۲، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، ط، ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی)

---

(۳۷): فی الهندية: اذا شهد الرجل عند الخطبه ان شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر لانه ليس بصلاة عملاً وحقيقة كذا فى المضمرات. ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد فى الصلاة كذا فى المعراج الدراية. (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٨)

پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں چھوڑنا بدعت ہے

سوال: خطبہ کے دوران مقتدیوں کو کیسی حالت پر بیٹھنا چاہئے؟ ہمارے علاقہ میں بیٹھنے کی رسم یہ ہے کہ جب خطیب پہلا خطبہ پڑھتا ہے تو مقتدی حالت تشہد میں بیٹھ کر تحت السرۃ ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور دوسرا خطبہ پڑھنے کے دوران حالت تشہد میں بیٹھ کر رانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں، کیا ایسے بیٹھنا شریعت کے مطابق ہے یا مخالف؟ بینوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصواب: اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یہ فعل بدعت ہے، دونوں خطبوں کے دوران حالت تشہد میں بیٹھنا مستحب ہے، دونوں میں ہاتھ رانوں پر ہی رکھے۔ یہ نشست مستحب ہے، ویسے جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔**قال فی الهندية اذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبياً او متربعاً او كما تيسر لانه ليس بصلاة عملاً وحقيقةً كما فی المضمرات، ويستحب ان يقعد فيها كما يقعد فی الصلاة كذا فی معراج الدراية.** [**عالمگيرية ج: ١، ص: ١٤٨**] **فقط واللّٰه تعالٰی اعلم.** (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٣٣، ط، ایچ ایم سعید)

نمازِ جمعہ میں بیٹھنے کا ایک غلط طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران ''احتباء'' سے منع فرمایا ہے، اور احتباء کے معنی یہ ہیں کہ گھٹنوں کو کھڑا کر کے پیٹ سے ملا لیا جائے، کمر اور ٹانگوں کو ایک کپڑے سے باندھ لیا جائے، یا ہاتھوں سے حلقہ بنا لیا جائے، اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ آرام کا سبب ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے جو چیز بھی نماز کی حالت میں ناپسند ہے وہ خطبہ میں بھی ناپسند ہے، اور تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض کے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے(۳۸)۔ [معارف مدینہ ص۹۴ جلد۳]۔ (مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳، ص:۱۳۳، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

---

(۳۸):وعن معاذ بن أنسؓ ان النبی ﷺ نهی عن الحبوة يوم الجمعة والامام=

دورانِ خطبہ اُنگلیوں میں اُنگلیاں ڈال کر بیٹھنا منع ہے

سوال: ایک امام صاحب نے ایک سے زائد بار یہ فرمایا کہ خطبہ کہ دوران ہاتھوں کی اُنگلیوں میں اُنگلیاں ڈال کر بیٹھنا حرام ہے، دین میں اس قسم کی پابندیوں کی کیا بنیاد کیا ہے؟

جواب: حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، یہی ممانعت اس پابندی کی بنیاد ہے(۳۹)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴،ص:۱۳۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

خطبہ جمعہ سنے بغیر نمازِ جمعہ ادا کرنا

سوال: خطبہ سنے بغیر جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس مسجد میں خطبہ نہ ہو وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوسکتی، اور اگر آدمی دیر سے مسجد پہنچے اور کسی دوسری مسجد میں بھی جماعت کا وقت باقی نہ رہا ہو اس صورت میں جب وہ مسجد میں پہنچتا ہے اور وہاں جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو چونکہ اس نے خطبہ تو سنا ہی نہیں تو کیا امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرسکتا ہے؟ اور کیا وہ نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: یہ تو صحیح ہے کہ جمعہ کی نماز خطبہ کے بغیر نہیں ہوتی، لیکن جو شخص ایسے وقت آیا کہ خطبہ ختم ہوچکا تھا، اس کی نماز ہوجاتی ہے، (اگرچہ دیر میں آنے کی وجہ سے لائق موٴاخذہ ہے)، بلکہ اگر نماز جمعہ کی ایک

=يخطب. وفی المرقات تحت هذاالحديث: وانما نهی عنه لأنه يجلب النوم فلايسمع الخطبة، ويعرض طهارته للانتقاض اهـ. يعنی أنه ربما يقع علی الجنب فتنقض طهارته فيمعنه الاشتغال بالطهارة عن استماع الخطبة وقيل: لأنها جلسة المتكبرين. (مرقات المفاتيح، شرح مشكاة المصابيح، ج: ٣، ص: ٤٣٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۹): **أبو ثمامة الحناط أن كعب بن عجرة أدركه وهو يريد المسجد، أدرك احدهما صاحبه، قال: فوجدنی وأنا مشبک بيدی، فنهانی عن ذلک وقال: ان رسول اللّٰه ﷺ قال: اذا توضأ أحدكم فأحسن وضوءه، ثم خرج عامداً الی المسجد، فلايشبكن يديه، فانه فی صلاة.** (سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی الهدی فی المشی الی الصلاة، ص: ٩٣، رقم: ٥٦٢، ط، دار السلام رياض)

یا دونوں رکعتیں رہ جائیں اور التحیات میں آکر شریک ہو، جب بھی وہ جمعہ ہی کی دو رکعتیں پڑھے گا(۴۰)۔
(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴،ص:۱۳۵،۱۳۶،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی)

خطبہ کے دوران نماز پڑھنا صحیح نہیں

سوال: نماز جمعہ کے دوران کوئی بھی نماز پڑھنا درست نہیں، مگر ایک شخص کا کہنا ہے کہ خطبہ کے دوران جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت اگر کوئی شخص امام کے دوبارہ کھڑے ہونے سے پہلے نماز کی نیت کرلے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب: خطبہ کے دوران نماز پڑھنا صحیح نہیں، خطبہ شروع ہونے سے پہلے نیت باندھ لی ہو تو اس کو مختصر قراءت کے ساتھ پورا کرلے، دونوں خطبوں کے دوران امام کے بیٹھنے کے وقت نیت باندھنا جائز نہیں، درمختار میں ہے:

”اذا خرج الامام فلا صلاة ولا کلام الی تمامها، ولو خرج وهو فی السنة او بعد قیامه لثالثة النفل یتم فی الأصح ویخفف القراءة“. [شامی طبع جدید ج: ۲، ص: ۱۵۸]۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ٤، ص: ١٣٦، ط، مکتبه لدھیانوی کراچی)

اذان ثانی کے بعد گھر میں بھی سنتیں پڑھنا جائز نہیں

سوال: اگر کوئی جمعہ کی اذان ثانی کے وقت اپنے گھر میں چار سنتیں پڑھ لے اور پھر خطبہ میں شریک ہوجائے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی یہ سنتیں ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

(۴۰):مسألة: [من أدرک امام الجمعة فی التشهد]

ومن أدرک الامام فی یوم الجمعة فی التشهد، أو فیما سواه، صلی ما أدرک معه، وقضیٰ ما فاته فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف.....الحجة للقول الأول: قول النبی ﷺ ما أدرکتم فصلوا، وما فاتکم فاقضوا. (شرح مختصر الطحاوی، ج: ۲، ص: ۱۱۸، ط، دار السراج المدینة المنورة)

الجواب باسم ملهم الصواب: اذان ثانی کے بعد گھر میں بھی سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، یہ سنتیں بطریق غیر مشروع ادا کی گئی ہیں اس لئے قاعدہ کا مقتضی یہ ہے کہ فرض جمعہ کے بعد کی چار رکعات پڑھنے کے بعد قبلیہ سنتیں دوبارہ پڑھے **لایجب قضاء النفل المؤدی فی الوقت المکروہ لادائه کما التزم بخلاف السنة المؤکدة فانه مأمور بادائها فی وقت مشروع فتسن اعادتها، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم.** (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٣٢، ط، ایچ ایم سعید)

سنت والوں کا انتظار خطیب کے لئے ضروری نہیں

سوال: جب جمعہ کی نماز کا وقت ہوگیا اور اتفاقاً دو چار اشخاص دیر سے آئے تھے نماز سنت پڑھتے ہیں منبر کی داہنی یا بائیں جانب تو اس وقت خطیب کو خطبہ شروع کرنا کیسا ہے۔ جو شخص وقت مذکورہ میں خطبہ پڑھنے کو حرام قرار دے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: خطیب کو انتظار کرنا سنت پڑھنے والوں کی فراغت کا لازم نہیں ہے، جس وقت وقت مقرر ہوجائے خطیب خطبہ کے لئے کھڑا ہوسکتا ہے اس پر کچھ مواخذہ اور گناہ نہیں ہے کیونکہ متبوع ہے تابع نہیں ہے۔ مقتدیوں کو تو یہ حکم ہے کہ جس وقت خطیب خطبہ کے لئے منبر پر جاوے نوافل وسنن نہ پڑھیں لیکن خطیب کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ فراغت کا انتظار کرے اور اگر دو چار منٹ کا وہ انتظار کرے تو اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے، لیکن انتظار نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ **فی حدیث الصحیحین انما جعل الامام لیئوتم به. الحدیث. وفی الدر المختار: واذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام الخ.** پس جو شخص بحالت مذکورہ خطبہ پڑھنے کو حرام قرار دے وہ خاطی ہے اور مسائل شرعیہ سے واقف نہیں اس کی بات کی طرف التفات نہ کیا جاوے۔ فقط۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ٦٨، ط، دار الاشاعت کراچی)

جمعہ کے خطبہ کے دوران دو رکعت پڑھنا صرف ایک صحابیؓ کے لئے استثنیٰ تھا

سوال: جمعہ کا خطبہ شروع ہے، آنے والا دو رکعت پڑھے یا نہیں؟

جواب: یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے(۴۱)، اس سلسلے میں جوحدیث آتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ اسی صحابی کے ساتھ خاص تھی، اور حضور اقدس ﷺ نے ان کی خاطر خطبہ روک دیا تھا(۴۲)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴، ص:۱۳٦، ۱۳۷، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

---

(۴۱):فی الهداية: واذا خرج الامام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام، حتى يفرغ من خطبته. قال وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله. (الهداية، باب صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ٣٨١، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

(۴۲):عن جابر بن عبدالله، قال: بينا النبي ﷺ يخطب يوم الجمعة، اذ جاء رجل. فقال له النبي ﷺ أصليت يا فلان؟ قال: لا. قال: قم فاركع. وفي فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (قم فاركع) الخ: زاد في بعض الروايات: "ركعتين". قال الشوكاني: والأحاديث المذكورة في الباب تدل على مشروعة تحية المسجد حال الخطبة، والى ذلك ذهب الحسن، وابن عيينة، والشافعي وأحمد، واسحاق، ومكحول، وأبو ثور، وابن المنذر، وحكاه النووي عن فقهاء المحدثين، وحكى ابن العربي أن محمد بن الحسن حكاه عن مالك.

وذهب الثوري وأهل الكوفة، الى أنه يجلس ولايصليها حال الخطبة، وحكى ذلك الترمذي، وحكاه عياض عن مالك، والليث، وأبي حنيفة، وجمهور السلف من الصحابة والتابعين، وحكاه العراقي عن محمد بن سيرين، وشريح القاضي والنخعي، و قتادة، والزهري، ورواه ابن أبي شيبة: عن علي، وابن عمر، وابن عباس، وابن المسيب، و مجاهد، وعطاء بن أبي رباح، وعروة بن الزبير، ورواه النووي عن عثمان اهـ.

وفي صحيح البخاري في باب الدهن للجمعة عن سلمان، قال: قال رسول الله ﷺ: لايغتسل رجل يوم الجمعة، ويتطهر ما استطاع من الطهر، ويدهن من دهنه، أو=

خطبے کے درمیانی وقفے میں دُعا کرنا

سوال: ہمارے محلے کے امام صاحب کا کہنا ہے کہ جمعے کے خطبے کے درمیانی وقفے میں دِل میں بغیر زبان ہلائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے دُعا مانگنا جائز ہے، جبکہ ایک نمازی کا کہنا ہے کہ یہ جائز نہیں، جبکہ علماء سے سنتے آئے ہیں کہ یہ وقت دُعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

جواب: جمعے کے خطبوں کے درمیانی وقفے میں بغیر ہاتھ اُٹھائے اور بغیر زبان ہلائے دِل میں دعا مانگنا چاہئے، یہ قبولیت کا وقت تو ہے لیکن زبان سے دُعا کرنے کی اجازت نہیں (۴۳)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۴، ص:۱۳۸، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

=يمس من طيب بيته، ثم يخرج فلايفرق بين اثنين، ثم يصلى ما كتب له، ثم ينصت اذا تكلم الامام الا غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى.....قال الحافظ فى الدراية: روى ابن اسحاق باسناد جيد عن السائب بن يزيد: كنا نصلى زمن عمر يوم الجمعة، فاذا جلس على المنبر قطعنا الصلاة، فاذا سكت المؤذن خطب، ولم يتكلم أحداً. وعن ثعلبة بن أبى مالك: أدركت عمر، وعثمان، وكان الامام اذا خرج تركنا الصلاة. اهـ. وهذا كالاجماع منهم رضى الله عنهم على قطع الصلاة لخروج الامام وجلوسه على المنبر، و قطع الكلام لشروعه فى الخطبة. (موسوعة فتح الملهم، كتاب الجمعة، باب التحية والامام يخطب، ج:٥، ص:٣٤٩، ٣٥٠، ٣٥١، رقم: ٢٠١٥، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

(۴۳):فى الشامية: وقال البقالى فى مختصره: واذا شرع فى الدعاء لايجوز للقوم رفع اليدين ولاتأمين باللسان جهراً، فان فعلوا ذلك أثموا، وقيل أساؤوا ولا اثم عليهم، والصحيح وهو الأول وعليه الفتوىٰ، وكذلك اذا ذكر النبى ﷺ لايجوز أن يصلوا عليه بالجهر بل بالقلب، وعليه الفتوىٰ. رملى. (ردالمحتار على الدرالمختار، باب الجمعة، ج: ٣، ص:٣٥، ط، دار عالم الكتب رياض)

جمعہ کے خطبہ سے پہلے تسمیہ بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

سوال: جمعہ کے خطبہ میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھ کر کیوں نہیں شروع کیا جاتا؟

جواب: اسی طرح منقول چلا آتا ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل،ج:۴،ص:۱۳۹،ط،مکتبہ لدھیانوی کراچی/ امدادالفتاوی،ج:۳،ص:۱۳۲،ط،زکریا بک ڈپوالہند)

خطبہ جمعہ سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعۃ المبارک کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے تعوذ اورتسمیہ (بسم اللہ) پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، اگرنہیں ہےتو اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب باسم الملک الوھاب: واضح رہے کہ خطبہ جمعہ کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کرنا چاہیے، اوریہی سنت ہےتو اس لیے تعوذ وتسمیہ سے خطبہ شروع نہ کیا جائے، البتہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے تعوذ سراً(دل میں) پڑھنا درست ہے۔

”قوله: (وسن خطبتان بجلسة بينهما وطهارة قائما) كما روى عن ابى حنيفة انه قال ينبغى أن يخطب خطبة خفيفة يفتح بحمد اللّٰه تعالىٰ ويثنى عليه ويتشهد ويصلى على النبى ﷺ ويعظ ويذكر ويقرأ سورة ثم يجلس جلسة خفيفة ثم يقوم فيخطب خطبة اخرى يحمد اللّٰه تعالىٰ ويثنى عليه ويتشهد ويصلى على النبى ﷺ ويدعو للمؤمنين والمؤمنات كما فى البدائع..... وسادسها ما روى الحسن عن ابى حنيفة انه يخطب خطبةخفيفة وهى تشمل على عشرة احدها البدأة بحمدا للّٰه وثانيها الثناء عليه بما هو اهله الخ“.... (البحر الرائق: ٢/٢٥٨)

”وفى القنية قال ابو يوسفؒ فى الجامع: ينبغى للخطيب اذا صعد المنبر ان يتعوذ باللّٰه فى نفسه قبل الخطبة اه.... (ايضا: ٢/٢٦٠).....الخ۔ (ارشاد المفتين، ج: ٤، ص:

٤٦٢، ٤٦٣، ط، مكتبة الحسن لاهور/ امداد الاحكام، ج: ١، ص: ٧٧٣، ط، مكتبہ دار العلوم کراچی)

خطبہ میں اعوذ باللہ پڑھنے سے پہلے "قال اللّٰه تعالٰی" کہنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ جمعہ کا اس طرح پڑھنا کیسا ہے: **قال اللّٰه تعالٰی فی القرآن: أعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم، ان اللّٰه وملٓئکته یصلون**". بظاہر "قال" کے بعد لفظ "أعوذ" ترکیباً مقدم ہے، جو سراسر غلط معلوم ہوتا ہے؟

الجواب وباللّٰه التوفیق: صورتِ مسئولہ میں خطیب کے اس طرح پڑھنے سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ **اعوذ باللّٰه الخ قال اللّٰه تعالٰی** کا مقولہ ہے، لہٰذا مناسب اور بہتر یہ ہے کہ **قال اللّٰه تعالٰی** نہ کہے، بلکہ **أعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم** کے بعد قرأت شروع کردے۔

وفیه ایهام أن أعوذ باللّٰه من مقول اللّٰه تعالٰی - الی قوله - فالأولٰی أن لا یقول، قال اللّٰه تعالٰی. [شامی، الصلاة، باب الجمعة ١/ ٢١ زکریا] فقط واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ٥، ص: ٢٦٧، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الهند)

زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر

سوال: بعض خطیب حضرات جمعہ وعیدین کا خُطبہ زبانی پڑھتے ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر، ان میں سے کون سا بہتر ہے؟

الجواب: دونوں طرح خُطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا نہ حکم دیا گیا ہے نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ٨٦، ٨٧، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیے

سوال: ہماری مسجد کے خطیب اتنی آواز کے ساتھ خطبہ پڑھتے ہیں کہ بمشکل ایک دو صف والے سُن

سکتے ہیں، کیا خطبہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا آہستہ آواز سے؟

الجواب: اصلاً تو کلماتِ خطبہ پر تلفظ ضروری ہے بمع صوت (آواز کے ساتھ) اگرچہ مستحب یہ ہے کہ خطبہ معتاد آواز سے اونچا پڑھا جائے۔

لما فی الهندية: ومن المستحب ان يرفع الخطيب صوته وان يكون الجهر فی الثانية دون الاولٰی. [الفتاوی الهندية، ج: ١، ص: ١٤٧، الباب السادس عشر فی الجمعة]۔

(فتاوی حقانيه، ج: ٣، ص: ٤٠٢، ٤٠٣، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)

لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ پڑھنا

سوال: اب کے جامع مسجد میں امام صاحب نے یہ جدت کی کہ بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں خطبہ جمعۃ الوداع پڑھا اور عذر یہ کیا کہ تا کہ لوگ سن سکیں۔ اگر یہ دلیل خطبہ کیلئے ہے تو نماز کیلئے بھی کہ بجائے آگے کھڑے ہونے کے امام بیچ میں کھڑا ہو بہر حال یہ کہاں تک جائز ہے اس کے متعلق اطلاع فرمائی جاوے تو مناسب ہوگا؟

الجواب: فی العالمگيرية: أحكام الخطبة وأما سننها فخمسة عشر وثالثها استقبال القوم بوجهه ج ١ ص ٩٤ (٤٤).

اس میں تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے پس بعض کا پشت پر ہونا بدعت ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا بلکہ اس کو سنت استقبال پر ترجیح دی گئی اور اس کے مقابلہ میں مستحسن سمجھا گیا تو بدعت عملیہ کے ساتھ بدعت اعتقادیہ منضم ہو کر کراہۃ وشناعۃ میں اشد وافتح ہو گیا۔ خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کی ترک کے ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے، تا کہ آئندہ اس کا بالکلیہ انسداد ہو جائے۔

(امداد الفتاوی، ج:٣، ص:٢٠٠، ٢٠١، ط، زکریا بک ڈپو الہند)

---

(٤٤): (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٦، ١٤٧)

تقریر کے بعد خطیب منبر پر بیٹھا رہے یا نیچے اتر جائے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان دین اندریں مسئلہ ہٰذا کے کہ بروز جمعۃ المبارک خطیب جمعہ کی پہلی سنتیں ادا کر کے منبر پر تشریف لا کر خطبہ جمعہ (یعنی تقریر) دیتا ہے پھر اس کے بعد یعنی اذان سے قبل اکثر مساجد میں سنتوں کی ادائیگی کا وقفہ کیا جاتا ہے، براہ کرم شرعی طور پر وضاحت فرمائیں کہ اس وقفہ کے دوران خطیب کو منبر پر موجود رہنا چاہئے یا نیچے مصلے پر آجانا چاہئے۔

الجواب باسم الملک الوھاب: ہر طرح جائز ہے چاہے اوپر بیٹھے یا نیچے، البتہ اگر خطیب صاحب کے منہ کے سامنے لوگ سنتیں ادا کر رہے ہوں تو پھر خطیب صاحب کو نیچے بیٹھ جانا چاہئے تاکہ عبادت کروانے کا تشبہ لازم نہ آئے۔

''وصلاۃ الی وجہ انسان ککراھة استقباله فالاستقبال لو من المصلی فالکراھة علیه والا فعلی المستقبل ولو بعیداً ولا حائل (قوله ولو بعیداً ولا حائل) قال فی شرح المنیة ولو کان بینهما ثالث ظهره الی وجه المصلی لایکره الانتفاء سبب الکراھة وھو التشبه بعبادۃ الصور اه وظاھره عدم الکراھة ولو کانت تقع المواجھة فی حالة القیام کما فی النھر والحلیة واستظھره فی الحلیة بان القاعد یکون ستره للمصلی بحیث لایکره المرور وراء ه فکذا ھنا یکون حائلا قلت لکن فی الذخیرۃ نقل قول محمد فی الاصل وان شاء الامام استقبل الناس بوجه اذا لم یکن بحذائه رجل یصلی ثم قال ولم یفصل ای محمد بین ما اذا کان المصلی فی الصف الاول او الاخیر وھذا ھو ظاھر المذھب لانه اذا کان وجھه مقابل وجه الامام فی حالة قیامه یکره ولو بینھما صفوف اه''.... (در مع الرد: ۱/۴۷۶)...الخ۔ (ارشاد المفتین، ج: ٤، ص: ٦٢٤، ٦٢٥)

خطبے سے پہلے امام کا سلام کہنا

سوال: خطبہ سے پہلے امام کا برسرِ منبر سلام کہنا آنحضرت ﷺ سے منقول ہے یا بدعت ہے یا ائمہ

اربعہ کے نزدیک جائز ہے؟

جواب: درمختار میں ترکِ سلام کو سنن میں شمار کیا ہے، اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جب منبر پر بیٹھے تو سلام کہے (۴۵)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۴،ص:۱۳۹، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

بوقت خطبہ سر پر عمامہ باندھنا

سوال: جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر عمامہ باندھنا کیسا ہے؟

الجواب: استماع خطبہ کے دوران درست نہیں۔

ويحرم في الخطبة ما يحرم في الصلاة حتى لاينبغي ان يأكل ويشرب والامام في الخطبة اهـ. (۴۶) [عالمگيرى، ج: ١، ص: ٧٦]۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ١١٢، ط، مكتبه امداديه ملتان)

خطبہ سے پہلے اور بعد میں دعا مانگنا

سوال: خطبہ سے قبل امام ممبر پر بیٹھ کر دعا کرتا ہے، یا کبھی خطبہ کے اختتام پر ممبر پر بیٹھ کر دعا کرتا ہے، تو امام صاحب کا اس طرح دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے؟ امام صاحب خطبہ سے پہلے یا بعد میں ممبر پر بیٹھ کر دعا مانگتے ہیں یہ صحیح ہے؟ شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

---

(۴۵): في البحر: والسنة في حقه .....ترك السلام من خروجه الى دخوله في الصلاة وترك الكلام. وقال الشافعيؒ: اذا استوى على المنبر سلم على القوم، وقوله ﷺ: "اذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام" يبطل ذلك. (البحر الرائق، باب صلاة الجمعة، ج: ٢، ص: ٢٥٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۴۶): (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٧)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً.... خطبہ اولیٰ میں مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کا مضمون ہونا چاہئے اور دوسرے خطبہ میں عام مسلمین کے لئے دعائیہ کلمات ہونے چاہئیں، یہ مسنون طریقہ ہے۔ [طحطاوی: ۳۰۹] لیکن ممبر پر بیٹھ کر اول میں یا اخیر میں دعا کرنا خلاف سنت اور آداب خطبہ کے خلاف ہے، اس لئے اس سے پرہیز ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دینیہ، ج:۲،ص:۱۶۸)

خطبہ جمعہ کے دوران بآواز آمین کہنا صحیح نہیں

سوال: یہاں خطبہ جمعہ میں دُوسرے خطبہ کے دوران جب خطیب صاحب دعائیہ کلمات پڑھتے ہیں تو تقریباً سب ہی لوگ ہاتھ اُٹھا کر بآوازِ خفیف آمین کہتے جاتے ہیں، کیا یہ عمل جائز ہے؟

جواب: خطبہ کے دوران زبان سے آمین کہنا صحیح نہیں، دِل میں کہیں (۴۷)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴،ص:۱۴۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

حالت خطبہ میں امام کو پیسے دینا اور اس کی طرف پیسے پھینکنا درست نہیں

سوال: جب امام خطبہ پڑھتا ہے تو بعض آدمی ممبر پر امام کے لئے دوآنہ یا چارآنہ یا روپیہ وغیرہا پھینکتے ہیں جائز ہے یا نہیں اور امام کو اس کا لینا جائز ہے یا کیا؟

الجواب: خطبہ کی حالت میں یہ فعل ناجائز ہے اور روکنا ان لوگوں کو اس حرکت سے لازم ہے۔ باقی امام کے حق میں اس کا لینا جائز ہے۔ فقط۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۱۰۷، ط، دارالاشاعت کراچی)

---

(۴۷):في الشامية: وقال البقالي في مختصره: واذا شرع في الدعاء لايجوز للقوم رفع اليدين ولاتأمين باللسان جهراً، فان فعلوا ذلك أثموا، وقيل أساؤوا ولا اثم عليهم، والصحيح وهو الأول وعليه الفتوىٰ، وكذلك اذا ذكر النبي ﷺ لايجوز أن يصلوا عليه بالجهر بل بالقلب، وعليه الفتوىٰ. رملي. (ردالمحتار على الدرالمختار، باب الجمعة، ج: ۳، ص:۳۵، ط، دار عالم الكتب رياض)

خطبہ کی آخری عبارت کے ختم ہونے سے قبل مقتدیوں کا کھڑے ہوجانا

سوال: جمعہ کے دن جب امام صاحب ممبر پر خطبہ دیتے ہیں تو خطبہ کی آخری عبارت کے ختم ہونے سے پہلے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں، تو اس طرح لوگوں کا کھڑے ہوجانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً....امام جب خطبہ کے لئے کھڑا ہو تب سے لے کر خطبہ کے ختم ہونے تک پورے دھیان اور توجہ سے خطبہ سننا چاہئے، اور سننے میں جو چیز خلل ڈالنے والی ہو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔اس لئے خطبہ باقی ہو اور مصلی کھڑے ہوجائیں تو یہ مناسب نہیں ہے۔البتہ خطبہ کے ختم ہوتے ہی فوراً صف بندی کے لئے کھڑے ہوجائیں تو یہ ممنوع نہیں ہے، جیسا کہ شامی، عالمگیری[۱/۱۴۹] میں اس کی صراحت موجود ہے۔(فتاوی دینیہ، ج:۲،ص:۱۶۵، ط، ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی)

دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا

سوال: یہاں ہمارے محلے کی مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: جمعہ کا خطبہ سننا اور اس کے لیے متوجہ ہوکر خاموش رہنا واجب ہے اس دوران نماز وکلام جیسے امور جائز نہیں، لہٰذا دورانِ خطبہ مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا صحیح نہیں، چندہ کیلئے کوئی اور وقت مقرر کرنا چاہئے۔

لما قال العلامة ابو البركات النسفیؒ: واذا خرج الامام فلاصلاة ولا كلام. [كنز الدقائق على هامش البحر الرائق، ج: ٢، ص: ١٥٥، باب الجمعة]۔ (فتاوی حقانيه، ج: ٣، ص: ٤٠١، ٤٠٢، ط، مكتبه سيد احمد شهيدا كوڑه خٹك/ايضاح المسائل، مسائل جمعه، ص: ٦٥، ط، كتب خانه نعيميه ديوبند)

خطبہ میں آنحضرت ﷺ کے نام پر خطیب کا درود پڑھنا کیسا ہے

سوال: خطبہ جہاں محمد رسول اللہ کا اسم گرامی آوے تو خطیب کا آنحضرت ﷺ کے نام کے بعد

ﷺ کہنا کیسا ہے؟

الجواب: خطبہ میں جہاں نام آنحضرت ﷺ کا آوے خطیب درود شریف پڑھے اور سامعین دل دل میں درود شریف پڑھیں حکم شرعی یہ ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۶۲، ۶۳، ط، دار الاشاعت کراچی)

خطبے کے دوران آنحضرت ﷺ کے اسم مبارک آنے پر دُرود بھیجیں یا خاموش رہیں؟

سوال: نمازِ جمعہ کے خطبے میں مولوی صاحب جب دُرود شریف پڑھتے ہیں تو جس کے جواب میں اکثر نمازی بھی بلند آواز سے دُرود شریف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، جبکہ خطبہ خاموشی سے سننا واجب ہے، خطبے کے دوران بلند آواز سے دُرود شریف پڑھا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ جبکہ آپ ﷺ کا نام مبارک آئے دُرود شریف پڑھنا باعثِ ثواب وخیر و برکت ہے۔

جواب: خطبے کے دوران بولنے کی اجازت نہیں، اس لئے دُرود شریف بھی دِل میں پڑھنا چاہئے، زبان سے نہیں (۴۸)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج: ۴، ص: ۱۴۱، ۱۴۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

خطبہ کے وقت افضل یہ ہے کہ خاموش رہے یا دل میں درود شریف کا خیال کرے زبان سے نہ پڑھے اس وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ’’کبیری شرح منیہ‘‘ میں ہے۔’’**واذا قرء الامام ان اللّٰہ وملآئکته یصلون علی النبی ﷺ فعن ابی حنیفة ومحمد انه ینصت وعن ابی یوسف انه یصلی سراً وبه اخذ بعض المشائخ واکثرھم انه ینصت وفی الحجة لو سکت فھو افضل**‘‘. ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے روایت ہے۔ کہ خطیب جب

---

(۴۸): **فی الشامیة: وکذلک اذا ذکر النبی ﷺ لایجوز أن یصلوا علیه بالجھر بل بالقلب، وعلیه الفتویٰ. رملی.** (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۳۵، ط، دار عالم الکتب ریاض)

آیۃ کریمہ۔ "**ان اللہ وملائکتہ الخ**" پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے۔حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ آہستہ دل ہی دل میں پڑھ لے بعض مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے۔اور اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب حجۃ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے۔[ص ۵۲۰ باب صلاۃ الجمعۃ] اور درمختار میں ہے "**والصواب انه يصلى على النبي ﷺ عند سماعه في نفسه**"۔ترجمہ: اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سنتے وقت آنحضرت ﷺ پر دل ہی دل میں درود شریف پڑھے اور "شامی" میں ہے۔**اذا ذکر النبی ﷺ لایجوز ان یصلی بالجهر بل بالقلب وعليه الفتوىٰ.**

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لیا جائے تو جائز نہیں ہے کہ آپ پر جہر سے درود شریف پڑھا جائے (ﷺ) بلکہ دل میں پڑھے۔اسی پر فتویٰ ہے (ص ۷٦٨ ج ا باب الجمعۃ) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی اختلاف بھی نہیں۔دیکھئے "بہار شریعت" حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا۔تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں۔زبان سے پڑھنے کی اس وقت اجازت نہیں۔[ص ۱۰۰ ج ۴] **فقط واللہ** اعلم۔(فتاوی رحیمیہ، ج:٦،ص:۱۳۵، ۱۳٦، ط، دار الاشاعت کراچی)

خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سنت

سوال: اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے کیا شرعاً ادا ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: سنت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے۔گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گا۔

واما سننها فخمسة عشر....الى قوله وثانيهما القيام ولو خطب قاعداً او مضطجعاً جاز اهـ (۴۹)۔ [عالمگیری، ج:۱، ص: ۷۵]۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۱٤، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

---

(۴۹): (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱٤٦)

کیا خطبہ کے لئے منبر ضروری ہے؟

سوال: کیا خطبہ دینے کے لئے منبر کا ہونا ضروری ہے یا بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے؟

الجواب: سنت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے۔

ومن السنة ان یکون الخطیب علی منبر اقتداء برسول اللہ ﷺ اھـ. (٥٠)

[عالمگیری، ج: ١، ص: ٧٦]۔ (خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ١١٤، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا سنت ہے

سوال: منبر کی موجودگی میں خطیب منبر کے پاس کھڑا ہوکر خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے کیا اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے وقت مبارک میں یا اس کے بعد عیدین اور جمعہ کا خطبہ لازماً منبر پر پڑھا جاتا تھا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصدق والصواب: منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرات خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی معمول تھا۔ **قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ ومن السنة ان یخطب علیه اقتداء به ﷺ بحر و ان یکون علی یسار المحراب قهستانی.** (ردالمحتار، ج: ١، ص: ٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٣٥، ط، ایچ ایم سعید)

محراب کے اندر منبر پر خطبہ دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر منبر بالکل محراب کے اندر ہے اور منبر کی آخری سیڑھی دیوار کی برابر میں ہے، دیوار سے باہر نکلی ہوئی نہیں ہے، تو اس

---

(٥٠): (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٧)

پر خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی جگہ منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا مسنون ہے، جہاں سے سب لوگ امام کو اچھی طرح دیکھ سکیں، لہٰذا جب محراب کے اندر ہونے کی وجہ سے امام سب لوگوں کو نظر نہ آئے اور دائیں اور بائیں طرف کے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو تو مکروہ ہے۔

عن الطفيل بن أبى بن كعب، عن أبيه قال: كان رسول اللّٰه ﷺ: يصلى الى جذع ويخطب اليه فقال له رجل من اصحابه: ألا نجعل لک عريشا تقوم عليه يراک الناس يوم الجمعة وتسمع من خطبتک؟ قال: نعم. الحديث (مسند الدارمى، دار المغنى ۱/۱۸۰، رقم: ۳٦)

منها أن يستقبل القوم بوجهه ويستدبر القبلة، لأن النبى ﷺ، هكذا كان يخطب، وكذا السنة فى حق القوم أن يستقبلوه بوجوههم، لأن الاسماع والاستماع واجب للخطبة وذا لايتكامل الا بالمقابلة الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى سنن الخطبة، قديم ۱/۵۹۲، زكريا ۱/۲٦۳) فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔ (فتاوى قاسميه، ج: ۹، ص: ۳۸۵، ۳۸٦، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند)

خطبے میں خطیب کا ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا

سوال: جمعہ کا خطبہ کہتے وقت کیا خطیب ایسے ہاتھ باندھ سکتا ہے جیسے نماز میں کھڑا ہو؟ سنا ہے یہ ادب صرف اللہ کے دربار (نماز) کا ہے۔

جواب: خطبے میں ہاتھ سیدھے چھوڑ کر کھڑا ہونا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۴، ص:۱۴۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ فتاوی قاسمیہ، ج:۹، ص:۳۸٦، ۳۸۷، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)

خطبہ کے دوران خطیب کا دائیں بائیں دیکھنا

سوال: بعض خطباء کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خطبہ کے دوران دائیں بائیں دیکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا

درست ہے یانہیں؟

الجواب: خطبہ کے دوران سنت طریقہ یہ ہے کہ خطیب سامنے کی طرف کرے اِدھراُدھر نہ دیکھے، فقہاءکرام نے اس طرح کرنے (دائیں بائیں دیکھنے) سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وما یفعله بعض الخطباء من تحویل الوجه جهة الیمین وجهة الیسار عند الصلاة علی النبی علیه الصلاة والسلام فی الخطبة الثانیة لم أر من ذکره والظاهر انه بدعة ینبغی ترکه لئلا یتوهم انه سنة ثم رأیت فی منهاج النووی ولایلتفت یمیناً وشمالافی شئ منها قال ابن حجر فی شرحه لان ذٰلک بدعة. [ردالمحتار، ج: ۲، ص: ۱۴۹، باب الجمعة، مطلب فی قول الخطیب الخ]۔ (فتاوی حقانیه، ج: ۳، ص: ۴۰۰، ۴۰۱، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹك/فتاوی دار العلوم زکریا، ج: ۲، ص: ۶۵۸، ۶۵۹، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

بوقت خطبہ سامعین قبلہ رُخ ہوکر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں

سوال: جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین باادب قبلہ رُخ ہوکر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھیں؟

الجواب: جوامام کے سامنے ہوں اور جودائیں اور بائیں قریب بیٹھے ہوں ان کے لئے مستحب یہ ہے کہ امام کی طرف رُخ کرکے ہمہ تن گوش بن کر بیٹھیں۔

یستحب للرجال ان یستقبل الخطیب بوجههٖ هذا اذا کان امام الامام فان کان عن یمین الامام... اوعن یساره قریباً من الامام ینحرف الی الامام مستعدا للسماع (۵۱).

[عالمگیری، ج: ۱، ص: ۷۶]۔(خیر الفتاوی، ج:۳، ص:۱۱۵، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

---

(۵۱): (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۴۷)

جمعہ کے خطبے کی اَذان کا جواب دینا

سوال: جمعہ کی نماز میں سنتوں سے پہلے ایک اذان ہوتی ہے، اور دُوسری سنتوں کے بعد، دونوں میں کس اَذان کا جواب دینا چاہئے؟

جواب: جمعہ میں خطبے کی اَذان کا جواب نہیں دیا جاتا (۵۲)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج: ۴،ص:۱۴۲، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا

سوال: بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چُکتا ہے تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ بُلند آواز سے پُکار پُکار کر کہتے ہیں صفیں سیدھی کرلیں۔بچوں کو پیچھے نکال دیں۔اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: درست ہے: **ویصف ای یصفهم الامام بأن یامرهم بأن یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناكبهم.** [درمختار علی الشامیة، ج: ۱، ص: ۵۳۱]۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۱۵، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

خطبہ واقامت کے درمیان مسئلہ بتانا

سوال: بعد خطبہ ثانیہ بتمامہ قبل اقامتِ صلاۃ امام کے لئے کوئی مسئلہ بیان کرنا یا وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے یانہیں اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلا کراہۃ ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے،طویل وعظ جائز نہیں،**قال فی شرح التنویر فاذا اتم اقیمت ویکره الفصل بامر الدنیا ذكره العینی، وفی الشامیة اما بنهی عن منكر او امر بمعروف فلا.** [ردالمحتار ج:۱،

---

(۵۲):فی الدرالمختار: قال وینبغی أن لایجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب. (الدرالمختار مع الشامی، باب الأذان، ج: ۲، ص: ۷۰، ط، دار عالم الکتب ریاض)

ص: ٧٧٠] فقط واللہ تعالی اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٣٢، ط، ایچ ایم سعید)

خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنا

سوال: ہمارے امام صاحب جمعہ کے خطبہ سے فارغ ہوکر جب منبر سے اترتے ہیں تو مصلی (جائے نماز) پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں، اس کے بعد مکبر اقامت کہتا ہے اور جب وہ حی علی الصلاۃ کہتا ہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں، ہر جمعہ کو ایسا ہی کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ بالکل نرالا اور خلاف سنت ہے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا یہ طریقہ نہیں تھا، مذہب حنفی کی معتبر اور مشہور کتاب درمختار میں ہے ''**فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل**'' یعنی جب امام خطبہ پورا کرے تو اقامت شروع کردی جائے اور فاصلہ مکروہ ہے، شامی میں ہے ''**(قولہ اقیمت) بحیث یتصل اول الاقامۃ بآخر الخطبۃ وتنتھی الاقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلاۃ** (٥٣)''، یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہوجانی چاہئے، اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کے آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلی (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہوجائے۔ (درمختار والشامی ج:۱ص:۷۷۰ باب الجمعۃ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ نو ایجاد، من گھڑت اور مکروہ ہے، اس کو مسنون اور مستحب سمجھنا بالکل غلط اور بے بنیاد اور گناہ کا باعث ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ مکروہ را مستحسن دانستن ازاعظم جنایاتست (٥٤)، مکروہ کو مستحسن سمجھنا اعظم جنایات میں سے ہے (یعنی بڑی مکروہ اور ممنوع چیز ہے)۔ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ج:۱ص:۳۹۴ مکتوب نمبر ۲۸۸)

---

(٥٣): (ردالمحتار علی الدرالمختار، ج: ٣، ص: ٣٩، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(٥٤): (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ج: ١، ص: ٥٧٠، مکتوب نمبر ٢٨٨، ط، ایچ ایم سعید)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ ''ایھا الناس انکم ستحدثون ویحدث لکم فاذا رأیتم محدثة فعلیکم بالامر الاول'' یعنی تم لوگ نئی نئی باتیں نکالوگے اور تم کو نئی نئی باتیں پیش آئیں گی پس جب تم نئی بات دیکھو تو پرانے طریقے کو لازم پکڑنا۔ (ازالۃ الخفاء ج: ا، ص: ۳۰۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج: ٦، ص: ۱۲۹، ط، دارالاشاعت کراچی)

خطبہ و جمعہ میں زیادہ فصل ہوجائے تو اعادہ خطبہ لازم ہے

سوال: خطبہ و جمعہ کے درمیان فصل ہوجائے تو کیا خطبہ کا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: خطبہ و جمعہ میں معتد بہ فصل ہوجانے سے اعادہ خطبہ ضروری ہے، لما فی الشامیة (قوله والخامس کونها قبلها) ای بلا فصل کثیر (ردالمحتار بیان شروط صحة الجمعه ج ا) وایضاً قال فی شرح التنویر ولو خطب جنبا ثم اغتسل استقبل خلاصة ای لزوما لبطلان الخطبة، سراج وفی الشامیة (قوله جاز) ای ولایعد الغسل فاصلاً لانه من اعمال الصلاة ولکن الاولٰی اعادتها کما لو تطوع بعدها او افسد الجمعة او فسدت بتذکر فائتة فیها کما فی البحر (شامیة ج ا) وایضاً فی شرح التنویر ویکره الفصل بامر الدنیا، وفی الشامیة اما بنهی عن منکر او امر بمعروف فلا وکذا بوضوء او غسل لو ظهر انهٗ محدث او جنب کما مر بخلاف اکل او شرب لو طال الفصل استأنف الخطبة کما مر فافهم (ردالمحتار ج ١ ص ٧٧١) فقط واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٢٢، ط، ایچ ایم سعید)

جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کھانا پینا اور خطبہ کے بعد نیت باندھنے سے قبل باتیں کرنے کا حکم

سوال: جمعہ کی اول اذان سے لے کر خطبہ کی اذان تک اور ایسے ہی خطبہ کی اذان سے نماز کے ختم تک کھانا پینا کیسا ہے، کیونکہ اکثر لوگ مسجد میں آکر خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور پیچھے بھی پانی پیتے رہتے

ہیں۔

خطبہ ختم ہونے کے بعد نیت باندھنے تک بول چال کرنی مثلاً نمازیوں کو پیچھے سے آگے بلانا یا صف سیدھی کرنے کے لئے بول چال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: دونوں اذانوں کے درمیان کھانا جائز ہے، بشرطیکہ جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کھانا جائز نہیں **فی الدر المختار سمع النداء وهو یاکل ترکه ان خاف فوت جمعة او مکتوبة لاجماعة (۵۵)**[**شامی، ص ۸۶۲ ج ۱**] اور خطبہ کے وقت کھانا پینا کلام کرنا حرام ہے، **کما فی الدر ایضاً وکل ما حرم فی الصلاة حرم فیها ای فی الخطبة خلاصة وغیرها فیحرم اکل وشرب وکلام الخ (۵۶) ص: ۸۵۸** اور خطبہ واقامت کے درمیان بھی امام صاحب کے نزدیک کسی قسم کا کلام جائز نہیں، البتہ صاحبین کے قول پر فقط دنیوی کلام ناجائز ہے، اور تسویۃ صفوف کے لئے کلام کی گنجائش ہے، **کما فی الدر المختار وقالا لابأس بالکلام قبل الخطبة وبعدها واذا جلس عند الثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالآخرة اما غیره فیکره اجماعاً(۵۷).** (امداد الاحکام، ج: ۱، ص: ۷۵۹، ۷۶۰، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

خطبہ کی غلطی سے نماز میں نقص نہیں آتا

سوال: اور خطبہ میں غلطی ہو جانے سے نماز میں تو کچھ نقص نہیں ہوتا؟

---

(۵۵):(الدرالمختار مع الشامی، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۴۱، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۵۶):(الدرالمختار مع الشامی، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۳۵، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۵۷):(الدرالمختار مع الشامی، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۳۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

الجواب: جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور خطبہ کی غلطی ہو جانے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔ (فتاوی دارالعلوم دیو بند، ج:۵،ص:۸۶، ط، دارالاشاعت کراچی)

دوران خطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کو جواب دینا

سوال: ایک خطیب نے خطبہ کی ابتداء میں خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہا: "**الحمدللہ الذی فضل نبینا علی سائر الانبیاء والمرسلین وانزل علیه الکتاب تبیاناً لکل شیء وھدی وبشریٰ للمؤمنین**".

تو ایک نابینا حافظ بولا تم نے خطبہ غلط پڑھا ہے، مولوی صاحب خطیب نے کہا میں نے ابھی خطبہ جمعہ پڑھنا شروع کیا ہے یہ آیتِ قرآن پاک پڑھی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خطبہ پڑھنا غلط ہے یا صحیح یا ناجائز یا گناہ؟

الجواب: خطبہ میں کوئی غلطی نہیں ہے بالکل درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ: "**انما بنیت الخطبة لذکر اللہ**" لہٰذا اگر خطیب اس کے بعد آیات قرآنیہ وغیرہ تلاوت نہ کرے تب بھی خطبہ صحیح ہوگا۔ نابینا کا اعتراض غلط ہے۔

سید مسعود علی غفرلہ مفتی انوار العلوم

جواب صحیح ہے لیکن خطیب صاحب کو دوران خطبہ نابینا کو جواب دہی کرنا غیر مناسب تھا بعد از فراغ سمجھانا چاہیئے تھا بہر حال ان کا اعتراض غلط ہے اگر واقعہ یہی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہٗ خادم الافتاء خیر المدارس

(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۹۳،۹۴، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

خطیب منبر پر پہنچ کر لوگوں کو اندر بیٹھنے کو کہہ سکتا ہے

سوال: خطیب کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر سے لوگوں کو یہ کہنا کہ پہلی صف میں آجایئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱): خطبہ کے وقت کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے اور نہ خطیب کسی کو حکم کرے دو رکعت نماز کے پڑھنے کا۔"**اذا خرج الامام فلا صلاۃ و لا کلام**". یعنی جس وقت امام خطبہ پڑھنے کو اٹھے اور منبر پر بیٹھے اس وقت سے نماز اور کلام سب ممنوع ہے۔

(۲): اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کذا فی الشامی۔ فقط۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۹۴، ط، دار الاشاعت کراچی)

خطبہ کے لئے اعلان کرنا

سوال: جمعہ کے خطبہ کا وقت ہونے پر مؤذن صاحب ممبر کے قریب کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ: حضرات آگے کی صف میں آجائیے۔ اس درمیان امام صاحب خطبہ کے لئے نکل کر ممبر پر تشریف فرما ہو چکے ہوتے ہیں، تو اس طرح کرنے یا کہنے میں کچھ خرابی نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً.....امام صاحب جب خطبہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کر ممبر کی طرف چلنے لگیں تب سے لے کر نماز کا سلام پھیریں وہاں تک کسی بھی طرح کی بات چیت کسی کے لئے بھی کرنا یا خطبہ سننے کے علاوہ کسی بھی کام میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے۔ اور اب امام صاحب کے علاوہ کسی اور کو امر بالمعروف کرنا بھی جائز نہیں ہے، خطیب مناسب سمجھے تو کر سکتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں خطیب کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد مؤذن کا لوگوں کو پہلی صف میں بیٹھنے کی ترغیب دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاوی دینیہ، ج:۲، ص: ۱۵۴، ۱۵۵، ط، ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی)

خطبہ جمعہ کے دوران خاموشی اور لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

سوال: جمعہ کے خطبے کے دوران مکمل خاموشی اختیار کرنے اور یہ کہ سلام کا جواب تک نہ دینے کے احکامات ہیں، مسجد میں موجود لوگ تو کسی حد تک اس کی پابندی کر سکتے ہیں، لیکن جبکہ مولوی صاحب اذان کے لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھ رہے ہوں تو اس صورت میں گھروں میں موجود ہزاروں مرد اور عورتیں، سڑکوں پر

گزرتے اور بازاروں میں خرید وفروخت کرتے ہوئے لوگ، نماز کی تیاری اور مختلف کاموں کوانجام دینے میں مصروف لوگ، واضح اور صاف طور پر خطبے کے الفاظ سننے کے باوجود اس کے احترام میں خاموشی اختیار نہیں کرسکتے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح اذان کے لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنے سے اس کا احترام نہ ہونے کی صورت میں اس کا وبال کس کے سر ہوگا؟ آیا مولوی صاحب یا ان افراد کے جن کے کانوں میں آواز آرہی ہو اور وہ احترام کرنے سے قاصر ہوں؟ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھنے کا کیا مقصد ہے؟

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ پہلی اذان پر ہر قسم کا کاروبار بند کردینا، اور نمازِ جمعہ کے لئے جانا واجب ہوجاتا ہے، اذان جمعہ کے بعد کاروبار میں مشغول ہونا حرام ہے(۵۸)، اس لئے بازاروں میں خرید وفروخت کرنے والوں کے بارے میں تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اذان جمعہ سن کر نماز جمعہ کے لئے نہ آنا خود اتنا بڑا گناہ ہے کہ تین جمعے ایسا کرنے سے دِل پر نفاق کی مہر لگ جاتی ہے، جو توبہ کے بغیر مرتے دم تک نہیں ٹوٹتی (۵۹)۔ ایسے لوگ اگر کاروبار کی وجہ سے خطبہ جمعہ نہیں سنتے تو اس میں قصور ان کے نفاق کا ہے نہ کہ خطبے کی آواز کا۔

جہاں تک جمعہ کی تیاری کرنے والوں کا تعلق ہے، تو کیا جمعہ تیاری خطبہ شروع ہونے کے بعد کی جاتی ہے؟ جمعہ کی تیاری تو یہ ہے کہ آدمی کم سے کم خطبہ شروع ہونے سے پہلے تو مسجد میں موجود ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں، اور پہلی دُوسری، تیسری اور چوتھی گھڑی میں آنے والوں کے نام علی الترتیب لکھتے رہتے ہیں، اور جب امام خطبے کے لئے نکلتا ہے تو وہ اپنے دفتر لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں اور ذکر یعنی خطبے کے سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں(۶۰)۔ گویا خطبہ شروع ہونے

---

(۵۸):في العالمكيرية: ويجب السعي وترك البيع بالاذان الاول. (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٩)

(۵۹)أن رسول الله ﷺ قال: من ترك ثلاث جمع تهاوناً بها طبع الله على قلبه. (سنن أبي داؤد،باب التشديدفي ترك الجمعة، ص: ١٦٠،رقم:١٠٥٢،ط،دارالسلام رياض)

(٦٠):عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي ﷺ: اذا كان يوم الجمعة=

کے بعد جو لوگ آتے ہیں، ان کے ناموں کا اندراج ان صحیفوں میں نہیں ہوتا، اور ان کی حاضری نہیں لگتی۔ اس لئے نمازِ جمعہ کی تیاری کو خطبے تک مؤخر کرنا نہایت غلط اور بُرا ہے، الا یہ کہ کبھی کسی خاص عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو معذوری ہے۔

جہاں تک گھر کی مستورات کا تعلق ہے، ان کے ذمے جمعہ کو آنا اور خطبہ سننا فرض نہیں، تاہم اگر گھروں میں خطبے کی آواز آرہی ہو اور وہ اس کے احترام میں خاموشی اختیار کریں تو ان کے لئے سعادت ورحمت کا موجب ہے۔ سڑکوں پر گزرتے ہوئے لوگوں کے کان میں اگر خطبہ جمعہ کی آواز آرہی ہو تو سڑکوں پر چیختے چلّاتے اور شور مچاتے چلنا عیب کی بات ہے، جو انسانی وقار کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپ نے جتنے اُمور ذکر کئے ہیں، ان میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ دینے سے مانع ہو، تاہم اگر خطبے کی آواز مسجد تک محدود رہے تو اچھا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۴، ص: ۱۴۳، ۱۴۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

جمعہ کا خطبہ ایک نے پڑھا اور نماز دُوسرے نے پڑھائی

سوال: پچھلے دنوں میں جمعہ پڑھنے گیا، جمعہ کا خطبہ اور جمعہ کی نماز الگ الگ مولوی صاحب نے پڑھائی، کیا اس طرح جمعہ پڑھانا جائز ہے؟ اسلام کی رُو سے اس کا جواب دیجئے۔

جواب: بہتر یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے نماز بھی وہی پڑھائے، تاہم اگر دُوسرے نے نماز پڑھادی تب بھی جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج: ۴، ص: ۱۴۴، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

=وقفت الملائكة على باب المسجد يكتبون الأول فالأول، ومثل المهجر كمثل الذى يهدى بدنة، ثم كالذى يهدى بقرة، ثم كبشاً، ثم دجاجة، ثم بيضة، فاذا خرج الامام طووا صحفهم ويستمعون الذكر. (الصحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب الاستماع الى الخطبة يوم الجمعة، ص: ۱۸۳، ط، دار السلام رياض)

”خطبہ جمعہ اور نماز دونوں تقریباً ایک چیز ہیں اس لیے ان دونوں کے لیے ایک ہی شخص ہونا چاہئے، البتہ اگر کہیں ایسا ہو جائے تو جمعہ ادا ہو جائے گا البتہ اس کو عادت نہیں بنایا چاہیے، تاہم تقریر اور خطبہ و نماز الگ الگ آدمی پڑھائیں تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: لاينبغي ان يصلي غير الخطيب لانهما كشئ واحد فان فعل بان خطب صبي باذن السلطان وصلى بالغ جاز. [الدرالمختار على صدر ردالمحتار، ج: ٢، ص: ١٦٢، باب الجمعة]۔ (فتاوى حقانيه، ج: ٣، ص: ٤٠٥، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك/خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ٣٨، مكتبه امداديه ملتان)

بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا

سوال: خطبہ کے وقت خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے؟ سنت ہے یا بدعت؟ **بینوا تو جروا**

الجواب باسم ملهم الصواب: اس سے متعلق عباراتِ فقہ مختلف ہیں، صورتِ تطبیق یہ ہے کہ فی نفسہٖ سنت غیر مؤکدہ ہے مگر اس کا التزام واستمرار مکروہ بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج:۴، ص:۱۵۲، ط، ایچ ایم سعید)

مولانا عبدالکریم صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: عصاء لینا مستحب ہے، لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا، **في الدر ويكره ان يتكى على قوس او عصاء وفى الشامى نقل القهستانى عن عيد المحيط ان اخذ عصاسنة كالقيام[ص ٨٦٢ ج ١] وقال شيخنا مدظلهم العالى ان الكراهة محمولة على مقصوده. والله اعلم.** (امداد الاحكام، ج: ١، ص: ٧٥٩، ط، مكتبه دار العلوم كراچى)

غیر عربی میں خطبہ دینے کا حکم

سوال: خطبہ عربی میں دینا واجب ہے یا سنت اگر کوئی شخص غیر عربی میں خطبہ دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: خطبہ عربی زبان میں دینا سنتِ مؤکدہ اور ضروری ہے۔ کسی اور زبان میں دینا مکروہِ

تحریمی ہے۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول پوری زندگی عربی زبان میں خطبہ دینے کا تھا۔ حالانکہ وہ مشرق ومغرب میں پھیلے، عجمی ممالک کو فتح کیا اور وہیں پر خطبے دیئے، لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کا خطبہ غیر عربی میں دیا ہو۔بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ خطبہ تذکیر اور نصیحت ہے لہٰذا سامعین کی زبان میں ہونا چاہئے۔مگر ان کو سوچنا چاہئے کہ خطبہ ذکر ہے، قرآنِ کریم میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فاسعوا الی ذکر اللّٰہ﴾ یعنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ واللہ عزوجل کے ذکر سے مراد محدثین اور مفسرین کے نزدیک خطبہ جمعہ ہی ہے۔نیز ایک حدیث میں بھی خطبہ کو ذکر فرمایا گیا ہے:

فاذا خرج الامام حضرت الملائکة یستمعون الذکر. [بخاری شریف: ۱/۱۲۱/ ۸۷۱، باب فضل الجمعة]

یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے تو فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ خطبہ نماز اور اذان کی طرح ذکر ہے تو جس طرح نماز اور اذان کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اسی طرح خطبہ کا بھی عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

وأما کونها عربیة فلاستمرار أهل الاسلام فی المشارق والمغارب به مع أن فی کثیر من الأقالیم کان المخاطبون أعجمین. [مصفی شرح مؤطا: ص ۱۵۴ باب التشدید علی من ترك الجمعة من غیر عذر]

یعنی خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام مشرق ومغرب میں یہی طریقہ جاری رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سامعین اور مخاطب عجمی ہوا کرتے تھے لہٰذا عربی میں خطبہ وجمعہ وعیدین کی پابندی ضروری ہے۔نیز علامہ لکھنویؒ نے بھی غیر عربی میں مکروہِ تحریمی فرمایا ہے:

فانه لاشک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی ﷺ والصحابة رضی اللّٰه عنهم فیکون مکروهاً تحریماً. [عمدة الرعایة علی شرح الوقایة: ۱/ ۲۰۰، رقم الحاشیة۲ ہ، المجیدی کانفور]

نیز ملاحظہ ہو: [الفقه الاسلامی وادلته: ۲/ ۲۸۹، دار الفکر۔ اتحاف السادة المتقین

شـرح احيـاء عـلـوم الـديـن: ٣/ ٣٢٦ـ والانـصاف فى معرفة الراجح من الخلاف: ٢/ ٣٨٧ـ وفتاوى دار العلوم ديوبند: ٥/ ٩٠، دار الاشاعت ـ وامداد الاحكام: ١/ ٧٣٢]

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: [فتـاوی مـحموديه: ٨/ ٢١٥ـ ٢٣٩، مبوب ومرتب، جامعه فـاروقيـهـ وجـواهـر الـفـقـه "الاعـجـوبة فى عربية خطبة العروبة" ١/ ٣٤٧، مكتبة دار العلوم كـراچـىـ ومـجـمـوعة الفتاوى لكهنوى: ١/ ٣٥٩، آرام باغ كراچى]ـ والله سبحانه وتعالىٰ اعلمـ (فتاوى دار العلوم زكريا، ج: ٢، ص: ٦٦٣، ٦٦٤، ط، زمزم پبلشرز كراچى)

جمعہ کا خطبہ نابالغ پڑھائے اس کا حکم

سوال: ایک امام مسجد جو کہ بچوں کو تعلیم دیتا ہے جمعہ کا خطبہ نابالغ بچہ سے پڑھوا کر خود نماز پڑھاتا ہے۔ متقدیوں میں سے اکبر علی نے کہا کہ نابالغ کا خطبہ جائز نہیں آپ دوبارہ خطبہ پڑھیں ورنہ نماز نہ ہوگی۔ امام نے کہا ہم ایسا ہی پڑھاویں گے جائز ہے نماز کے بعد بدھومیاں نے کہا ہم نے نابالغ کو پڑھتے بہت جگہ دیکھا ہے۔ چنانچہ ضداً چار جمعہ تک مختلف نابالغوں سے پڑھوایا۔ جب چاروں طرف سے ناجائز ہونے کا غل مچا تو خود پڑھانے لگے۔ چنانچہ رام پور دہلی وغیرہ سے ناجائز ہونے کا فتویٰ بھی آ گیا۔ اب معلوم کرنا یہ ہے کہ چار جمعہ کی نماز نہ ہوئی تو اس کے ذمہ دار امام صاحب تنہا ہوئے یا کہ پشت پناہ مددگار بدھوں میاں بھی ہوئے۔ دونوں کو توبہ کرنا ہوگا۔ یا امام صاحب کو چونکہ دہلی اور رام پور کے فتوے کے سننے کے بعد بدھومیاں نے انکار کیا کہ ہم فتوی منگائیں گے تب مقابلہ کریں گے؟

الجواب: درمختار میں ہے۔ **لاينبغى ان يصلى غير الخطيب لانهما كشئ واحد فان فعل بان خطب صبى باذن السلطان وصلى بالغ جاز هو المختار** اور شامی میں ہے **وفى الظاهرية لو خطب صبى اختلف المشائخ فيه والخلاف فى صبى يعقل اهـ والاكثر على الجواز. اسماعيل (٦١).**

---

(٦١): (ردالمحتار على الدرالمختار، ج:٣، ص: ٣٩، ٤٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ پہلی نمازیں صحیح ہوگئیں ترجیح اسی کو ہے لیکن آئندہ ایسا نہ چاہئے۔ بلکہ جوشخص نماز پڑھاوے وہی خطبہ پڑھے۔ اگر امام ضداً ایسا کرے گا تو وہ اوراس کے معاون دونوں گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد المفتین، ص:۳۳٦، ط، دارالاشاعت کراچی)

جمعہ پڑھنے کے بعد دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے

سوال: ایک شخص جو کہ خود جمعہ پڑھ چکا ہو وہ دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: اس بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا البتہ چونکہ صحتِ خطبہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ خطیب پر جمعہ فرض ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص خطبہ پڑھ سکتا ہے۔ **قال فی التنویر فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز هو المختار.** [ردالمحتار ج: ۱، ص: ۷۷۱] **فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم.** (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ۱۳۸، ط، ایچ ایم سعید/ خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۳۸، مکتبه امدادیه ملتان)

اگر اثنائے خطبہ جمعہ وعیدین یاد آوے کہ صلاۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

سوال: اگر خطبہ عیدین یا جمعہ میں امام کو خیال آیا کہ نماز فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

الجواب: فی الدرالمختار: باب الجمعة ولو خطب جنباً ثم اغتسل وصلی جاز وفيه واذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام الى تمامها خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية فانها لاتكره سراج وغيره لضرورة صحة الجمعة.

اس سے معلوم کہ خطبہ تو درست ہوجائے گا لیکن نماز جمعہ نہ پڑھاوے اگر صاحب ترتیب ہو بلکہ دوسرے سے پڑھاوے اور خطبہ وعیدین میں یاد آوے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ترتیب خود فرائض وعیدین کی نماز میں بھی واجب نہیں اور خطبہ میں تو کہیں بھی واجب نہیں ہوتی۔

فی الدرالمختار: باب قضاء الفوائت الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء

وقضاء لازم، وفی ردالمحتار: ودخل فيه الجمعة فان الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم فلو تذكر انه لم يصل الفجر يصليها ولو كان الامام يخطب اسماعيل عن شرح الطحاوی اهـ. (امداد الفتاوی، ج: ٣، ص: ٢٥، ٢٦، ٢٧، ط، زکریا بُك ڈپو الهند)

ایک ہی دن میں جمعہ اور عید کے خطبہ کا حکم

سوال: بعض لوگوں سے سُنا گیا ہے کہ اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے اس لیے کہ دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں، کیا واقعی دو خطبے ایک دن جمع کرنا صحیح نہیں یا کہ دونوں واجب ہے؟

الجواب: جمعہ وعید کی نمازیں دونوں الگ الگ واجبات ہیں، ایک کی ادئیگی سے دُوسرا ساقط نہیں ہوتا اس لیے دونوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اما مذهبنا فلزوم كل واحد منهما. [رد المحتار، ج: ٢، ص: ١٦٦، باب العيد مطلب فی الفأل والطيرة]۔ (فتاوی حقانيه، ج: ٣، ص: ٣٩٨، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)

رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں خطبۃ الوداع پڑھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے آخری خطبہ الوداع الفراق، الوداع الفراق یا شہر رمضان وغیرہ کے الفاظ سے پڑھنا کسی حدیث سے ثابت ہو تو تحریر فرمادیں؟ بہت سے لوگ خطبۃ الوداع سننے کے لئے دور دراز سے آتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے، اگر یہ مستحب یا مسنون ہو تو روایات تحریر فرمادیجئے۔

الجواب وباللّٰه التوفيق: رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ''**الوداع والفراق والسلام یا شهر رمضان**'' وغیرہ کے الفاظ سے خطبۃ الوداع پڑھنا حضرت سید الکونین علیہ السلام، خلفاء

راشدین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں ہے، اس کو اکابر اہل فتاوی نے مکروہ و بدعت لکھا ہے، ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے مجموعۃ الفتاوی اور خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۳۲۹ کے حاشیہ میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ ۱۲۳ میں، اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۱/ ۶۸۵ میں، اور حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاوی دارالعلوم ۵/ ۹۶ میں اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فتاوی محمودیہ مطبع ڈابھیل ۸/ ۲۹۶، مطبع میرٹھ ۱۲/ ۴۱۶ میں اور مفتی شفیعؒ نے امداد المفتین ۴۰۴ میں بدعت اور مکروہ لکھا ہے، اس لئے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ''الوداع والفراق والسلام یا شهر رمضان'' وغیرہ کے الفاظ سے خطبہ پڑھنا ترک کر دینا چاہئے۔ اور مسنون خطبہ پڑھنا چاہئے، ہاں البتہ ماہ شعبان کے آخری جمعہ کے بیان میں رمضان المبارک کے مہینہ کی فضیلت سے متعلق بیان کرنا بہتر اور افضل ہے....الخ۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۹، ص: ۴۳۰، ۴۳۱، ط، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/ امداد الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۴۶ تا ۱۴۹، ط، زکریا بک ڈپو الہند)

''ارحم امتی بامتی ابوبکر'' والی حدیث ترمذی میں ہے

سوال: اکثر خطیب حضرات خطبہ جمعہ میں ایک حدیث شریف پڑھتے ہیں: **قال النبی ﷺ: أرحم أمتی بأمتی أبو بكر وأشدهم فی أمر الله عمر وأصدقهم حياء عثمان وأقضاهم علی**'' دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حدیث میں اسی سند کے ساتھ ''**وأقضاهم علی**'' کے الفاظ آئے ہیں؟ اور کیا اس حدیث کو اسی طرح خطبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: یہ حدیث ترمذی میں ہے، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن کہا ہے (۶۲)۔

---

(۶۲): وعن أنسؓ أن النبیﷺ قال: أرحم أمتی بأمتی أبوبكر، وأشدهم فی أمر الله عمر، وأصدقهم حياء عثمان.....رواه أحمد، والترمذی وقال: هذا حديث حسن صحيح. وروی عن معمر عن قتادة مرسلاً وفيه: وأقضاهم علی. (مشكوة المصابيح مع مرقات المفاتيح، كتاب المناقب، باب مناقب العشرة رضی الله عنهم، ج: ١١، ص: ٢٧٣، ٢٧٤، رقم: ٦١٢٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

خطبہ جمعہ میں پڑھی جانے والی حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کا اضافہ

سوال: جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں حدیث شریف آتی ہے ''**قال النبی ﷺ ارحم امتی بامتی ابو بکر ....الخ**'' خطبہ میں خطیب اس حدیث کے پڑھنے کے وقت حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کا جب نام آتا ہے تو ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کہتے ہیں، ایک عالم کا کہنا ہے کہ صرف ابوبکر کہنا چاہئے رضی اللہ عنہ نہیں کہنا چاہئے، اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا تو رضی اللہ عنہ نہیں فرمایا تھا، رضی اللہ عنہ کہنا حدیث میں اضافہ کرنا ہے، آپ سے عرض ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں صحیح کیا ہے؟ رضی اللہ عنہ کہنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً... جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ سب حضرات کا نام لے کر آخر میں رضی اللہ عنہم اجمعین یا رضوان اللہ علیہم اجمعین کہنے کا جو طریقہ جاری ہے وہ بلا تأمل جائز ہے اور یہی ادب ہے، صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے اسے حدیث میں اضافہ نہیں کہا جا سکتا۔

درمختار میں ہے **(ویستحب التراضی للصحابة) وکذا من اختلف فی نبوته کذی القرنین ولقمان وقیل یقال صلی اللّٰه علی الانبیاء وعلیه وسلم کما فی شرح المقدمة للقرمانی.** ردالمحتار میں ہے۔ **(قوله ویستحب الترضی للصحابة) لانهم یبالغون فی طلب الرضی من اللّٰه تعالیٰ ویجتهدون فی فعل ما یرضیه ویرضون بما یلحقهم من الابتداء من جهته اشد الرضی فهولاء احق بالرضی وغیرهم لایلحق ادناهم ولو انفق مل الارض ذهبا ذهبی** (درمختار و ردالمحتار ص ٦٥٩ ج٥، مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض) فقط واللّٰه اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیه، ج: ٦، ص: ١٤٩، ط، دار الاشاعت کراچی)

خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر

سوال: خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکرِ خیر کس سے اور تاریخ میں شامل ہوا ہے؟

الجواب: حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خطبہ میں تذکرہ مستحسن ہے۔ ''مراقی'' میں ہے **وذکر الخلفاء الراشدین والعمین مستحسن بذالک جری التوارث.** [مراقی، ص: ٢٨١]۔ ضروری ہی تصور کیا جائے۔ حضرات خلفاءِ راشدین اور حضراتِ صحابہ کرام علیہم الراضوان کے تذکرہ کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ [المتوفی احدی ومأ تہ: الاکمال: ص: ٦١٠] نے کی تھی۔ علامہ ابن الحاج تذکرہ خلفاء فی الخطبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

بـدأ عمر بن عبدالعزيز لامر كان وقع قبله وقال مالک فی حقه وهو امام الهدیٰ وان اقتدی به. [كتاب المدخل: ج: ٢، ص: ٧٥]۔ فقط واللّٰه اعلم۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ٧٦، ط، مكتبه امداديه ملتان/ فتاوى حقانيه، ج: ٣، ص: ٣٨٦، ط، مكتبه سيد احمد شهيد اكوڑه خٹك)

خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام نہ لینا

سوال: خطبہ میں جب خلفائے راشدین کا تذکرہ آتا ہے تو عام طور پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں یعنی والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام کیوں نہیں ذکر کرتے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام ذکر کریں اور یوں کہیں ابوبکر بن ابی قحافۃ تو تکرارِ کنیت کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، اور اگر کنیت کو چھوڑ کر صرف نام پر اکتفاء کریں مثلاً عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہما تو چونکہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے تعریف مکمل نہیں

ہوتی، اس وجہ سے فقط ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی واحدی میں ہے۔

سوال: ما الوجه فی ترک نسبة الصديق رضی اللّٰہ عنه الی أبيه فی الخطبة كما ينسب سائر الخلفاء رضی اللّٰہ عنهم الی آبائهم؟

الجواب: والوجه فی ترک نسبة الصديق رضی اللّٰہ عنه وان كان اسمه عبداللّٰہ لكنه اشتهر بكنية أبی بكر وكذلک والده رضی اللّٰہ عنه وان كان اسمه عثمان رضی اللّٰہ عنه لكنه كان مشهوراً بكنية أبی قحافة رضی اللّٰہ عنه فلو نسب الكنية الی الكنية مع تكرار لفظ الأب لأدی ذلک الی الثقل فی اللفظ كما يشهد به الذوق السليم.

ولو نسب الاسم الی الاسم لم يحصل التعريف المطلوب لعدم لشهرة بالاسم فأقيم الوصف المشهور بالصديق مقام النسبة لأن الغرض هو التعريف وهو كما يحصل بذكر النسبة فكذلک يتحقق بذكر الوصف المذكور، وأما سائر الخلفاء رضوان اللّٰہ تعالٰی عليهم أجمعين فالفاروق وذو النورين كانا مشهورين باسمائهما كآبائهما فليس هناک كنية أصلا فنسب الاسم الی الاسم وأن المرتضی كرم اللّٰہ وجهه فان والده كان مشهوراً بالكنية لكنه ﷺ كان مشتهراً باسمه فلو يتحقق انتساب الكنية الی الكنية المؤدی الی الثقل بل انتساب الاسم الی الكنية ولاثقل فيه. [فتاوی واحدی: ص٢٣٥]

واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زكريا، ج: ٢، ص: ٦٦٤، ٦٦٥، ط، زمزم پبلشرز كراچی)

خطبہ میں حضرت حمزہؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نام لینے کی وجہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ ثانی میں چار خلفاء کا نام ہے اور حضرت حمزۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے، ان کا نام خطبہ میں کیوں رکھا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت حمزۃ رضی اللہ عنہ کا نام روافض کے جواب میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام خوارج کے جواب میں لیا جاتا ہے۔

وذکر الخلفاء الرشدین مستحسن بذلک جری التوارث وبذکر العمین.

[البحر الرائق/باب صلاۃ الجمعۃ ۲۵۹/۲ رشیدیہ، کذا فی الفتاوی الھندیۃ ۱۴۷/۱] فقط واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ٥، ص: ۲۷٤، ط، المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد الھند)

خطبہ جمعہ میں بناتِ مکرمات رضی اللہ عنہن کا ذکر مبارک

سوال: خطبہ جمعہ میں کوئی خطیب حضور ﷺ کی چاروں بیٹیوں کا نام بالترتیب لے، تو کیا اس طرح کا خطبہ پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ دلائل کی وضاحت کے ساتھ جواب مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً: ہر زمانہ میں خطبہ کے مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہلِ سنت والجماعت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چناں چہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ اوران کے لیے دعا اوران کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلک اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانوں میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لیے انہی صحابہ کا ذکر کافی تھا، جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، (دورِ حاضر کے) روافض کو حضرت فاطمہ کے سوا دوسری بنات مکرمات رضی اللہ عنہن کے مناقب وفضائل کا ذکر اوران کے لیے دعاء ترضی کا معمول بنانا چاہیے، اس سے اکابر کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے تحت کیا گیا ہے۔ [احسن الفتاوی ۱۴۶/۴ بحذف وتغییر یسیر] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (محمود الفتاوی، ج:۳، ص:۱۷۹، ۱۸۰، ط، مکتبہ محمودیہ)

خطبہ میں ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

سوال: حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہ نے جو خطبات شائع کئے ہیں جن میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور ﷺ کی بقیہ تین صاحبزادیوں کے نام بھی درج ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے باقی صحابہ کے ساتھ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی درج ہے، یہ خطبات جمعہ میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو صرف مباح کی حد تک یا موجودہ حالات کے پیش نظر افضل ومؤکّد ہے؟ اگر یہ جائز وافضل ہے تو ہمارے عمائدین متقدمین ومتأخرین میں جو خطبات مروج تھے اُن میں مندرجہ بالا نام کیوں درج نہیں تھے؟ نیز یہ کہ ان خطبات سے اکابر، سلفِ صالحین مثلاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف تو لازم نہیں آئے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: ہر زمانہ میں خطبہ کے مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلکِ اہل سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماءِ مبارکہ اور ان کے لئے دعاء اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلکِ اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانہ میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لئے انہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کافی تھا، جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، جدید دور کا ایک جدید فتنہ ایک ایسی جماعت کا ظہور ہے جو اہلِ سنت ہونے کی مدعی ہے، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت کا دعویٰ کرتی ہے، مگر قلوب بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسموم ہیں، بالخصوص حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق ان کے قلوب کی نجاست اُن کی زبان وقلم سے مسلسل اُبل رہی ہے، مسلک اہلِ سنت میں کسی صحابی سے متعلق ادنیٰ سے ادنیٰ بدگمانی کی بھی گنجائش نہیں، کسی بھی صحابی کے بارے میں ذرا سی بدگمانی بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی موجب ہے، اس لئے یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں، اور الحادمیں روافض ہی کی راہ چل رہے ہیں، نیز روافض کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دوسری بناتِ مکرّمات سے بھی بغض ہے، اس لئے اُن فتنوں پر تردید کی پیش نظر خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بناتِ مکرّمات رضی اللہ

تعالیٰ عنہن کے مناقب وفضائل کا ذکر اوران کے لئے دعاء ترضّی کا معمول بنانا چاہئے،اس سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے،اس لئے کہ اُن کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں اُن میں یہ اضافہ بھی اُسی نظریہ کے تحت کیا گیا ہے جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے،فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔(احسن الفتاوی، ج:۴،ص:۱۵۵،۱۵۶، ط،ایچ ایم سعید/ فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۲،ص:۶۶۵،ط،زمزم پبلشرز)

خطبہ جمعہ میں کسی بزرگ آدمی کی تعریف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سکھر شہر کے ایک بزرگ کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے ان کے انتقال کے بعد ان کے مسجد کے امام صاحب نے خطبہ جمعہ میں یہ طرز اختیار کیا ہے کہ پہلے خطبہ میں تحمید، تسبیح اور چند احادیث پڑھنے کے بعد ان بزرگ کے چند ملفوظات عربی میں ترجمہ کر کے ’’قال شفق الأمة‘‘ کے عنوان سے پڑھتے ہیں،اس میں خلجان یہ ہے کہ اس سے قبل بھی اکابرین کا انتقال ہوا مگر ایسی کوئی صورت سامنے نہیں آئی شاید کوئی جواز کی صورت نکل آئے،لیکن فی نفسہ مذکورہ طرز عمل پر دل میں خطرہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ فعل آئندہ چل کر غلو فی الدین کی کوئی شکل اختیار نہ کر لے؟

الجواب باسم الملک الوهاب: صورت مرقومہ میں شامی میں ہے کہ پہلا خطبہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء، شہادتین اور درود شریف اور قرأت کے بعد وعظ ونصیحت کے مضامین ہونے چاہئیں اور وعظ ونصیحت کے لیے صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفاء راشدین اور عمینؓ کا تذکرہ مستحب ہے، دیگر کسی کا تذکرہ مناسب نہیں ورنہ تو پھر تابعین وتبع تابعین کا تذکرہ بھی لازم آئیگا اور یہ ایک طویل سلسلہ بن جائے گا، لہٰذا مذکورہ امام مسجد کو انتقال کرنے والے بزرگ کے ملفوظات کو ترک کرنا ضروری ہے اور دوسرا خطبہ بھی پہلے کی طرح ہے الا یہ کہ اس میں وعظ ونصیحت کی بجائے مسلمانوں کے لیے دعا ہو۔

ویسن خطبتان خفیفتان الخ ویندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین، ویبدأ ای قبل الخطبة الاولی بالتعوذ سرا ثم بحمداللّٰہ تعالٰی والثناء علیه والشهادتین والصلاة علی

النبی ﷺ والعظة والتذکیر والقرأة قال فی التجنیس والثانیة کالاولی الا انه یدعو للمسلمین مکان الوعظ.... [الدر مع الرد: ۵۹۸/۱]۔ (ارشاد المفتین، ج: ٤، ص: ٥٤٥، ٥٤٦، ط، مکتبه الحسن لاهور)

خطبہ جمعہ میں والسلطان العادل ظلل اللّٰہ فی الارض الخ پڑھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ جمعہ میں ”**والسلطان العادل ظلل اللّٰہ فی الارض من اهان سلطان اللّٰہ فی الارض اهانه اللّٰہ**“ کہنا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: یہ حدیث کے الفاظ ہیں ان کا خطبہ میں ذکر کرنا قابل اعتراض نہیں البتہ موجودہ دور کے سلاطین کو عادل کہنا قابل اعتراض ہے۔ (فتاوی فریدیہ، ج:۳، ص:۱۸۵، ۱۸۶)

جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل وانصاف کی دعاء

سوال: کیا جمعہ کے خطبہ میں حاکمِ وقت کے لئے عدل اور رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک کی توفیق کی دعاء کرنا درست ہے؟

الجواب: درست ہے مگر تعریف والقاب میں مبالغہ نہ کریں۔ دعا تک ہی محدود رکھیں۔ **وجاز الدعاء للسلطان بالعدل والاحسان اهـ** (۶۳). [طحطاوی، ص: ۲۸۱]۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۱۲، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

جمعہ کے خطبہ میں ”منکرینِ ختم نبوت“ کی تردید کرنا

سوال: اس موجودہ پُرفتن دور عام طور پر مُسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کی اہمیت

---

(۶۳):(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب الجمعة، ص: ٥١٦، ط، دار الکتب العلمية بيروت لبنان)

جتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کیا اس وقت خطباء اپنے خطبات میں جمعہ کے روز فقط عربی زبان میں مندرجہ الفاظ بڑھا سکتے ہیں۔ تاکہ مذہب اہل سنت والجماعت کی پوری ترجمانی ہو سکے، جو درحقیقت اسلام اور دین حق ہے۔ خطبہ معروفہ کے اولیٰ خُطبہ میں "**ونشهد ان من ادعى النبوة بعد سيدنا ﷺ سواء كان تشريعيا او غير تشريعي كمسيلمة الكذاب وغلام احمد القادياني كذاب دجال كافر مرتد خارج عن الاسلام لا نبى بعد سيدنا ﷺ تسليما كثيرا كثيرا**" اور دُوسرے خُطبہ میں بھی مندرجہ ذیل الفاظ قابل اضافہ ہیں۔

اللّٰهم اشدد وطأتک علی المرزاییئن ومن یتولهم من المنافقین والکافرین اعدائک اعداء الدین اللّٰهم انا نجعلک فی نحورهم ونعوذبک من شرورهم.

الجواب: خطبہ جمعہ کے اندر الفاظ مندرجہ بالا جن میں آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا تذکرہ ہو، اور دیگر مدعیان نبوت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے بلکہ جس ملک یا علاقہ میں آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف کوششیں ہو رہی ہوں وہاں اس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہیں۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً حکام اسلام کو ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے، ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضُعف کا خطرہ ہے۔ جمعوں خطبوں اور دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے۔ اور عبادات سے روکنا کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۹۲، ۹۳، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

خطبہ جمعہ میں کفار کیلئے بددعاء کرنا کیسا ہے

سوال: خطبہ جمعہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا اور کفار کے لئے بددعاء کرنا کیسا ہے؟

الجواب: خطبہ ثانیہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا مستحب ہے۔ **قال فی التجنیس والثانیة کالاولٰی الا انه یدعو للمسلمین مکان الوعظ اهـ** (شامی: ج ۱، ص ۷۵۹)

فی نفسہٖ کفار ومشرکین پر لعنت کرنا جائز ہے چنانچہ بعض مواقع پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن جزءِ خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں لہٰذا عام حالات میں ترک انسب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۴۷، ۴۸، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

خطبہ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم

سوال: جمعہ کی نماز اور خطبہ سے پہلے تقریر کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟
پھر بعض جگہوں میں سنتوں کے لئے خطبہ سے پہلے وقت دیا جاتا ہے اور بعض جگہوں میں تقریر کے دوران لوگ سنتیں پڑھتے ہیں ان میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب: نمازی حضرات کی رضامندی سے اذانِ اول کے بعد خطبہ اور نماز سے پہلے تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرکِ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ خطیب کے خطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے اور احادیث بیان فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

كان أبوهريرة رضى الله عنه يقوم يوم الجمعة الى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه فى ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول الله قال الصادق المصدوق ﷺ ثم يقول فى بعض ذلك ويل للعرب من شر قد اقترب فاذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الامام جلس. [المستدرك للحاكم: ١٠٨/١، كتاب العلم]

اسی طرح علامہ زبیدیؒ نے جمعہ کے دن دینی مجالس کے قیام کا مشورہ دیتے ہوئے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے درجِ ذیل حضرات سے ان مجالس کا جواز نقل فرمایا ہے: "**قد روى ابن أبى شيبة جواز ذلك عن السائب رضى الله عنه وعبدالله بن بسر رضى الله عنه وابن عمر رضى الله عنه وأبى هريرة رضى الله عنه**". [اتحاف سادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ٣/ ٢٧٧]

نیز ہمارے زمانہ میں دین سے دوری ہے اور مسائل علمیہ جاننے اور مجالس علمیہ میں آنے کا شوق نہیں رہا ہے اس لئے لوگوں تک دین کی معلومات بہم پہنچانے کے لئے جمعہ سے پہلے تقریر بے حد مفید ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہؒ سے جب استفسار کیا گیا کہ لوگ عربی زبان سے بے بہرہ اور ناواقف ہیں ان کے نفع کے لئے اردو زبان میں خطبہ کا ترجمہ کیسا ہے؟

حضرت نے جواب رقم فرمایا:

اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریاتِ دینیہ بیان کردے۔ (کفایت المفتی :۲۱۴/۳)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الاحکام: ۷۷۲/۱، خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔ وفتاوی محمودیہ: ۲۵۶/۸، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی رحیمیہ: ۲۶۴/۱۔

سنتوں کے لئے خطبہ سے قبل الگ وقت مناسب ہے، درمیانِ تقریر سنتیں پڑھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ خود سنتیں پڑھنے والے کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ بات خلافِ ادب بھی ہے کہ اجتماعی دینی بات کو نہ سنا جائے اور کسی انفرادی عمل میں مشغول ہوجائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زکریا، ج:۲ص: ۶۳۸، ۶۳۹، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

خطبے سے پہلے اور جمعہ کے بعد دونوں وقت وعظ کہنا جائز ہے، جس صورت میں مسلمانوں کا زیادہ فائدہ اور سہولت ہو اسے اختیار کیا جاسکتا ہے، اور خطبے سے پہلے وعظ کہنے کو بدعت قرار دینا غلط ہے، ہاں! وہ مباح ہے، خاص اس وقت کے لحاظ سے اسے مسنون یا واجب قرار دینے سے بدعت ہوجائے گا۔ (فتاوی عثمانی، ج:۱ص: ۵۱۲، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سنیں

سوال: جب کوئی شخص تلاوت کررہا ہو اور جمعہ کا بیان شروع ہوجائے آیا یہ شخص تلاوت کرتا رہے یا تلاوت بند کرکے بیان سنے؟

الجواب: تلاوت کو مؤخر کرکے وعظ سُنے بشرطیکہ وہ حقیقت میں وعظ نصیحت ہو، شامی میں (**قولہ فاستماع العظة اولیٰ**) کے تحت لکھا ہے:

الظاهر ان هذا خاص بمن لاقدرة لهٗ علی فهم الآیات القرآنیة والتدبر فی معانیها الشرعیة والا تعاظ بمواعظها الحکمیة اذ لاشک ان من له قدرة علی ذلک استماعه اولٰی بل اوجب بخلاف الجاهل فانه یفهم من المعلم والمواعظ مالایفهم من القاری فکان ذلک انفع لهٗ اھـ. [شامیه، ج: ١، ص: ٦٢٠]۔ فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ٩٩، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

منبر کے درجات

سوال: منبر کے درجے اگر تین سے کم یا زیادہ کئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: حضور اکرم کے منبر کے تین درجات تھے، اس سے موافقت اولیٰ ہے اور کمی وزیادتی بھی جائز ہے۔ **قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ ومنبرہ ﷺ کان ثلاث درج غیر المسماة بالمستراح.** [ردالمحتار ج: ١، ص: ٧٧٠] فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٣٠، ط، ایم ایچ سعید)

منبر میں کتنی سیڑھی ہونا افضل ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے خطبہ کے لئے جو ممبر مسجد میں بنایا جاتا ہے، اس میں کتنی سیڑھیاں ہونی چاہیے، دو یا تین، افضل سنت کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق: خطبہ جمعہ کے لئے جو ممبر ہوتا ہے اس کے لئے تین سیڑھیاں ہونا مسنون اور یہی افضل بھی ہے۔ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے جو ممبر بنایا گیا تھا، اس میں تین ہی سیڑھیاں تھیں۔ اور آج کل حرمین شریفین کے ممبروں میں جو زیادہ سیڑھیاں نظر آرہی ہیں، وہ بنوامیہ کے زمانہ میں مروان بن حکم نے اضافہ کیا تھا، اس کے بعد اس میں اضافہ کیساتھ سلسلہ چلتا رہا ہے، مگر خلفاء راشدین کے زمانہ میں وہی تین سیڑھیاں تھیں، جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں تھیں۔

وفـي حـديـث طـويـل طـرفـه هـذا: وكـان منبر النبيﷺ قصيراً، انما هو ثلاث درجات. الحديث (مسند أحمد بن حنبل ١/٢٦٩، رقم: ٢٤١٩)

عـن الـطـفيـل بـن أبـى بـن كعبؓ، عن أبيه، قال: كان رسول اللّٰهﷺ يصلى الى جـذع اذ كـان المسجد عريشاً وكان يخطب الى ذلک الجذع، فقال رجل من أصحابه، يـا رسـول الـلّٰـه! هـل لک أن نجعل لک شيئاً تقوم عليه يوم الجمعة، حتى يراک الناس وتسـمـعهـم خـطبتک؟ قـال: نـعـم! فصنع له ثلاث درجات، فهى التى أعلى المنبر، فلما وضـع الـمـنـبـر، وضـعـوه فـى موضعه الذى هو فيه، فلما أراد رسول اللّٰهﷺ أن يقوم الى الـمـنـبـر مـر الـى الـجـذع الـذى كـان يـخطب اليه، فلما جاوز الجذع، خار حتى تصدع وانشق، فنزل رسول اللّٰهﷺ لما سمع صوت الجذع، فمسحه بيده حتى سكن، ثم رجع الى المنبر، فكان اذا صلى صلى اليه، فلما هدم المسجد وغير أخذ ذلک الجذع أبى بن كـعب، وكان عنده فى بيته حتى بلى فأكلته الأرضة وعاد رفاتاً. (ابن ماجة، كتاب الصلاة، بـاب مـاجـاء فـى بدء شان المنبر، النسخة الهندية ١٠٢، دار السلام رقم: ١٣١٣، مسند أحمد ٥/١٣٧، رقم: ٢١٥٦٨، ٢١٥٧٢، ٢١٥٨٠)

عبـدالـرزاق، عـن رجـل، مـن اسـلـم عـن صـالح مولى التوأمة، أن بأقوال، مولى الـعـاص بـن أمية صنع للنبىﷺ منبره من طرفاء ثلاث درجات، فلما قدم معاوية المدينة زاد فيـه، فـكسـفت الشمس حينئذ. (مـصـنف عبـدالـرزاق، كتاب الصلاة، باب منبر رسول الـلّٰـهﷺ، الـمـجلس العلمى ٣/١٨٢، رقم: ٥٢٤٤) فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم۔ (فتاوى قاسميه، ج: ٩، ص: ٣٦١، ٣٦٢، ط، مكتبه اشرفيه ديوبند الهند)

الشرط السادس: کم از کم ۳ مردوں کا جمعہ میں شامل ہونا

جمعہ کے صحیح ہونے کی چھٹی شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ جماعت سے ادا کی جائے جس میں امام کے علاوہ

کم سے کم تین مرد ہوں جو نص کا تقاضا ہے گو ان تین کے علاوہ خطبہ میں اور بھی شریک ہوں "**فاسعوا الی ذکر اللّٰہ**" آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذکر کرنے والا ہو وہ امام اور خطیب ہوا، اور جمع کا صیغہ ہے وہ چاہتا ہے کہ امام کے سوا تین شخص اور ہوں، اب یہ مرد خواہ آزاد ہوں، غلام ہوں، مسافر ہوں، بیمار ہوں، امی ہوں، یا گونگے، ہر حال میں تین کی شرط پوری ہو جائے گی اور جمعہ درست ہوگا، البتہ مرد کی قید سے عورتیں اور نابالغ لڑکے نکل گئے کہ صرف ان کے ہونے سے شرط پوری نہیں ہوگی، لہٰذا اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے جماعت کے لوگ چلے جائیں گے تو جمعہ باطل ہو جائے گا۔

فی الدر المختار: ویشترط لصحتها سبعة أشياء:....والسادس: الجماعة وأقلها ثلاثة رجال ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الامام بالنص لأنه لابد من الذاكر وهو الخطيب، وثلاثة سواه بنص فاسعوا الى ذكر الله فان نفروا قبل سجوده.

وفی الشامية تحته: قوله: (وأقلها ثلاثة رجال) أطلق فيهم فشمل العبيد والمسافرين والمرضى والأميين والخرسى فصلحا أن يقتديا بمن فوقهما، واحترز بالرجال عن النساء والصبيان فان الجمعة لاتصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للامامة فيها بحال. بحر عن المحيط. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ٢٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے

سوال: ریڈیو میں بتلایا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک میں تیس آدمی ہوں تو جمعہ ادا ہوگا اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب: آپ کو سننے میں اشتباہ ہوگیا ہے۔ جمعہ ادا کرنے کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

والسادس الجماعة واقلها ثلاثة رجال سوى الامام اهـ (٦۴). [درمختار على

(٦۴):(الدرالمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ٢٤، ط،=

الشامية، ج: ١ ،ص: ٧٦٠] فقط و اللّٰہ اعلم۔ (خير الفتاوی، ج: ٣، ص: ٤٩، ط، مكتبه امداديه ملتان)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:
جمعہ کی جماعت کے لئے تین مقتدی کا ہونا ضروری ہے۔ پس اگر صرف تین آدمی علاوہ امام کے موجود ہوں تو امام خطبہ شروع کر دیوے اور نماز جمعہ کی ادا کرے، نماز جمعہ صحیح ہوگی...الخ۔(فتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۵، ص: ۸۷، ط، دارالاشاعت کراچی)

جمعہ کے دن معذروں کا ظہر کی نماز با جماعت پڑھنا

سوال: مسافرین خواہ مقیمین جنہوں نے کہ نماز جمعہ نہیں پائی ظہر کی جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں اور جامع مسجد میں بھی کر سکتے ہیں یا کسی دوسری مسجد میں؟ بینوا توجروا

الجواب: فی الدرالمختار: وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وأفاد ان المساجد تغلق يوم الجمعة الا الجامع وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فانهم يصلون الظهر بغير أذان ولا اقامة ولاجماعة ويستحب للمريض تأخيرها الى فراغ الامام وكره ان لم يؤخر هو الصحيح. وفی ردالمحتار: قوله: الا الجامع أی الذی تقام فيه الجمعة فان فتحه فی وقت الظهر ضروری والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد اقامة الجمعة لئلا يجتمع فيه احد بعدها الى قوله لكن لاداعی الى فتحه بعدها فيبقى مغلوقاً الى وقت العصر (٦٥). ج ا ص ٨٥٦.

=دار عالم الكتب رياض)

(٦٥):(ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٣٢، ٣٣، ط، دار عالم الكتب رياض)

اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ ظہر جماعت سے نہیں پڑھ سکتے نہ جامع مسجد میں نہ کسی دوسری مسجد میں۔(امدادالفتاوی، ج:۳،ص:۴۱، ط،زکریا بک ڈپوالہند)

جمعہ کی نماز میں مسنون قرأت

سوال: جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی قرأت مسنون ہے؟

الجواب: جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قرأت مسنون ہے جو ظہر کی رکعتوں میں مسنون ہے، آنحضرت ﷺ سے سورۃ جمعہ، منافقون، سبح اسم ربک الاعلی اور سورۃ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے تاکہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں۔

وفی التحفة وغيرها يقرأ فيهما ما يقرأ فی الظهر لانها بدل منه وان قرأ بسورة الجمعة واذا جاءك المنافقون او بسبح اسم ربک الاعلی وهل اتٰک حديث الغاشية، تبركاً بالماثورة عنه عليه الصلاة والسلام علی ما مر فی صفة الصلاة كان حسناً لكن يتركهٔ احياناً لئلايتوهم العامة وجوبه. [كبيری، ص: ٥١٦]۔ (خير الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۰۳، ط، مكتبه امداديه ملتان)

امام کے لئے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم

سوال: کیا عام نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے جس میں سجدہ تلاوت ہو؟

الجواب: جمعہ میں نہ پڑھے۔

ويكره للامام ان يقرأ ها فی مخافتة ونحو جمعة وعيد اهـ. [درمختار]

(قوله ويكره للامام) لأنه ان ترك السجود لها فقد ترك واجباً وان سجد يشتبهٔ علی المقتدين شرح المنية اهـ. [شامی، ج: ۱، ص: ۷۷۱]۔ (خير الفتاوی، ج: ۳،

ص: ۱۰۵، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

نماز جمعہ کی جماعت دوبارہ کرنا

سوال: جامع مسجد میں نماز جمعہ ایسے امام نے پڑھائی جس کی قرأت ٹھیک نہ تھی، بعض نے نہ پڑھی تو اب سب دوبارہ جماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جس مسجد میں ایک مرتبہ جمعہ باقاعدہ ہوئی ہو وہاں دوسری مرتبہ نماز جمعہ درست نہیں۔ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ دوسری مسجد میں جا کر پڑھیں ورنہ بلا اذان اور بلا اقامت اور بغیر جماعت کے ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کر لیں (۶۶)۔ [شامی ج ۱ ص ۷۶۶] واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج: ۶، ص: ۹۳، ۹۴، ط، دارالاشاعت کراچی)

ایک مسجد میں نفل پھر دوسری مسجد میں فرض کی نیت سے نماز جمعہ پڑھنا پڑھانا

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرید نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی اور اس کے بعد کسی دوسری مسجد چلا گیا، اور وہاں اس کو لوگوں نے آگے کر دیا ان کا دوسری جگہ نماز جمعہ پڑھانا، جبکہ وہ پہلے ایک مرتبہ جمعہ کی نماز ادا کر چکے تھے، ان کا جمعہ پڑھانا صحیح ہے یا نہیں؟ اور یاد رہے کہ فرید کہتا ہے کہ میں نے پہلی مسجد میں نفل کی نیت کی تھی اور دوسری میں فرض کی بحوالہ جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب باسم الملک الوھاب: صورت مرقومہ میں اگر فرید نے واقعی پہلی جگہ نفل کی نیت سے امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو اس کی وہ نماز نفل شمار ہوگی۔

"**ویصلی المتنفل خلاف المفترض کذا فی الهدایة**...(الهندیة: ۱/ ۸۵)

---

(۶۶):فی الدرالمختار: وکذا أهل المصر فاتتهم الجمعة فانهم یصلون الظهر بغیر أذان ولا اقامة ولاجماعة. (الدرالمختار مع الشامی، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۳۳، ط، دار عالم الکتب ریاض)

اوراب چونکہ جمعہ کی نماز دوسری جگہ فرض جمعہ کی نیت سے پڑھا رہا ہےتو اس کی امامت اوراقتداء درست ہے۔

”(قوله وصلاتها) ای اتحاد صلاتهما قال فی البحر والاتحاد یمکنه الدخول فی صلاته بنية صلاة الامام فتكون صلاة الامام متضمنه لصلاةالمقتدی اهـ فدخل اقتداء المتنفل بالمفترض لان من لا فرض عليه لو نوی صلاة الامام المفترض صحت نفلا ولان النفل مطلق والفرض مقيد والمطلق جزء المقيد فلايغاير“.... (ردالمحتار: ۱/ ۴۰۷)۔

(ارشاد المفتين، ج: ٤، ص: ۵۳۰، ۵۳۱، ط، مكتبه الحسن)

مسافر جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: مسافر شرعی جمعہ کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں اس بارے میں اختلاف ہورہا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: مسافر جمعہ کی نماز پڑھ سکتا ہےاور پڑھا بھی سکتا ہے، درمختار میں ہے: **ويصلح للامامة فيها (الجمعة) من صلح لغيرها فجازت لمسافر وعبد ومريض الخ** (درمختار مع الشامی ج: ۱، ص: ۷٦٤، باب الجمعة) **شامی میں ہے: ان المسافر لما التزم الجمعة صارت واجبة عليه ولذا صحت امامتهٗ فيها.** (شامی، ج: ۱، ص: ۷٦۷، باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیه، ج: ٦، ص: ۹۰، ط، دار الاشاعت کراچی)

الشرط السابع: جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہونا

حنفیہ کے یہاں جمعہ صحیح ہونے کے لئے ساتویں شرط ”اذن عام“ کا پایا جانا ہے، اذن عام سے مراد یہ ہے کہ مسجد کے دروازے تمام لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہوں، لہٰذا اگر عام لوگوں کو مسجد آنے کی اجازت نہ ہو، یا کچھ لوگ آئیں اور دروازہ بند کر کے اندر جمعہ کی نماز ادا کرلیں، تو جمعہ کا ادا کرنا صحیح نہ ہوگا، اسی طرح کوئی شخص اپنے مکان میں جمعہ کی نماز کا اہتمام کرے اور عام لوگوں کو نماز میں آنے نہ دے تو نماز جمعہ کی ادائیگی صحیح

نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار: والسابع: الاذن العام من الامام، وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين. (الدرالمختار مع الشامی، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۲۵، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفی الهندية: ومنها الاذن العام وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى ان جماعة لو اجتمعوا فی الجامع وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا لم يجز. (الفتاوی العالمكيرية، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۴۸)

جیلوں، چھاؤنیوں اور ایئرپورٹ پر نمازِ جمعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

میں نے اپنے یمن کے سفرنامے میں جو ''البلاغ'' کے ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ شمارے میں شائع ہوا ہے، برسبیلِ تذکرہ دبئ ایئرپورٹ پر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا ذکر کیا تھا، اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ ''اذنِ عام'' کی جو شرط فقہائے کرامؒ نے صحتِ جمعہ کے لئے ضروری قرار دی ہے، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس بڑے علاقے میں نماز ادا کی جارہی ہے وہاں کے لوگوں کو جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہو، خواہ اس بڑے علاقے میں باہر کے لوگوں کو انتظامی یا دفاعی اسباب کی بناء پر داخلے کی عام اجازت نہ ہو۔

اس سفرنامے کے شائع ہونے کے بعد بعض حضرات نے مجھے خط میں لکھا کہ اس مسئلے کی تفصیلی وضاحت شائع ہونی چاہیئے، میں نے کئی سال پہلے ایک فتویٰ اس موضوع پر لکھا تھا جو ابھی تک شائع نہیں ہوا، اس موقع پر مناسب معلوم ہوا کہ اسے شائع کردیا جائے کچھ ترمیم واضافے کے ساتھ، چنانچہ ذیل میں وہ فتویٰ شائع کیا جارہا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ اس فتوے کا اطلاق صرف ایسے ایئرپورٹ پر ہوسکتا ہے جو شہر کے اندر واقع ہو اور اتنا بڑا ایئرپورٹ ہو جس میں افراد کی ایک بڑی جماعت ہر وقت موجود رہتی ہو، دبئ کا ایئرپورٹ ایسا ہی ہے۔)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ جیل خانوں میں قیدی نمازِ جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے میں متضاد باتیں سامنے آئی ہیں، اس لئے مسئلے کی تفصیلی وضاحت مطلوب ہے، بینوا توجروا۔

جواب: جیل میں جمعہ کے جواز اور عدمِ جواز کے بارے میں فقہائے متقدمین کی کتابوں میں کوئی صریح جزئیہ مذکور نہیں، اسی بناء پر اس مسئلے میں علمائے عصر کے فتوے بھی مختلف رہے، اصل اِشکال کی وجہ یہ ہے کہ فقہائے حنفیہ نے جمعہ کے جواز کی شرائط میں اذنِ عام کو بھی ذکر فرمایا ہے، اور چونکہ جیل میں داخلے کا اذنِ عام نہیں ہوتا اس لئے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جمعہ جائز نہیں، ہمارے زمانے میں یہ مسئلہ صرف جیل کا نہیں بلکہ ان تمام فوجی چھاؤنیوں، صنعتی آبادیوں اور ایئر پورٹوں کا بھی ہے جہاں عام لوگوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی، اس لئے یہ تحقیق ضروری ہے کہ ''اذنِ عام'' کی شرط کس درجے کی ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ''اذنِ عام'' کی شرط اس وقت تھی جب پورے شہر میں جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی کا جمعہ فوت نہ ہو، لیکن جب ایک شہر میں کئی جگہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوا اور عملاً متعدد جگہوں پر جمعہ ہونے لگا تو اَب چونکہ اس بات کا اندیشہ نہیں رہا کہ ''اذنِ عام'' کی عدم موجودگی کی وجہ سے کسی کا جمعہ فوت ہوجائے گا، اس لئے اب یہ شرط باقی نہیں رہی، یہ حضرات دلیل میں علامہ شامیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں:

وكذا السلطان اذا أراد أن يصلي بحشمه في داره فان فتح بابها وأذن للناس اذناً عاماً جازت صلاته شهدتها العامة أو لا وان لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لايحصل الا باذن العام اهـ قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما اذا كانت لاتقام الا في محل واحد، اما لو تعددت فلا لأنه لايتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل. (شامی ج: ۲ ص: ۱۵۲، طبع سعید)

لیکن اس پر یہ اِشکال ہوتا ہے کہ اگر ''اذن عام'' کی شرط کی وجہ سے صرف تفویتِ جمعہ کا خوف ہوتو جس شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ہوتا ہو وہاں اگر کوئی شخص اپنے ذاتی گھر میں دروازہ بند کر کے جمعہ کی جماعت کر لے تو وہ بھی جائز ہونا چاہئے، اور یہ کہ جب سے تعددِ جمعہ کا رواج ہوا ہے اس وقت سے ''اذن عام'' کی شرط کو کتبِ فقہ سے بالکل خارج ہونا چاہئے تھا، یا اگر یہ شرط مذکور ہوتی تو ساتھ یہ تصریح بھی ذکر کرنی چاہئے تھی کہ اب یہ شرط واجب العمل نہیں، حالانکہ فقہاء تعددِ جمعہ کے رواج کے باوجود اس شرط کو ذکر کرتے چلے آرہے ہیں، یہ اشکال خاصا قوی ہے لیکن کتبِ فقہ کی مراجعت کے بعد جو صورت حال نظر آتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:

ا: اذنِ عام کی شرط ظاہر الروایۃ میں موجود نہیں، چنانچہ علامہ کاسائیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وذكر في النوادر شرطاً اٰخر لم يذكره في ظاهر الرواية وهو أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى ان أميراً لو جمع جيشه في الحصن وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة لاتجزئهم. (بدائع الصنائع ج:١ ص: ٢٦٩، طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)

چنانچہ صاحب ہدایہ نے بھی اذنِ عام کو ''شرط'' کے طور پر ذکر نہیں فرمایا، اسی طرح متعدد فقہاء نے اس شرط کو ذکر نہیں کیا، جن میں شمس الائمہ سرخسیؒ کے اُستاذ علامہ سغدیؒ بھی داخل ہیں۔ (ملاحظہ ہو: النتف فی الفتاوی ج:ا،ص:۹۰ مطبعۃ الارشاد بغداد)

۲:۔ نوادر کی اس روایت کے مطابق فقہاء متأخرین نے یہ شرط اپنی کتابوں میں ذکر فرمائی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اذنِ عام کے مفہوم میں فقہائے متأخرین کرام کا کچھ اختلاف رہا ہے، بعض حضرات نے تو اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہوا سے اس مقام پر آنے کی اجازت ضروری ہے، چنانچہ شامیؒ برجندی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں: **أي أن يأذن للناس اذناً عاماً بأن لايمنع أحداً ممن تصح من الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه هٰذا مراد من فسر الاذن العام بالاشتهار.** (شامی ج: ٢، ص: ١٥١ طبع سعيد)

دُوسری طرف بعض حضراتِ فقہاء کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''اذنِ عام'' کے لئے یہ بات

کافی ہے کہ جس آبادی میں جمعہ پڑھا جا رہا ہے اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی پوری اجازت ہو، خواہ باہر کے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو، چنانچہ علامہ بحرالعلومؒ تحریر فرماتے ہیں:

وفی فتح القدیر ان أغلق باب المدينة لم يجز وفيه تأمل فانه لاينافی الاذن العام لمن فی البلد وأما من فی خارج البلد فالظاهر أنهم لايجيئون لاقامة الجمعة بل ربما يجئيون للشر والفساد. (رسائل الارکان ص: ۱۱۵ طبع قدیم، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ)

نیز درمختار میں کہا گیا ہے کہ:

فلايضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلی نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما فی مجمع الأنهر. (الدرالمختار ج: ۲، ص: ۱۵۲ طبع سعید)

مجمع الانہر میں ہے:

وما يقع فی بعض القلاع من غلق أبوابه خوفاً من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلابأس به لأن الاذن العام مقرر لأهله ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما فی شرح عيون المذهب وفی البحر والمنح خلافه لكن ما قررناه أولٰى لأن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل فی غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر. (مجمع الانهر ج: ۱ ص: ۲۴۶ طبع بیروت)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن حضراتِ فقہائے کرامؒ نے ''اذن عام'' کی شرط کو تفویتِ جمعہ کے خوف پر مبنی قرار دیا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ ''اذنِ عام'' کا پہلا عام مفہوم اس علت کے ساتھ معلول تھا جو تعدد جمعہ کی صورت میں باقی نہیں رہا، لیکن دوسرا مفہوم اب بھی کافی ہے کیونکہ وہ اس علت پر مبنی نہیں تھا، بلکہ بقول صاحبِ بدائع ''اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة.... الخ'' کے اشارۃ النص پر مبنی تھا، چنانچہ علامہ شرنبلالیؒ تحریر فرماتے ہیں:

قلت أطلعت علٰى رسالة للعلامة ابن الشحنة وقد قال فيها بعدم صحة الجمعة فى قلعة القاهرة لأنها تقفل وقت صلاة الجمعة وليست مصراً علٰى حدتها وأقول فى المنع نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الامام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة والعلة مفقودة فى هذه القضية فان القلعة وان قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة لأن عند باب القلعة عدة جوامع فى كل منها خطبة لايفوت من منع من دخول القلعة الجمعة بل لو بقيت القلعة مفتوحة لايرغب فى طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها وفى كل محلة من المصر عدة من الخطب فلاوجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص: ۲۷۸ قدیمی کتب خانہ)

اگرچہ علامہ طحطاویؒ نے اس کے تحت علامہ شرنبلالیؒ کی اس بات پر اعتراض فرمایا ہے، لیکن علامہ شرنبلالیؒ کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعدد جمعہ کی صورت میں ''اذنِ عام'' کا وہ عام مفہوم لینے کی ضرورت نہیں جس کے تحت ہر وہ شخص جس پر جمعہ واجب ہو اس کو وہاں آنے کی اجازت ہو، بلکہ اگر کوئی ایسی آبادی موجود ہو جس میں گھروں کی یا رہنے والوں کی قابلِ لحاظ تعداد موجود ہو اور اس آبادی کے تمام لوگوں کو جمعہ کے لئے آنے کی اجازت ہو تو یہ بات ''اذنِ عام'' کے تحقق کے لئے کافی ہے، بشرطیکہ اس آبادی کے باہر کے لوگوں کو آنے سے ممانعت کرنے کی وجہ نماز سے روکنا نہ ہو، بلکہ کسی دفاعی یا انتظامی وجہ سے مجرد داخلے سے روکنا ہو۔

اگر علامہ شرنبلالیؒ کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مفہوم لیا جائے تو اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو علامہ طحطاویؒ نے وارد فرمایا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تعدد جمعہ کی صورت میں ''اذنِ عام'' کی شرط فقہائے حنفیہ کے نزدیک بالکلیہ ختم تو نہیں ہوئی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس آبادی میں (نہ کہ کسی انفرادی گھر میں) جمعہ پڑھا جا رہا ہے اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت ہو، اگر آبادی سے باہر کے لوگوں کو دفاع یا

انتظام کے پیشِ نظر اس آبادی سے داخلے سے روکا گیا ہو تو یہ ''اذنِ عام'' کے منافی نہیں بشرطیکہ روکنے کا اصل محرک نماز سے روکنا نہ ہو بلکہ کوئی دفاعی یا انتظامی ضرورت ہو اور اس آبادی سے باہر کے لوگ اس پابندی کی بنا پر جمعہ سے محروم نہ ہوتے ہوں۔

اس پر صرف یہ اشکال باقی رہتا ہے وہ یہ کہ فقہائے کرامؒ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ مسجونین کے لئے جمعہ کے دن اپنی علیحدہ ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ج:۲،ص:۳۵ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجونین کے لئے جمعہ جائز نہیں۔ ورنہ ان کو ظہر کی جماعت کی حاجت ہی نہ ہوتی۔

لیکن اس جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ علامہ شامی اور علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ کی عبارتوں کی روشنی میں یہ حکم اس دور کا ہے جب جمعہ ایک ہی جگہ سلطان کی قیادت میں ہوتا تھا اور سلطان کی طرف سے دُوسری جگہ اقامتِ جمعہ کی اجازت نہیں ہوتی تھی، اس کے علاوہ قید خانے بھی مختلف نوعیّتوں کے ہوتے تھے، ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ قید خانہ ہو جو کسی ایک ہی گھر یا ایک ہی احاطے پر مشتمل ہو اور اس پر کسی مستقل آبادی کا اطلاق نہ ہوسکتا ہو۔ ایک اور اشکال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''بدائع'' میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ:

السلطان اذا صلى فى فهندرة والقوم مع أمراء السلطان فى المسجد الجامع قال: ان فتح باب داره وأذن للعامة بالدخول فى فهندرة جاز وتكون الصلاة فى موضعين ولو لم يأذن للعامة وصلى مع جيشه لاتجوز صلاة السلطان وتجوز صلاة العامة. (بدائع الصنائع ج: ۱، ص: ۲٦۹ طبع رشيديه كوئٹه)

یہ مسئلہ تعدد جمعہ کی صورت میں مفروض ہے اس کے باوجود سلطان کے ''اذنِ عام'' نہ دینے کی صورت میں نمازِ جمعہ کو غیر منعقد قرار دیا گیا ہے۔

لیکن بظاہر اس صورت سے مراد یہ ہے کہ سلطان اپنے محل میں صرف اپنے لشکروں اور سپاہیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے، اور باقی لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت نہ ہو، چنانچہ مذکورہ عبارت میں ''**ان فتح باب داره..... الخ**'' کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے لہٰذا یہاں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ سلطان کا محل اس کی اپنی انفرادی جگہ ہے، اور پیچھے گزر چکا ہے کہ انفرادی مقامات پر اس وقت تک جمعہ جائز نہیں ہوتا جب تک اسے

عام لوگوں کے لئے کھول نہ دیا گیا ہو، لیکن اگر کوئی ایسی آبادی ہے جس میں معتد بہ لوگ رہتے ہیں تو اس کو اس جزئیہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

۱:۔اگر کسی شہر میں جمعہ کی اجازت حاکم کی طرف سے صرف ایک جگہ پڑھنے کی ہو تو جمعہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جس پر جمعہ ہے اس کو وہاں آکر جمعہ پڑھنے کی عام اجازت ہو، ایسی عام اجازت کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہوگا۔

۲:۔اسی طرح اگر کسی کا کوئی انفرادی گھر، محل یا دُکان ہو تو اس میں بھی جمعہ پڑھنا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک اس گھر، محل یا دُکان میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دے دی گئی ہو، خواہ شہر میں دُوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو۔

۳:۔اگر کوئی آبادی ایسی ہے جس میں معتد بہ لوگ رہتے ہیں اور وہ شہر کے اندر بھی ہے لیکن دفاعی، انتظامی یا حفاظتی وجوہ سے اس آبادی میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وہاں کا داخلہ ان وجوہ کی بنا پر کچھ خاص قواعد کا پابند ہے تو اس آبادی کے کسی حصے میں ایسی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے جہاں اس آبادی کے افراد کو آکر جمعہ پڑھنے کی اجازت ہو، مثلاً بڑی جیل، فوجی چھاؤنی، بڑی فیکٹریاں، ایسے بڑے ایئرپورٹ جو شہر کے اندر ہوں اور ان میں سینکڑوں لوگ ہر وقت موجود رہتے ہیں، لیکن ان میں داخلے کی اجازت مخصوص قواعد کی پابند ہے، تو ان تمام جگہوں پر جمعہ جائز ہوگا بشرطیکہ وہ شہر میں داخل ہوں اور اس جیل، چھاؤنی، بڑی فیکٹری، ایئرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن کے تمام افراد کو نماز کی جگہ آکر نمازِ جمعہ پڑھنے کی کھلی اجازت ہو۔(فتاوی عثمانی، ج:۱،ص:۵۲۳تا۵۲۸، ط، مکتبہ معارف القرآن کراچی/ فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۸۷، ۸۸، ۸۹، ط، دارالاشاعت کراچی/ احسن الفتاوی، ج:۴،ص:۱۲۲، ط، ایم ایچ سعید/ فتاوی محمودیہ، ج:۸،ص:۳۸، ۳۹/ فتاوی حقانیہ، ج:۳،ص:۳۸۰، ۳۸۱، ط، مکتبہ سید احمد شہیدؒ اکوڑہ خٹک/ فتاوی دارالعلوم زکریا، ج:۲،ص: ۶۴۳، ط، زمزم پبلشرز کراچی/ فتاوی فریدیہ، ج:۳،ص:۱۳۲/ فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۶۱۰، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

احتیاط الظہر کا مسئلہ

﴿سوال﴾ جولوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور تارک کو اس کے ملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یانہیں اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یانہیں اور اگر وہ پڑھے گا ان ہی میں داخل ہوگا یانہیں اور بصورت عدم پابندی واصرار کا لوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے جس نے اس کو نکالا ہے کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھا تھا اب کس درجہ میں پہنچا اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں۔ واللہ اعلم ان کے پاس کونسی دلیل کتاب وسنت وقیاس واجتہاد سے ہے اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے، اگر جمعہ نہ ہو تو ظہر ہو جائے گی۔ آیا قیاس اس کا صیام یوم الشک پر ہوسکتا ہے یانہیں اور منجملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں (٦٧) لہٰذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بسبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا تو بناء مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے مگر چونکہ دوسری خرابی یہ

---

(٦٧):فی ملتقی الأبحر: لاتصح الا بستة شروط المصر أو فناؤه والسلطان أو نائبه. الخ.

وفی مجمع الانهر تحته: (المصر أو فناؤه) حتی لاتجوز وفی المفاوز، ولا فی القری والحکم غیر مقصور علی المصلی، بل تجوز فی أفنية المصر. الخ. (والسطان) أی الوالی الذی لا والی فوقه (أو نائبه)، وهو الأمیر أو القاضی، أو الخطباء. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ١، ص: ٢٤٤، ٢٤٥، ط، دار الکتب العلمية بيروت لبنان)

ہوگئی کہ ایک شہر میں روز تین جگہ جمعہ پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں۔ جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہوسکتا کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد ادائے جمعہ وسقوط ظہر میں رہتا ہے اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط ادا ہوجاوے گی اور جو جمعہ ادا ہوگیا تو یہ رکعات نفل ہوجاویں گی یہ اصل اس کی ہے مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں۔ اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی اور یہ خود بدعت ہے۔ دوسرے بعضے اولی النزاع یعنی آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہوگئے اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے تو خیر سہل بات تھی۔ پھر یہ کہ جن علماء سے شرطیہ وجود امام ونائب دریافت ہوئی ہے وہ ہی علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر امام ونائب سے تعذر ہو تو مسلمین امام جمعہ مقرر کر کے جمعہ ادا کریں (٦٨)۔ پس حسب اس روایت کے سب جگہ امام موجود ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا ادا ہوگیا اور سقوط ظہر ذمہ سے ہو چکا پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جو ان لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے چاہیے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں یہ کیا بے موقعہ بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں اور فرض وقت کو فرادیٰ یعنی تنہا تنہا پڑھیں یہ سخت خرابی ہے۔ پس احناف کا احتیاط الظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں تو دیدۂ ودانستہ اس حرکت لایعنی بے فائدہ کو کیوں اختیار کیا۔ واجب ہے کہ سب جمع ہو کر ایک جگہ جمعہ ادا کریں۔ الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پروائی دین سے ہونے کا ہے (٦٩)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(٦٨): **فی الشامیة: فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما.** (رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ١٤، ط، دار عالم الكتب رياض/ و الفتاوی العالمكيرية، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٦)

(٦٩): **فی البحر: أقول: وقد كثر ذلک من جهلة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة=**

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱۔

الجواب صحیح محمد امیر الدین پٹیالوی واعظ جامع مسجد دہلی۔ محمد امیر الدین۔ فقیر محمد حسین۔ قادر علی عفی عنہ ۱۲۰۴ مدرس مدرسہ حسین بخش۔

جواب ہذا صحیح ہے حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ محمد ساکن درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء ضلع دہلی المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی بقلم خود۔ اصاب من اجاب محمد حمایت اللہ عفا اللہ عنہ جواب بہت صحیح اور ٹھیک ہے اور خلاف اس کا ضلالت و بدعت سیئہ ہے کیونکہ اس فعل نامقبول کو کسی نے بھی ائمہ اربعہ سے نہیں کیا **کما هو فی البحر وتاتار خانی وغيرهما من كتب الفقه** اور اصل میں یہ یعنی نماز احتیاط الظہر بدعت سیئہ ہے جو ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب و عجم وغیرہ کا بادشاہ تھا اس کی نکالی ہوئی ہے۔ حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے جواب یہ کرے نہ حنفی ہے اور نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی بلکہ معتزلی مذہب ہے۔ اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز احتیاط الظہر ہر جگہ جاری کی جاوے جو اس کو نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے جو مولوی اس وقت عبدالدنیا والدراہم تھے اس کو قبول کیا اور فتووں میں درج کر گئے اور مذہب حنفی کو بالائے طاق رکھا۔ اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی المذہب نے خوب تحقیق سے لکھا ہے۔ کذا فی التفسیر المحمدی اور حضرت ﷺ صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد جمعہ کے اور پڑھتے تھے (۷۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ العاجز ابو محمد۔

=الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وانما وضعها بعض المتأخرين عند الشک فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة، وليس هذا القول. أعنی اختيار صلاة الأربع بعدها. مروياً عن أبی حنيفة وصاحبيه حتی وقع لی أنی أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفاً علی اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ج:۲، ص:۲٤٥، ط، دار الکتب العلمية)

(۷۰):عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ اذا صلی أحدکم الجمعة فليصل بعدها أربعا. =

سید محمد عبدالسلام غفرلہ۔ ابومحمد عبدالحق۔ ابومحمد عبدالوہاب رسول الادب خادم شریعت۔ عبدالوہاب الپنجابی نزیل الدہلوی ۱۳۰۵ھ۔ سید محمد اسماعیل۔ ہذاالجواب صحیح: فرید آبادی۔

جواب صحیح ہے محمد فقیراللہ پنجابی ضلع شاہ پور۔ محمد ناظم ملک بنگالہ ضلع فرید پور، ہذا جواب صحیح حررہ ثابت علی اعظم گڈھ۔ الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی مسکین عبدالغنی ضلع کرنال۔

فرض احتیاط ظہر بایں وجہ ایجاد ہوئی تھی کہ اول میں ایک جمعہ ہوتا تھا پھر تعدد جمعہ پر فتویٰ ہوا تو جمعہ سابق تو ہر حال درست ہوا دوسرا جمعہ اصل روایت تو حد جمعہ پر درست نہیں ہوتا۔ اور تعدد کی روایت پر درست ہوجاتا ہے۔ تو اس احتیاط سے فرض پڑھنے شروع ہوئے تھے۔ ازاں بعد یہ ٹھہری کہ جب کسی شرط من الشرائط میں خدشہ ہوتو یہ فرض پڑھا کریں۔ امام کا ہونا یا نائب کا بھی حنفیہ کے مذہب میں شرط جمعہ ہے بہ بسبب ملک کفار کے وہ شرط بظاہر مفقود تھی تو چونکہ مجتہد فیہ تھی کہ شافعی اس میں خلاف ہے۔ لہٰذا جمعہ کو ترک کرنا مناسب نہ جانا۔ فرض احتیاط پڑھنی شروع کردی یہ وجہ تو پڑھنے کی ہے مگر چونکہ یہ بھی فقہاء حنفیہ نے لکھ دیا ہے کہ اگر تعذر نصب امام سے ہوتو عامۂ مومنین اپنا امام جمعہ کا قائم کرلیویں۔ اور جمعہ پڑھ لیویں تو بنابریں روایت جب کہ امام جمعہ کا مقرر ہے تو قائم مقام امام ہوگیا۔ اقامت جمعہ کی درست ہوئی پس اب فرض احتیاط کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جمعہ حسب روایت حنفیہ درست ہوتا ہے۔ مگر چونکہ مصر کا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا صحرا میں جمعہ درست نہیں ہوسکتا تو خواہ کتنے ہی آدمی جمع ہوویں صحرا میں جمعہ نہ کریں۔ ظہر کی جماعت پڑھیں۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ۴۲۲ تا ۴۲۵، ط، دار الاشاعت کراچی/ فتاوی محمودیہ، ج: ۸، ص: ۳۵۱ تا ۳۵۷)

جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کرنا

سوال: ہمارے علاقہ میں یہ معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کیا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے؟

= **وعن سالم عن ابيه أن النبی ﷺ كان يصلی بعد الجمعة ركعتين.** (اخرجهما مسلم فی صحيحه فی كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ص: ۳۵۲، ۳۵۳، رقم: ۲۰۳۶، ۲۰۴۱، ط، دار السلام رياض)

الجواب: اگر جامع مسجد میں گنجائش ہوتو جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسبِ معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عیدگاہ میں جا کر پڑھنے کا استحباب عیدین کے ساتھ خاص ہے۔لیکن جمعہ بہرحال ادا ہوگیا۔فقط واللہ اعلم ۔(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۱۰۴، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

گرجا گھر میں جمعہ اور عیدین پڑھنا

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا گرجا گھروں کو جمعہ،عیدین اور عام نمازوں کی جماعت کے لیے کرایہ پر لینا اوران مقامات میں نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملک الوھاب: صورت مرقومہ میں گرجا گھروں میں نماز پڑھنے کوفقہاء نے مکروہ لکھا ہے، البتہ جب ان کوکرایہ پرلے لیا جائے اوراس میں موجود غیرشرعی اشیاء کونکال دیا جائے، اوران گرجا گھروں میں غیرمسلم عبادت کے لیے نہ آتے ہوں تو نمازعیدین، جمعہ بلاکراہت پڑھنا جائز ہے۔

’’فی التتارخانية يكره للمسلم الدخول فی البيعة والكنيسة وانما يكره من حيث انه مجمع الشياطين لا من حيث انه ليس له حق الدخول اه... فاذا حرام الدخول فالصلاة اولىٰ به ظهر جهل من يدخلها لاجل الصلاة فيها‘‘.... (ردالمحتار: ۱/ ۲۸۰)

’’باب الصلاة فی البيعة وقال عمرؓ انا لاندخل كنائسكم من اجل التماثيل التی فيها الصور وكان ابن عباسؓ يصلی فی البيعة الا بيعة فيها تماثيل‘‘... (البخاری: ۱/ ٦۲)۔

(ارشاد المفتین، ج: ٤، ص: ٤٤٣، ٤٤٤، ط، مکتبه الحسن لاهور)

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد شرط نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے علاقہ کی جامع مسجد میں الحمدللہ پانچوں وقت کی نماز ہوتی ہے جبکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں مسجد کے خطیب صاحب جمعہ کی نماز مسجد کے باہر گراؤنڈ میں پڑھاتے ہیں اوروہ یہ اس لیے کرتے ہیں کہ مسجد میں جمعہ کی نماز کے وقت تمام نمازی

مسجد میں نہیں آپاتے اور لوگوں کو مسجد سے باہر نماز پڑھنی پڑتی ہے آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح مسجد کو چھوڑ کر گراؤنڈ میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے؟ جبکہ اس دوران مسجد ویران پڑھی رہتی ہے اور خطیب صاحب گراؤنڈ میں سے جہاں وہ جمعہ کی نماز پڑھا رہے ہوتے ہیں، اعلان کرتے رہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز مسجد میں نہیں گراؤنڈ میں ہوگی، برائے مہربانی یہ فرمائیں کہ شریعت کے لحاظ سے جمعہ کی نماز مسجد چھوڑ کر گراؤنڈ میں پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملک الوھاب: نماز جمعہ کا ادا کرنا جامع مسجد میں اولیٰ وافضل ہے اور مسنون عمل ہے لہٰذا رش زیادہ ہو جانے کی صورت میں مسجد سے باہر صفوں کو ملایا جاسکتا ہے اور واضح رہے کہ مسجد سے باہر بننے والی صفوں کا آپس میں ملا ہوا ہونا چاہیے گو مسجد سے باہر نماز جمعہ کا ادا کرنا بھی جائز ہے جبکہ امام ومقتدی سب کے سب مسجد سے باہر ہوں بشرطیکہ وہ جگہ یا میدان شہر یا قصبہ میں ہو کیونکہ جواز جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں ہے۔

"**کما فی الدرالمختار وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً علی المذھب وعلیه الفتویٰ**"....(الدر مع الرد: ۱/ ۵۹۵)

"**شرط ادائھا المصر وھو کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود او مصلاہ قوله او مصلاہ ای مصلی المصر لانه من توابعه فکان فی حکمه والحکم غیر مقصود علی المصلی بل یجوز فی جمیع افنیة المصر**"... (البحر الرائق: ۲/ ۲۴۷) واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتین، ج: ٤، ص: ٥٢٦، ٥٢٧، ط، مکتبه الحسن لاھور)

شہر میں جس جگہ پنجگانہ نماز ادا نہ ہو وہاں جمعہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مارکیٹ میں ایک دکان مسجد کے نام سے مختص ہوئی، جس میں چار نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور فجر کی نماز نہیں ہوتی لیکن اتوار کو بھی کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی، مارکیٹ کے چاروں اطراف میں بریلوی حضرات کی مسجدوں میں مارکیٹ

کے نمازی بھی ان کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں، اب پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اب جہاں پر پانچ نمازیں پوری نہ ہورہی ہوں وہاں جمعہ ہوسکتا ہے؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب باسم الملک الوھاب: صورت مرقومہ میں اس مسجد میں نماز جمعہ ادا ہوسکتی ہے کیونکہ ایک شہر کی کئی مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے، اگرچہ نماز جمعہ زیادہ مسجدوں میں ادا کرنا منشاء شریعت کے خلاف ہے جو اظہار عظمت اسلام ہے۔

"(قوله وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب وعليه الفتوى اهـ"... (درمختار: ١/ ٥٩٥) واللّٰه تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (ارشاد المفتين، ج: ٤، ص: ٤٤٧، ط، مكتبه الحسن)

کسی مسجد میں بدعات ہورہی ہو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم

سوال: ایک آدمی ایسی مسجد میں جمعہ کے لئے بیٹھا جہاں بدعات ہورہی ہیں تو کیا اس مسجد میں نماز جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا ہوجائے گی ترک جمعہ کے لئے یہ عذر قابل قبول نہیں ہے، البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ دوسری مسجد میں جمعہ ادا کرے جہاں بدعات وخرافات نہ ہوں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

واذا تعذر منعه ينتقل عنه الى غيره للجمعة وغيرها وان لم يقيم الجمعة الا هو تصلى معه. (مراقى الفلاح: ص ١١٣، فصل فى الاحق بالامة، مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الفاسق اذا كان يؤم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم: يقتدى به فى الجمعة ولاتترك بامامته. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٦، من يصلح اماما لغيره)

وأيضا: قال المرغيناني: تجوز الصلاة خلف صاحب هوى و بدعة و حاصله ان

كان هو لايكفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة والا فلا هكذا فى التبيين والخلاصة. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٤، من يصلح اماما لغيره) نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ١٦٥/١ ۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زکریا دیوبند، ج: ٢، ص: ٦٤٩، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

شافعی مساجد میں نماز جمعہ

سوال: شہر بمبئی میں کئی مسلم محلوں میں شافعی مذہب والوں کی مسجدیں بوقت جمعہ بند رہتی ہیں، ائمہ شوافع کا نظریہ ہے کہ جامع مسجد کے سوا دیگر مساجد میں جمعہ قائم نہیں ہوسکتا، ان کے نظریہ کی وجہ سے شافعی المسلک بلکہ حنفی المسلک کو بھی بروز جمعہ بڑی مشقت اور زحمت کا سامان رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعداد کثیر ہونے کے سبب سب کو جامع مسجد میں جگہ ملنا مشکل ہے بلکہ حنفی المسلک والوں کی مسجد میں بھی جگہ نہیں ملتی، بارش کے زمانہ میں بہت سے حنفی وشافعی نماز جمعہ سے محروم رہتے ہیں، کیا ایسے وقت بھی مذہب شافعی کے بموجب ایک سے زائد مساجد میں جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں؟ اس کا جواب دے کر ممنون فرمادیں۔

(الجواب) بے شک حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جمعہ کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے، اگر ایک سے زائد جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوئی اس کی نماز صحیح ہوئی، باقی مساجد میں پڑھے ہوئے جمعہ کا اعتبار نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد جگہوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح مذہب شافعی میں بھی مجبوری کی وجہ سے ایک سے زائد مقام میں جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ **وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوىٰ (الى قوله) دفعا للحرج، درمختار. (قوله على المذهب) فقد ذكر امام السرخسى ان الصحيح من مذهب ابى حنيفة جواز اقامتها فى مصر واحد فى مسجدين واكثر وبه ناخذ.** [شامی، ج: ١، ص: ٧٥٥، باب الجمعة]

شافعی مذہب کی معتبر عربی کتاب ''الاساس'' [مؤلفہ محمد یحییٰ بیروتی شافعیؒ] کا اردو ترجمہ ''ارکان اسلام'' میں ہے۔

نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرط یہ بھی ہے کہ بستی میں ایک ہی جگہ پڑھا جائے، اگر ایک بستی میں دو تین جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوگی اس کا جمعہ صحیح ہوگا، اور دوسرا و تیسرا جمعہ باطل ہوگا لیکن اگر ایک جگہ (جامع مسجد) کافی نہ ہو تو ایک شہر میں متعدد مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ (رسائل ارکان، ص: ۷۶) مترجم حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری سورتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفی اور شافعی المذہب میں بلا عذر و مجبوری متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ بہت سی جگہوں میں محلّہ درمحلّہ جمعہ پڑھا جاتا ہے، یہ طریقہ جمعہ قائم کرنے کے خاص مقصد اور روح کے خلاف ہے۔

البتہ جس جگہ جامع مسجد ناکافی ہو یا دور ہونے کی وجہ سے پہنچنا مشکل ہو تکلیف دہ ہو، (جیسا بمبئی میں) تو وہاں ضرورت کے مطابق متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ حنفی و شافعی مذہب میں بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ، ج:۳، ص:۱۲۳، ۱۲۴، ط، دارالاشاعت کراچی)

جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا

سوال: اگر گورنمنٹ کا آدمی جمعہ کے دن دکان کھولنے پر چالان کرے تو کیا چالان کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب: امور مباحہ میں حکام و اولی الامر کی طاعت واجب ہے۔ شامیہ میں ہے: **''ان صاحب البحر ذکر ناقلا عن ائمتنا ان طاعة الامام فی غیر معصیة واجبة فلو امر بصوم یوم وجب''.** [ج: ۴، ص: ۳۴۴]

اس لئے حکومت کے کہنے پر ترکِ تجارت ضروری ہے، مالی جرمانہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، صرف امام ابو یوسفؒ جواز کے حد تک قائل ہیں کہ حصول زجر کے بعد مالک کو واپس کر دیا جائے گا،

حاکم بیت المال یا اپنی جیب میں رکھنے کا مجاز نہیں۔(خیر الفتاوی، ج:٣،ص:٨٦، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آ کر جمعہ پڑھایا تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں؟

سوال: ایک امام مسجد شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ فرض ہے۔ جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتا ہے اور ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں جا کر لوگوں کو دو رکعت جمعہ پڑھاتا ہے کیا سعی الی الجمعہ سے اس کی ظہر باطل ہو جائے گی جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے یعنی امام بھی اسی ذیل میں آتا ہے یا نہ؟ یا اس کی ظہر باقی رہے گی اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ جونسی صورت ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب: باوجود تتبع وتلاش کے اس کے متعلق کوئی خاص جزئیہ تو نہیں ملا، لیکن فقہاء کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اسی ذیل میں آجاتا ہے کیونکہ فقہاء نے اس مسئلہ کو عمومی حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور کسی خاص جزی کا استثناء بھی نہیں فرمایا۔ نیز بطلانِ ظہر کی علت بمعنی سعی مع امکان الادراک لکھتے ہیں تو یہ بھی امام میں پائی جاتی ہے، بلکہ مقتدی سے بڑھ کر۔ لہٰذا خیال یہی ہے کہ اس صورت میں امام کی ظہر سعی الی الجمعۃ سے باطل ہو جائے گی اور جمعہ صحیح ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ اصغر علی غفرلہ نائب خیر المدارس ملتان

اگر احیاناً ایسا فعل امام سے سرزد ہو تو حرج نہیں، اور امید رکھنی چاہئے کہ ظہر باطل ہوگئی اور جمعہ صحیح ہوگیا۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان۔

(خیر الفتاوی، ج:٣،ص:٦٨، ٦٩، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اور کو آگے بڑھانا

سوال: بموجودگی مستقل امام صاحب جن میں تمام خوبیاں موجود ہیں: حافظ، قاری، عالم، حاجی وغیرہ ایک خوش الحان آٹھ پاروں کا طالب علم سولہ سالہ، متولی مسجد کی رائے سے امام صاحب کو رسمی اطلاع دی

گئی کہ آج فرزندِ متولی صاحب یعنی خوش الحان آٹھ پاروں کا حافظ نماز پڑھائے گا۔ نماز پڑھائی گئی اور امام صاحب نے اجازت نہیں دی اور ان کا یہی کہنا ہے کہ کیا جمعہ ادا ہو گیا کہ نہیں اور اقتداء درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا (۱۷)، امام صاحب خود پیش کش کرتے تو دوسری بات تھی، امامت اس حالت میں مستقل امام مذکور ہی کی مقدم تھی، تاہم اقتداء صحیح ہو کر صورت مسئولہ میں نماز درست ہو گئی، اب اس قصہ کو ختم کیا جائے، آئندہ احتیاط کی جائے، بات کو زیادہ نہ بڑھایا جائے ورنہ اس سے خلفشار پیدا ہو گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔(فتاوی محمودیہ، ج:۸،ص:۳۶۵)

کیا مکبر کے لئے امام کی اجازت ضروری ہے

سوال: جمعہ یا عیدین میں بلا اجازت امام کے از خود تکبیر پکار کر رکوع سجدہ میں کہنا تاکہ اور نمازیوں کو سہولت ہو، جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم امام کو کہتے تھے کہ بلا اذن امام کے تکبیر پکارنے سے مکبر کی نماز نہیں ہوتی یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: نمازیوں کی سہولت اور اطلاع کی وجہ سے تکبیر پکار کر کہنا درست ہے امام کے اجازت کی ضرورت نہیں ہے، یہ قول کسی عالم کا کہ بدون اجازت امام تکبیر پکار کر کہنا مقتدی کو جائز نہیں ہے اور اس کی نماز اس سے فاسد ہو جاتی ہے الخ غلط ہے۔ فقط (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۵،ص:۱۱۶، ۱۱۷، ط، دار الاشاعت کراچی)

---

(۱۷): **عن أبی مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: یؤم القوم أقرأهم لکتاب اللّٰه، فان کانوا فی القراءة سواء فأقدمهم فی الهجرة، فان کانوا فی الهجرة سواء فأعلمهم بالسنة، فان کانوا فی السنة سواء فأقدمهم سناً، ولاتؤم الرجل فی سلطانه، ولاتقعد علی تکرمته الا أن یأذن لک".** (سنن النسائی، کتاب الامامة، باب من أحق بالامامة، ص:۱۰۷، رقم: ۷۸۱، ط، دار السلام ریاض)

جمعہ کی نماز پر اُجرت

سوال: عیدین جمعہ کی نماز کی اُجرت لے کر نماز پڑھانا جائز ہے یانہیں؟

جواب: امامت پر اُجرت لینا فقہاءؒ نے جائز لکھا ہے(۷۲)۔[فتاوی دارالعلوم دیوبند ص۲۲۵ ج ۵ بحوالہ ردالمحتار، کتاب الاجارۃ ص۵ ج ۵]۔(مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳،ص:۱۰۹، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

چراوہے پر نمازِ جمعہ فرض ہے یانہیں؟

سوال: ایک شخص اپنا ریوڑ بھیڑ بکری چرا رہا ہے، اور جمعہ کا روز ہے تو فرمایئے کہ اس پر نمازِ جمعہ فرض ہے یا کہ ظہر کی؟

---

(۷۲): فی ملتقی الأبحر: لا أخذ أجرة عسب التيس على الطاعات كالأذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه أو المعاصي كالغناء والنوح والملاهي ويفتى اليوم بالجواز على الامامة وتعليم القرآن والفقه.

وفی مجمع الأنهر تحته: (ويفتى اليوم بالجواز) أی بجواز أخذ الأجرة (على الامامة وتعليم القرآن والفقه) والآذان كما فی عامة المعتبرات. وهذا على مذهب المتأخرين من مشائخ بلخ، استحسنوا ذلک. (مجمع الانهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الاجارة ۵۳۲، ۵۳۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی الفيض: واعلم أن هٰهنا مسألتين: الأولى: أخذ الأجرة على تعليم القرآن، والأذان، والاقامة. ولايجوز فيها أخذ الأجرة على المذهب، وان أفتى المتأخرون بجوازها. (فيض البارى على صحيح البخارى، كتاب الاجارة، باب ما يعطى فی الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب، ج:۳،ص:۵۱۵،ط،دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

الجواب: اگر یہ شخص فناءِ مصر میں بکریاں چرا رہا ہے تو اس پر جمعہ میں آنا واجب ہے، اور بکریوں کو اپنے ساتھ واپس لے آئے، بعد جمعہ کے پھر لے جائے، اور اگر فناءِ مصر سے اتنا دور ہے کہ شہر سے میل بھر کا فاصلہ ہو جائے تو اس صورت میں اس سے جمعہ ساقط ہے، ظہر کی نماز پڑھ لے، بشرطیکہ وہ شہر سے قبل زوال کے نکل گیا ہو **قیاساً علی التیمم قال فی نور الایضاح او الاقامة فیما ای فی محل هو داخل فی حد الاقامة بها ای بالمصر فی الاصح کربض المصر وفِنائه الذی لم ینفصل عنه بغلوة ولایجب علٰی من کان خارجه ولو سمع النداء من المصراهـ** [ص ۲۹۲] **واللّٰه اعلم**.

(امداد الاحکام، ج: ۱، ص: ۷۵۵، ۷۵٦، ط، مکتبہ دار العلوم کراچی)

تیماردار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے

سوال: زید اچانک ہیضہ کا مریض ہو گیا ڈاکٹر نے اُس کو بوتل لگا دی اور دوائیں تجویز کر دیں اتنے میں جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہو گیا جو اُس کی تیمار داری کر رہا ہے وہ اُس کے پاس رہے یا جمعہ پڑھنے چلا جائے؟

الجواب: اگر مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے پاس رہے اور ظہر پڑھ لے۔ **والحق بالمریض المرض ان بقی المریض ضائعاً بخروجه علی الاصح**. [طحطاوی ص: ۲۷۵]۔ فقط واللّٰه اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۹۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ فتاوی حقانیہ، ج: ۳، ص: ۳۹۹، ط، مکتبہ سید احمد شہیدؒ اکوڑہ خٹك)

کیا نابینا پر نماز جمعہ واجب ہے؟

سوال: ایسے اندھے پر جمعہ واجب ہے یا نہیں کہ جو شہر کے اندر رہتا ہو، مکان متصل جامع مسجد ہو اور اندھا بآسانی مسجد میں یا اس سے دو چند چہار چند فاصلہ کے سفر کو روزانہ طے کیا کرتا ہو، اور بلا کسی دوسرے آدمی کے مدد کے سارے شہر میں گھوم آتا ہے، لیکن سڑکوں اور جامع مسجد لبِ سڑک ہے، اور پانی کنویں میں

سے خود کھینچ کر بھر لیتا ہے، کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی، کبھی کبھی خفیف سی چوٹ دیوار وغیرہ کے ٹکرا جانے سے آجاتی ہے۔

الجواب: جو نابینا بدون دوسرے شخص کے ہمراہ ہوئے بھی پھرتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی اس کے ذمہ جمعہ واجب ہے **کما فی الشامی [ج: ۱، ص: ۸۵۳] واقول بل یظهر لی وجوبها علی بعض العمیان الذی یمشی فی الاسواق ویعرف الطرق بلا قائد ولا کلفة ویعرف ای مسجد اراده بلا سوال احد لانه حینئذ کالمریض القادر علی الخروج بنفسه بل ربما یلحقه مشقة اکثر من هذا فتامل.** (امداد الاحکام، ج: ۱، ص: ۷٦۰، ط، مکتبه دار العلوم کراچی)

نوکر کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو کیا کرے؟

سوال: زید نے بوجہ تہی دستی وغریب الوطنی کے عمر کی نوکری کی لیکن عمر بوجہ حرج ہونے کام کے زید کو مہلت نماز جمعہ پڑھنے کی نہیں دیتا ہے اور زید مجبور ہے آیا اس حالت میں نماز ظہر مجبوراً پڑھنے سے فرض جمعہ کا اس سے ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مستاجر یعنی آقا کو جائز نہیں کہ اجیر یعنی نوکر کو نماز جمعہ سے کہ فرض ہے منع کرے اور نہ اجیر کو اس کا چھوڑنا جائز ہے اور اگر باوجود اس کے جمعہ میں حاضر نہ ہوا اور ظہر پڑھ لیا تو جمعہ سقط ہو جائے گا، لیکن ترک جمعہ سے گنہگار رہوگا، البتہ اگر اجیر کو جمعہ میں آنے جانے سے چوتھائی دن خرچ ہو گیا تو چوتھائی اجرت اس دن کی کم کردی جائے گی اور اگر اس سے کم صرف ہو تو پوری اجرت واجب ہے۔

والأصح وجوبها علی مکاتب ومبعض وأجیر ویسقط من الأجر بحسابه لو بعیداً والا لا درمختار: قوله: وأجیر مفاده انه لیس للمستاجر منه وهو احد قولین وظاهر المتون یشهد له کما فی البحر: قوله: بحسابه لو بعیداً فان کان قدر ربع النهار حط عنه ربع الأجرة ولیس للأجیر ان یطالبه من الربع المحطوط بمقدار اشتغاله بالصلاة

تاتارخانية ردالمحتار (۷۳). واللہ اعلم. (امداد الفتاوی، ج: ۳، ص: ٤٨، ط، زکریا بُك ڈپو الھند)

تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا

سوال: تبلیغی جماعت والے جمعۃ المبارک کے دن شہر سے بستیوں میں جاتے ہیں، تین دن کے لئے تبلیغ کی غرض سے اور بارہ بجے کے قریب مسجد سے چلے جاتے ہیں جبکہ جمعہ کی اذان ہونے والی ہوتی ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر چلے جاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے، جمعہ پڑھ کر جائیں یا پہلے چلے جائیں؟ شرعاً کیا حکم ہے۔

الجواب: بہتر یہی ہے کہ جمعہ پڑھ کر جائیں ویسے اگر پہلے بھی چلے جائیں تو گنجائش ہے۔

ولایکره الخروج للسفر یوم الجمعة قبل الزوال وبعدهٗ وان کان یعلم انه لایخرج من مصره الا بعد مضی الوقت یلزمه ان یشهده الجمعة ویکره لهٗ الخروج قبل ادائها. [عالمگیری، ج: ۱، ص: ١٤٣] فقط والله اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ١٠٤، ط، مکتبه امدادیه ملتان/ فتاوی دینیه، ج: ۲، ص: ١٤١، ١٤٢)

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجائے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم

سوال: دیہاتی آدمی شہر میں آیا اشیاء ضرورت خریدنے کے لئے اور جمعہ کا وقت ہوگیا، کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر تو پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت کی تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہوگیا، اور اس پر جمعہ فرض ہوگیا لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا، جمعہ سے پہلے ہوگیا یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا مگر پھر بھی پڑھ لے بہت ثواب ملے گا۔

---

(۷۳):(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۲۸، ط، دار عالم الکتب ریاض)

القروی اذا دخل المصر ونوی ان یمکث یوم الجمعة لزمته الجمعة لانۂ صار فی اهل المصر فی حق هذا الیوم وان نوی ان یخرج فی یومہٖ ذلک قبل دخول الوقت او بعد الدخول لا جمعة علیه ولو صلی مع ذلک کان ماجوراً اهـ. [فتاوی هندیه، ج: ۱، ص: ۷۵]۔ فقط واللّٰه اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۸۷، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

کیا دیہات والوں کو جمعہ کے لئے شہر آنا ضروری ہے

سوال: دیہات والوں کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا ضروری ہے یا نہیں اور اگر نہ آویں تو آثم ہوں گے یا نہ؟

الجواب: شہر کے قرب وجوار کے دیہات والوں کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا ضروری نہیں ہے اور نہ آنے سے وہ آثم نہ ہوں گے۔فقط۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۱۲۶، ط، دارالاشاعت کراچی)

خارج مصر شخص کا قیام جمعہ میں تاخیر کا مطالبہ کرنا

سوال: ایک شخص شہر سے چھ سات میل دور رہتا ہے اور جمعہ کا وقت یہاں تمام مساجد میں ڈیڑھ بجے مقرر ہے، تو وہ کہتا ہے کہ وقت پونے دو بجے کیا جائے کہ میں شریک ہوسکوں تو کیا اس کی بات قابل عمل ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نہیں کیوں کہ وہ مصر اور فناء مصر سے خارج ہے، اس لیے اس کی وجہ سے ایک منظّم جماعت کے وقت میں تبدیل نہیں کی جاسکتی ہے۔**وقال الجمهور: لیس بمشروع، لأنها تقام بجمع عظیم فتأخیرها مفض الی الحرج، ولا کذلک الظهر وموافقة الخلف لاصله من کل وجه لیس بشرط. اهـ.** شامی ج۱/ ص ۳۴۱۔ (معین الفتاویٰ، ص: ۲۱۶)

متقدی سارے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم

سوال: اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جب ایک یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہئے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہئے، اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو، امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا، لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا۔

وتحصل فضيلة الجماعة بصلاته مع واحد (اى من الصبيان) الا فى الجمعة فلا تصح بثلاثة منهم اهـ. [الاشباه والنظائر، ص ٤٨٠] فقط واللّٰه اعلم۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ١٠١، ط، مكتبه امداديه ملتان)

اسکول کی طرف سے عدم اجازت کی وجہ سے طلبہ سے جمعہ کا ساقط نہ ہونا

سوال: عبداللہ نامی ایک شخص انگریزی مدرسہ میں پڑھتا ہے اور اس میں جمعہ کی نماز کے واسطے چھٹی نہیں ملتی ایسی صورت میں اس کو ترک کرنا موافق شرع کے ضروری ہے یا نہیں۔ مکرر یہ ہے کہ ایک بزرگ اس کے بزرگوں میں سے یہ کہتا ہے کہ بضرورت امتحان کے سال میں چار جمعہ چھوڑ دینا جائز ہے ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟

الجواب: جو عذر سقوط جمعہ کے فقہاء نے لکھے ہیں یہ عذر ان میں سے نہیں لہٰذا اس پر اسکول کا ترک کر دینا ضرور ہے اور اس بزرگ کا قول محض غلط ہے۔

قلت هذا لايفوق فى الحبس على مديون موسر حبس فى الدين وقد وجب عليه الجمعة كما فى ردالمحتار على قوله وعدم حبس ما نصه ينبغي تقييده بكونه مظلوماً كمديون معسر فلو موسراً قادرا على الأداء حالا وجبت (٧٤) ج ١ ص ٨٥٣ وكذا لايفوق عذره على عذر الأجير وقد يجب عليه الجمعة كما فى الدرالمختار: أجير وتسقط من الأجر بحسابه لو بعيداً والا لا(٧٥)، ج ١ ص ٨٥٢. واللّٰه اعلم. (امداد

---

(٧٤): (الدرالمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٢٩، ط، دارعالم الكتب رياض)

(٧٥): (الدرالمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٢٨، ط، دار عالم الكتب رياض)

الفتاوی، ج: ٣، ص: ١٣٤، ١٣٥، ط، زکریا بك ڈپو الھند)

شدید بارش ہورہی ہوتو جمعہ کے لئے جانے کا حکم

سوال: جمعہ کے دن شروع ہی سے جمعہ کے وقت تک موسلا دھار بارش ہورہی تھی تو کیا ایسے حالات میں بھی جمعہ کے لئے جانا ضروری تھا۔

الجواب: ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے۔

اذا اصاب الناس مطر شدید یوم الجمعة فھم فی سعة من التخلف اھـ.

[عالمگیری ج: ١، ص: ٧٥] فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ٣، ص: ٩٧، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/ فتاوی حقانیہ، ج: ٣، ص: ٣٩٩، ط، مکتبہ سید احمد شہیدؒ اکوڑہ خٹك)

جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے یا ظہر

سوال: میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ مشکوۃ شریف میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز جمعہ میں جس نمازی نے اخیر میں التحیات پائی تو اس کو چاہئے کہ بعد سلام امام کے اٹھ کر چار رکعت پڑھے؟

الجواب: مشکوۃ میں حدیث مذکور ہے اس طرح ہے۔

عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ من أدرک من الجمعة رکعة فلیصل الیھا اخریٰ ومن فاتته الرکعتان فلیصل اربعا أو قال الظھر. رواہ الدارقطنی.

سو اس سے وہ مضمون جو کہ سوال میں لکھا ہے بالیقین ثابت نہیں ہاں محتمل ضرور ہے چنانچہ امام محمدؒ کا مذہب اسی احتمال کے موافق ہے شیخین کا مذہب دوسرے احتمال کے موافق ہے جس کی ترجیح کا قرینہ دوسری حدیث ہے جو اس سے ذرا اوپر مذکور ہے۔

وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ من أدرک رکعة من الصلاۃ مع الامام فقد أدرک الصلاۃ متفق علیه. اور اگر دوسرے احتمال کو مدلول حدیث نہ کہا جاوے تب بھی تعارض کے

وقت حدیث بخاری ومسلم کوترجیح ہوگی اوراربعاوالی حدیث کی نسبت حاشیہ میں شیخ سے نقل کیا ہے لم یثبت ۔ پھر یہ کہ عوام کوتحقیق ادلہ کی ضرورت نہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ (امدادالفتاوی، ج:۳،ص:۱۰۱ تا ۱۰۳، ط، زکریا بک ڈپوالہند)

جمعہ میں لاحق نماز کیسے پوری کرے

سوال: ایک شخص جمعہ کی نماز دوسری رکعت میں شامل ہوا اس کا وضوٹوٹ گیا، وہ وضوکرنے گیا واپس آیا تو امام نے سلام پھیر دیا وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟

الجواب: وہ شخص واپس آ کرایک رکعت باقی ماندہ جمعہ کی پوری کر کے قعدہ کر کے سلام پھیر دے۔ نماز جمعہ اس کی ادا ہوجاوے گی (۷۶)۔ کذافی الدرالمختار والشامی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:۵،ص:۱۰۶، ط، دارالاشاعت کراچی)

جہاں کثرت اژدھام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے

سوال: رائے ونڈ میں جمعہ اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نمازی بے ترتیبی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب: ایسا شخص انتظار کرے جب لوگ سجدہ کر کے اُٹھ جائیں اور زمین پر جگہ مل جائے پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی کی پُشت پر سجدہ کرلیا پھر بھی ادا ہوجائے گا۔

رجل لم يستطع يوم الجمعه ان يسجد على الارض من الزحام فانه ينتظر حتى يقوم الناس فاذا رأى فرجة يسجد و ان سجد على ظهر الرجل اجزاه. [قاضی خاں، ج: ۱، ص: ۸۵]فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۱۵، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

---

(۷۶): **ومن سبق الحدث فى الصلاة انصرف...وتوضأ وبنى.** (الهداية، باب الحدث فى الصلاة، ج: ۱، ص: ۲٤۹، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

پہلے سلام کے بعد شرکت کرنے والے کا حکم

سوال: ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا، وہ شریک ہوگیا، کیا جمعہ ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب: امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتداء صحیح نہیں یہ شخص اب جمعہ نہ پڑھے۔ **وتنقضی قدوة بالاوّل قبل علیکم علی المشهور عندنا خلافاً للتکملة اھ فلایصح الاقتداء بہٖ بعدها لانقضاء حکم الصلاة اھ.** [شامی، ج: ۱، ص: ٤٩٠] فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۹۰، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

کیا عورتیں نمازِ جمعہ میں شریک ہوسکتی ہیں؟

سوال: عورتیں مسجد میں جمعہ کی نماز امام صاحب کے ساتھ باجماعت ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: عورتوں کا مساجد میں نماز باجماعت کے لئے جانا فسادِ زمانہ اور خوفِ فتنہ کی وجہ سے مکروہ ہے(۷۷)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴، ص:۱۵۰، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی/ خیر الفتاوی، ج:۳، ص:۳۸، ۳۹، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

کیا عورت گھر پر جمعہ کی نماز پڑھ سکتی ہے؟

سوال: اگر کوئی عورت اپنے گھر پر اکیلی رہتی ہو اور وہ جمعہ کی نماز بغیر امام، بغیر خطبہ، بغیر نمازی کے پڑھے تو کیا اس کی نماز ہوگئی؟

---

(۷۷):فی الدرالمختار: ویکره حضور هن الجماعة ولو لجمعة و عید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به لفساد الزمان...الخ. (الدرالمختار مع الشامی، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۳۰۷، ط، دار عالم الکتب ریاض)

جواب: جمعہ کی نماز کے لئے خطبہ اور جماعت شرط ہے(۷۸)، اور یہ دونوں چیزیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لئے عورتیں مل کر بھی جمعہ کی نماز نہیں پڑھ سکتیں، اور تنہا عورت تو بدرجہ اولیٰ نہیں پڑھ سکتی(۷۹)۔اس خاتون کو چاہئے کہ اپنے گھر پر ظہر کی نماز پڑھا کریں، ورنہ ظہر کی نماز چھوڑنے کا وبال ان کی گردن پر رہے گا۔بعض عورتوں کو بزرگی کا ہیضہ ہوجاتا ہے، اور اپنی بزرگی بگھارنے کے لئے اس قسم کی خلافِ شریعت باتیں کربیٹھتی ہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴،ص:۱۴۹، ط،مکتبہ لدھیانوی)

عورتیں نمازِ ظہر جمعہ سے قبل پڑھ سکتی ہیں

سوال: عوام میں مشہور ہے کہ جب تک جمعہ کی نماز ختم نہ ہوجائے عورتیں گھروں میں ظہر کی نماز نہ پڑھیں، کیا اس کی شرعاً کوئی اصل ہے؟

جواب: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔[احسن الفتاوی ص ۱۲۹ ج ۴]۔(مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳،ص:۱۲۳، ط،حامد کتب خانہ کراچی)

اوورٹائم کی خاطر جمعہ کی نماز چھوڑنا سخت گناہ ہے

سوال: گزارش یہ ہے کہ جس جگہ کام کرتا ہوں اکثر جمعہ کے دن اوورٹائم لگتا ہے، کمپنی کی مسجد میں کوئی امام نہیں آتے، سب کمپنی کے آدمی کام کرتے ہیں، کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں جاتا، سب کام ختم کرکے

---

(۷۸): فی القدوری: لاتصح الجمعة الا فی مصر جامع....ومن شرائطها:....الخطبة قبل الصلاة....ومن شرائطها: الجماعة. (مختصر القدوری مع اللباب، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۲٤۷، ط، دار السراج المدينة المنورة)

(۷۹): فی البحر: ولايرد عليه النساء والصبيان فان الجمعة لاتصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للامامة فيها بحال...الخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ٤٦۲، ط، دار الکتب العلمية بيروت لبنان)

گھر جانے کی سوچتے ہیں، ایسے میں، میں جمعہ کی نماز باہر جا کر پڑھوں یا اسے قضا پڑھوں؟

جواب: وہاں جمعہ اگر نہیں ہوتا تو کسی اور جامع مسجد چلے جایا کیجئے، جمعہ چھوڑنا تو بہت بڑا گناہ ہے، تین جمعے چھوڑ دینے سے دل پر مہر لگ جاتی ہے(۸۰)۔ محض معمولی لالچ کی خاطر اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ضعف ایمان کی علامت اور بے عقلی کے بات ہے۔ کمپنی کے اربابِ حل وعقد کو چاہئے کہ جمعہ کی نماز کے لئے چھٹی کر دیا کریں۔

امتحان کی وجہ سے نمازِ جمعہ ترک کرنا

سوال: ایک شخص کا پرچہ عین جمعہ کے وقت ہے، کیا وہ شخص زوال کے بعد ظہر کی نماز ادا کر کے پرچہ دینے کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ بدل کا کوئی دوسرا حل قطعاً نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! یہ شخص معذورِ شرعی نہیں ہے، اس لئے نماز جمعہ سے پہلے اس کے لیے ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ اس کی یہ ظہر درست ہوجائے گی یعنی اس کے ذمہ بری ہوجائے گا۔

وحرم لمن لاعذر له صلاة الظهر قبلها، أما بعدها فلايكره. [درمختار]

(قوله: وحرم الخ) **عدل عن قول القدوری والكنز وكره لقول ابن همام لابد من كون المراد حرم، لأنه ترك الفرض القطعی باتفاقهم الذی هو آكد من الظهر غير أن الظهر تقع صحيحة، وان كان مأمورا بالاعراض عنها.** [شامی ۱/ ۶۰۳] فقط والله تعالیٰ اعلم۔ (محمود الفتاوی، ج: ۳، ص: ۱۹۵، ط، مكتبه محموديه)

---

(۸۰):عن أبی الجعد الضمریؓ، قال: قال رسول اللهﷺ: من ترك ثلاث جمع تهاونا بها، طبع الله على قلبه. رواه أبو داؤد، والترمذی، والنسائی، وابن ماجة، والدارمی. (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة، الفصل الثانی، ص: ۱۲۱، ط، قديمی كتب خانه كراچی)

جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر سے گزرنا

"عن معاذ بن انسؓ قال قال علیہ وسلم ﷺ من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا جهنم".

ترجمہ: حضرت معاذ بن انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر سے گزر کر جائے گا اس کو جہنم کے راستہ میں پل بنایا جائے گا"۔

اور مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ (گردنوں کو پھلانگنے والا) دوزخ میں جائے گا۔(معارف مدینۃ ص۹۳ جلد۳)

جمعہ کے روز مسجد میں آنے والوں کے لیے مناسب نہیں کہ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے داخل ہو، امام یا مؤذن کو بھی ایسے راستے سے گزرنا چاہئے کہ اس کے گزرنے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو، اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو تو وہاں چلے جانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہاں جانے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ [غنیۃ الطالبین ص۴۶۰]۔(مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳،ص:۱۳۱،۱۳۲)

ضرورت کے وقت صفیں چیر کر جانے کا حکم

سوال: امام ومؤذن جامع مسجد وعیدگاہ کے اگر امور متعلقہ ضروریہ کے متعلق نماز کی وجہ سے اول وقت منبر اور مصلے پر نہ جاسکیں بلکہ بعد میں نمازیوں کی صفوف کو چیر کر اور گردنوں کو پھلانگ کر مصلے پر جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درمختار میں ہے اگر کسی کو ایذا نہ ہو تو پھلانگنا درست ہے، خصوصاً بضرورت مذکور امام ومؤذن کو آگے جانا صفوف کو چیر کر درست ہے۔ **"الا ان لایجد الفرجة امامه فتخطی الیها للضرورة".** [فتاوی دارالعلوم ص۵۵ ج۵ بحوالہ ردالمحتار باب صلاۃ عیدین ص۵۷۷ جلد اول]۔(مسائل رفعت قاسمی، ج:۳،ص:۱۳۱،۱۳۲، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا

سوال: جمعہ کے زوال کے وقت نفل پڑھے یانہیں؟

الجواب: جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے۔(صلاۃ الجمعة رسائل الارکان ص ٦٤) **وقع من أيضاً ترجيح قول الامام بكراهة النافلة فى وقت الاستواء يومها فافهم.** (شامی ج ١ ص ٧٧٣ آخری صلاۃ الجمعة) فقط واللّٰہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحيميه، ج: ٦، ص: ٩٤، ط، دار الاشاعت کراچی)

کیا جمعہ کی دونوں اذانیں مسنون ہیں

سوال: اذان جمعہ دو ہیں یا ایک اگر ایک اذان سے جمعہ کی نماز ادا کی جاوے اور اذان اول کو بدعت عثمانی کہا جائے تو اس میں کچھ برائی یانہیں؟

الجواب: اذان جمعہ کی دو ہیں اگر صرف ایک اذان سے نماز جمعہ ادا کی جائے گی تو خلاف اجماع وترک سنت لازم آوے گا اذان اول کو بدعت عثمانی کہنا جیسا کہ بیس تراویح یا جماعت کو غیر مقلدین بدعت عمری کہتے ہیں گمراہی ہے حضرت عمرؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا ہے۔

فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين الحديث(٨١). رواه اصحاب السنن۔

اور پھر اس پر یعنی اذان اول پر ایسا ہی بیس تراویح پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے اور اجماع ایک حجۃ حج

(٨١):(سنن أبى داؤد، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، ص: ٦٥١، رقم: ٤٦٠٧، ط، دار السلام رياض/ والترمذى، ابواب العلم، باب ماجاء فى الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، ص: ٦٠٧، رقم: ٢٦٧٦، ط، دار السلام/ وابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ص: ٥، ط، قديمى كتب خانه كراچى)

شرعیہ میں سے ہے کہ خلاف اس کا جائز نہیں۔ **قال رسول اللّٰہ ان اللّٰہ لایجمع امتی او قال امة محمد علی الضلالة وید اللّٰہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار (٨٢). رواه الترمذی. واللّٰہ تعالیٰ اعلم.** (عزیز الفتاوی، ص: ٢٧٩، ط، دار الاشاعت کراچی)

زوال سے پہلے جمعہ کی اذان

سوال: آج کل یہ دستور ہے کہ جمعہ کی اذان ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے اور زوال کا وقت ١٢/ بجکر ٣٧/ منٹ تک ہے اور اذان ہونے کے بعد لوگ سنت پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ تو کیا ساڑھے بارہ بجے اذان درست ہے اور زوال کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے؟ تو کیا جمعہ کیلئے اس کی رخصت ہے یا ممنوع ہے؟ مدلل تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً! حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق استوائے نہار کے وقت کوئی بھی نماز درست نہیں، سنت جمعہ بھی اس میں شامل ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں بحث فرماتے ہیں:

"**ولكن شراح الهداية انتصروا لقول الامام (وهو عدم جواز وقت استواء) وأجابو عن الحديث المذكور بأحاديث النهى عن الصلاة وقت الاستواء، فانها محرمة**". ردالمحتار، ص: ٣٤٥، مع اضافه۔

اور جب زوال کا وقت ١٢/ بجکر ٣٧/ منٹ پر ہے تو ١٢:٣٠/ پر جمعہ کی اذان درست نہیں ہوگی۔

"**وهو سنة للرجال فى مكان عال مؤكدة هى كالواجب فى لحوق الاثم للفرائض الخمس فى وقتها ولو قضاء**". الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، ص: ٢٥٧ ـ "**(قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة**". ردالمحتار: ٢٥٧/٢ ـ فقط واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی محمودیه، ج: ٨، ص: ٣٤٢، ٣٤٣)

---

(٨٢):(الجامع الترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعة، ص: رقم: ١٢٦٦، ط، دار السلام ریاض)

جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہنا

سوال: جمعہ کے دن پہلی اذان منارہ پر ہوتی ہے، غیر مقلدین اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بدعت عثمانی (رضی اللہ عنہ) ہے اور ناجائز ہے، یہ اذان حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، کیا ان کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: رسول مقبول ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان کم تھے ایک اذان جو منبر کے پاس ہوتی تھی وہ کافی تھی، بعد میں مسلمان دور دور تک پھیل گئے تو اذان منبری کافی نہ رہی اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانہ مبارکہ میں صحابہؓ کے اجماع سے پہلی اذان کا اضافہ ہوا، اور اجماع حجت شرعیہ ہے، نیز حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین مہدین میں سے ہیں اور رسول مقبول ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا۔ **فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين. الحديث** [مشكوة شريف، ص: ٣١، باب الاعتصام بالكتاب والسنة]

تفسیر مواہب الرحمان میں ہے۔ "**يا يها الدين آمنوا اذا نودى للصلاة**". اے ایمان والو جب اذان دی جاوے واسطے نماز کے [ف] یعنی نماز جمعہ کے واسطے اذان دی جاوے اور یہ پہلی اذان ہے اور اس سے مراد وہ اذان ہے جب خطبہ پڑھنے کے واسطے خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کے روبرو کھڑے ہو کر اذان کہی جاوے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی، پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں کی کثرت ہوگئی اور آبادی بھی دور تک بڑھ گئی تو آپؓ نے مقام زوراء پر ایک اذان بڑھائی کہ اس کے سنتے ہی لوگ خرید وفروخت چھوڑتے اور جمعہ کے واسطے متوجہ ہوتے تھے، پھر جب خطیب منبر پر بیٹھتا تو بدستور سابق اس کے سامنے دوبارہ اذان دی جاتی پھر بعد فراغت خطبہ کے نماز کے واسطے اقامت کہی جاتی وہ بھی اذان کہلاتی ہے اور اس وقت سے اسی طرح معمول رہا اور اس زمانہ میں اصحاب مہاجرین وانصار بہت موجود تھے مگر کسی نے مخالفت نہیں کی تو یہ بھی سنت معمول ہوگئی، کیونکہ حدیث میں آیا

ہے" علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی". الحدیث. یعنی تم لوگ اپنی اوپر لازم کرو میرے طریقہ سنت کو، اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقہ سنت کو اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور خبر دار بچے رہو ایسی باتوں سے جو نئی نکالی گئی ہیں کیونکہ دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں گئی ہے۔ الی قولہ۔ پس حاصل یہ کہ جمعہ کے روز پہلے منارہ پر اذان دینا جائز ہے، بعد اس کے خطیب کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دی جاوے۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن، ج: ٦ ص: ۴۰۳ سورہ جمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج: ٦، ص: ۸۳، ۸۴، ط، دارالاشاعت کراچی)

جمعہ کی اذان اول کا مسنون وقت اور اذان ثانی کے درمیان کتنا فاصلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جمعہ کی اذان اول جو عام طور پر ایک گھنٹہ قبل ہوتی ہے، بعض علاقوں میں لوگ اس کو اذان ثانی سے متصل کرنا چاہتے ہیں، اس طرح کہ دونوں کے درمیان صرف دس منٹ کا فاصلہ رہے گا۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اذان اول کے بعد عام طور پر لوگ فوراً جمعہ کے لئے سعی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے گنہگار ہو رہے ہیں، اگر ایسا کرلیا جائے کہ اذان اول کے فوراً بعد اذان ثانی ہو جائے تو لوگ اذان اول سے پہلے مسجد میں آنے کی کوشش کریں گے اور اذان اول کے بعد سعی کے ترک کی وجہ سے جو گناہ ہو رہا تھا وہ نہیں ہوگا۔ فتویٰ اور مشورہ دنوں ہی مطلوب ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کی اذان اول اور خطبہ کے درمیان ایک گھنٹہ کا فاصلہ خلاف سنت ہے، ایسی صورت میں اذان اول کا مصلیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اذان اول کے فوراً بعد لوگ کاروبار چھوڑ کر نہیں آئیں گے، اس لئے اذان اول اور خطبہ کے درمیان ۱۵ ۔ ۲۰ منٹ کا فاصلہ مناسب ہے، اس سے زیادہ مناسب نہیں ہے۔

نیز جمعہ کی اذان اول کا مسنون وقت زوال کے فوراً بعد ہے اور حضور ﷺ، خلفاء راشدین اور سلف صالحین کے زمانہ میں جمعہ کی نماز اول وقت میں ہوا کرتی تھی، ہمارے ہندوستان میں عملی طور پر جمعہ کی اذان

اول مسنون وقت پرنہیں ہوتی ہےاور جمعہ کی نماز بھی جتنی جلد ہونی چاہئے نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں مساجد کے ذمہ داران اورخواص کوتوجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ جمعہ کی اذان زوال کے فوراً بعد ہو، اس کے ۱۵ ـ۲۰ منٹ کے بعد خطبہ شروع ہوجائے اس دوران لوگ آسانی سے سنتیں پڑھ سکتے ہیں، اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ اذان اول کے فوراً بعداذان ثانی کہہ دی جائے، بلکہ اذان اول اوراذان ثانی کے درمیان اتنافاصلہ رہنا چاہئے کہ جس میں لوگ آسانی کے ساتھ وضوکر کے جمعہ کی سنن قبلیہ ادا کرسکیں، اس کے لئے ۱۵ ـ۲۰ منٹ کافی ہے۔

حدثنی ایاس بن سلمة بن الأکوع عن أبیه قال: کنا نصلی مع النبیﷺ یوم الجمعة، و لیس للحیطان فیئ یستظل به. (السنن الکبری للبیهقی، کتاب الجمعة، باب استحباب التعجیل بصلاة الجمعة، دار الکفر بیروت ٤/ ٤٢١، رقم: ٥٧٧٠)

عن أنس بن مالکؓ، أن رسول اللهﷺ کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس. (بخاری شریف، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة، النسخة الهندیة ١/ ١٢٣، رقم: ٨٩٤، ف: ٩٠٤)

عن ایاس بن سلمة بن الاکوع عن أبیه قال: کنا نجمع مع النبیﷺ: اذا زالت الشمس، ثم نرجع نتتبع الفیئ. (السنن الکبری للبیهقی، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة، ٤/ ٤٢٠، دار الفکر رقم: ٥٧٦٧)

لکن جزم فی الأشباه من فن الأحکام أنه لایسن لها الابراد. وفی جامع الفتاوی لقارئ الهدایة: قیل انه مشروع، لأنها تؤدی فی وقت الظهر وتقوم مقامه، وقال الجمهور: لیس بمشروع لأنها تقام بجمع عظیم فتأخیرها مفض الی الحرج. (شامی، کتاب الصلاة، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها، زکریا ٢/ ٢٥، کراچی ١/ ٣٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ٩، ص: ٣٠٧، ٣٠٨، ط،مکتبه اشرفیه دیوبند)

جمعہ کی تیسری اذان صحیح نہیں

سوال: جناب ہمارے علاقے میں ایک مسجد ہے عموماً جمعہ کی نماز میں دواذانیں ہوتی ہیں، لیکن اس مسجد میں تین اذانیں ہوتی ہیں، پہلی اذان تو اپنے وقت پر ہوتی ہے، جبکہ دُوسری اذان مولانا صاحب وعظ کرلیتے ہیں اس کے بعد ہوتی ہے، جبکہ تیسری اذان سنتیں ادا کرنے کے بعد ہوتی ہے، جبکہ دوسری مساجد میں دواذانیں ہوتی ہیں، ایک اپنے وقت پر ہوتی ہے، جبکہ دوسری سنتیں ادا کرنے کے بعد ہوتی ہے، جناب میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ طریقہ کس حد تک درست ہے اور اسلام میں اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: جمعہ کی دواذانیں تو ہوتی ہیں (۸۳)، تیسری اذان نہ کہیں پڑھی نہ سنی، خدا جانے ان صاحب نے کہاں سے نکالی ہے؟ بہرحال تیسری اذان بدعت ہے (۸۴)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۴،ص:۱۲۴، ط، مکتبہ لدھیانوی)

جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دیجائے

سوال: جمعہ جو اذان خطبہ کے وقت دی جاتی ہے اس اذان کی جگہ کون سی ہونی چاہیئے۔ دوسری یا تیسری یا آخری صف میں کھڑے ہو کر دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۸۳): **اعلم أن الجمعة فی عهده ﷺ كان واحدا خارج المسجد عند الشروع فی الخطبة وكذالک استمر العمل به فی عهد الشيخين أبی بكر وعمر رضی اللّٰه عنهما، ثم زاد عثمان رضی اللّٰه عنه اذاناً خارج المسجد على الزوراء حين كثير المسلمون وذالک قبل أو ان الخطبة.** (معارف السنن ج: ٤، ص: ٣٩٥)

(۸۴): **فكل من أحدث شيئاً ونسبه الى الدين ولم يكن له اصل من الدين يرجع اليه، فهو ضلالة والدين برئ منه، وسواء فی ذلک مسائل الاعتقادات أو الاعمال أو الاقوال الظاهرة والباطنه.** (جامع العلوم والحكم فی شرح خمسين حديثاً من جوامع الكلم، الحديث الثامن والعشرون، ص: ٥٩٧،ط، دارابن كثير دمشق۔بيروت)

الجواب: مؤذن کوصف اوّل میں خطیب کے آگے اذان کہنا سنت ہے۔ درمختار میں ہے۔ **ویؤذن ثانیا بین یدیه ای الخطیب اه ای علی سبیل السنیة اھ.** (شامی ج ١ ص ٥٧٦) فقط واللّٰہ اعلم۔ (خیرالفتاوی، ج: ٣، ص: ٤٩، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان/کتاب النوازل، ج: ٥، ص: ٢٩١)

جمعہ اور عشاء میں تثویب

سوال: بعض شہروں میں ایسا کرتے ہیں کہ اول نماز جمعہ کے واسطے اذان، اس کے بعد دومرتبہ بآواز بلند الصلاۃ کہہ کر پکارتے ہیں پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے اور رمضان شریف میں بعد اذان عشاء ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: یہ تثویب ہے جو کہ مختلف فیہ ہے اور احادیث میں اس پر اطلاق بدعت کا کیا گیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کو جائز فرمایا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ خاص قاضی ومفتی وغیرہ کے لئے اس کو جائز رکھتے ہیں اور اسی کو قاضی خاں نے اختیار کیا ہے پس احوط ترک ہے (٨٥)۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج:١، ص:٢٠٧، ط، دارالاشاعت کراچی)

---

(٨٥):في الهداية: والتثويب في الفجر: حي على الصلاة حي على الفلاح مرتين بين الأذان والاقامة، حسن، لأنه وقت نوم وغفلة، وكره في سائر الصلوات، ومعناه: العود الى الاعلام بعد الاعلام، وهو على حسب ما تعارفوه، وهذا التثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة رضي الله عنهم، لتغير أحوال الناس، وخصوا الفجر به، لما ذكرنا، والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها، لظهور التواني في الأمور الدينية. وقال ابو يوسف رحمه الله: لاأرى بأسا أن يقول المؤذن للأمير في الصلوات كلها: السلام عليك أيها الأمير ورحمة الله وبركاته، حي على الصلاة، حي على الفلاح، الصلاة يرحمك الله واستبعده محمد رحمه الله، لأن الناس سواسية في أمر الجماعة،وأبو يوسف رحمه=

پہلی اذان جمعہ کے بعد امام کہاں بیٹھے

سوال: امام صاحب جمعہ کی اذان کے بعد محراب اور منبر کے پاس نہیں بیٹھتے، مسجد کے حجرہ میں یا برآمدہ میں بیٹھتے ہیں اور وہاں سنت ونوافل پڑھتے ہیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آتے ہیں، تو بہتر کیا ہے، وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب: امام کے جمعہ کے لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں، حجرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں، جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں۔ آپ ﷺ عین خطبہ کے وقت اپنے حجرہ مبارکہ سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے آپ ﷺ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ’’**اذا خرج الامام فلا صلاۃ و لا کلام**‘‘. ترجمہ: جب امام خطبہ کے حجرہ سے نکلے اسی وقت سے نماز اور کلام منع ہے حدیث میں ’’**اذا قام**‘‘ کا لفظ نہیں ہے ’’**اذا خرج**‘‘ کا لفظ ہے، اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ محراب نہیں بلکہ محراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، جب امیر المؤمنین خطبہ کے لئے اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کردیتے [مستدرک حاکم، ج: ۱ص: ۱۰۸، ص: ۲۸۸/ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۴۴۹/ موضوعات کبیر ملا علی قاریؒ، ص: ۱۴/ اصابہ فی تذکرۃ الاصحابہ، ج: ۱، ص: ۱۸۴/ اقامۃ الحجۃ، ص: ۵]۔ اور تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے: امام کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ خطبہ کے

=اللّٰہ خصہم بذلک، لزیادۃ اشتغالہم بأمور المسلمین، کیلا تفوتہم الجماعۃ، وعلی ھذا القاضی والمفتی. (الھدایۃ، باب الأذان، ج: ١، ص: ١٦٣، ١٦٤، ط، مکتبۃ البشریٰ کراتشی)

وقت برآمد ہو[یعنی نکلے] جیسے آنحضرت ﷺ اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے خلفائے راشدین کرتے تھے۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن، ج:٦،ص:٤٠٩،سورۃ جمعہ)

اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں: ''**ومن السنة جلوسه فی مخدعه عن یمین المنبر**''(درمختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی دائیں جاب حجرہ میں بیٹھے (درمختار) حجرہ نہ ہوتو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہوتو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے، خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے۔ شامی میں ہے (**قوله عن یمین المنبر) قید لمخدعه قال فی البحر فان لم یکن ففی جهته او ناحیته وتکره صلاته فی المحراب قبل الخطبه.** (شامی، ج: ١، ص: ٧٦٠، باب الجمعة)

آپ کے یہاں کے امام صاحب کا عمل مطابق سنت ہے، آج کل یہ سنت متروک العمل ہے، حق تعالیٰ اماموں کو اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی رحیمیہ، ج:٦، ص:٨٢،٨٣، ط، دارالاشاعت کراچی)

جمعہ کی اذان اوّل کے بعد بیع وشراء ناجائز ہے

سوال: جمعہ کی اذان اول کے بعد بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب: جمعہ کی اذان اوّل کے بعد بیع وشراء مکروہ تحریمی ہے، ایسی بیع سے توبہ اوراس کا فسخ دیانۃً واجب ہے قضاءً نہیں، بیع فاسد قضاءً بھی واجب الفسخ ہوتی ہے، آجکل نماز جمعہ سے قبل تقریر کا دستور ہو گیا ہے جسکی وجہ سے اذان اول اور خطبہ کے درمیان بہت وقفہ رکھا جاتا ہے اس کی وجہ سے جو لوگ اذان اول سنکر فوراً جمعہ کی تیاری میں مشغول نہیں ہوتے ان کے اس گناہ کا سبب مسجد کی منتظمہ ہے اس لئے منتظمہ بھی سخت گنہگار ہوگی منتظمہ پر لازم ہے کہ اذانِ اول وخطبہ کے درمیان زیادہ فصل نہ رکھیں، **قال فی التنویر وکره البیع عند الاذان الاول، وفی الشامیة معزیا الی النهر عن النهایة ان فسخه واجب علی کل منهما ایضاً صونا لهما عن المحظور وعلیه مشی الشارح فی اٰخر الباب**

ویأتی تمامه [ردالمحتار ج: ٤، ص: ١٤٧] **وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ فی اٰخر الباب بعد نقل القولین، قلت ویمکن التوفیق بوجوبه علیهما دیانة بخلاف البیع الفاسد فانهما اذا اصرا علیه الفسخه القاضی علیهما الخ.** [ردالمحتار ج:٤، ص: ١٥٠] فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ١٢٤، ط، ایم ایچ سعید)

جب شہر میں متعدد مساجد ہوں تو کون سی مسجد کی اذان کے بعد بیع وشراء ممنوع ہوگی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد بیع وشراء کرنا حرام ہے، بسا اوقات ایک شہر میں متعدد جامع مسجد ہوتی ہیں، تو ایسی صورت میں کس مسجد کی اذان کا اعتبار کر کے بیع وشراء ترک کیا جائے، جب کہ ایک مسجد میں ۲ر بجے اذان ہوتی ہے، اور دوسری میں ایک یا ڈیڑھ بجے ہوتی ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص کا جس مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کا ارادہ ہو اس پر اس مسجد کی پہلی اذان ہوجانے کے بعد بیع وشراء وغیرہ کرنا ممنوع ہوگا، دیگر مساجد کی اذانوں کا خیال کرنا اس پر لازم نہیں۔ [مستفاد: حاشیہ امداد الفتاوی ۱/۱۶۹]

والظاهر أن المامور بترک البیع هم المأمورون بالسعی الی الصلاة. (روح المعانی ۲۸/ ۹۱)

وفی التاتارخانیة: انما یجیب أذان مسجده، وسأل الدین عمن سمعه فی ان من جهات ماذا یجب علیه؟ قال: اجابة مسجده بالفعل قال الشامی: قوله انما یجب أذان مسجده أی بالقدم. (الدرالمختار مع الشامی ١/ ٤٤٠۔ ٣٩٩ کراچی قبیل باب شروط الصلاة) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ٥، ص: ٢٨٧، ٢٨٨)

جمعہ میں تکبیر کون کہے جب پہلی اذان کوئی اور پکارے اور دوسری کوئی اور

سوال: جمعہ کے روز اذان اول ایک شخص نے کہی اور اذان جمعہ منبر کے سامنے کی دوسرے نے، تو تکبیر کہنا کس کا حق ہے۔

جواب: دونوں میں سے جو چاہے تکبیر کہہ دے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے(۸۶)۔(فتاوی دار العلوم دیوبند، ج:۲،ص:۹۲، ط، دارالاشاعت کراچی)

اذان جمعہ کے بعد غیر مسلم ملازم کو دوکان پر بٹھا کر دوکان کھلی رکھنا

سوال: جمعہ کی اذان سے پہلے مسجد چلا جاتا ہوں مگر دوکان کھلی رہتی ہے غیر مسلم ملازم مال فروخت کرتا ہے، اس میں کوئی قباحت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: غیر مسلم ملازم جس پر اذان جمعہ سن کر سعی واجب نہیں ہے وہ آپ کی دوکان کھلی رکھے تو ناجائز نہیں ہے۔**وقد خص منه من لاجمعة عليه ذكره المصنف [درمختار] والحاصل ان الدليل خص من وجوب السعي جماعة كالمريض والمسافر الخ [شامی ج: ۴، ص: ۱۸۲ باب الفاسد تحت مطلب البيع المكروه]** لیکن احتیاط اور جمعہ کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ دوکان بند کر دی جائے تا کہ غافل قسم کے لوگوں کو اس سے غلط فہم نہ ہو۔ دوکان بند رکھنے میں جمعہ کے دن کی عظمت اور شان وشوکت میں اضافہ ہوگا، مدارس اسلامیہ بھی بند رہتے ہیں تو اگر ایک گھنٹہ دوکان بند رہے گی تو کیا نقصان ہو جائے گا **"ذلک خير لكم ان كنتم تعلمون" [سوره جمعه پاره نمبر ۲۸]** فقط واللہ اعلم۔(فتاوی رحیمیہ، ج:۶،ص:۸۲، ط، دارالاشاعت کراچی)

---

(۸۶):في البحر: وفي الفتاوى الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن ولو أقام غيره جاز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ٤٤٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

جمعہ کے لئے دکان کب بند کرے؟

سوال: بروز جمعہ ہم لوگ دوپہر کو قبل نماز دکان بند کر دیتے ہیں ہمیں دکان کس وقت بند کرنا چاہئے؟ آج کل زوال کا وقت ۱۲/۴۵ پر ہے اور اذان ایک بجے اور خطبہ ایک بج کر دس منٹ پر ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: احادیث میں یوم جمعہ کی بہت فضیلت آئی ہے حتی کہ یوم عید سے بھی افضل ہے۔ **عن ابی لبابة بن عبدالمنذر قال قال النبی ﷺ ان یوم الجمعة سید الایام واعظمها عند الله وهو اعظم عند الله من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر. الحدیث.** (مشکوۃ شریف، ص: ۱۲۰، باب الجمعة)

اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی تیاری میں لگ جائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، سورۂ کہف پڑھے جتنا جلد ہو سکے جامع مسجد پہنچ کر نوافل، صلاۃ التسبیح، تلاوت قرآن واذکار درود شریف وغیرہ میں مشغول رہے، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اس کے بعد دکان کھولے۔

اگر اس پر عمل کرنا اور دکان بند رکھنا گراں ہو تو اذان اول سے اس قدر پہلے دکان بند کر دے کہ مسنون طریقہ کے مطابق غسل کر کے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان کے وقت جامع مسجد میں پہنچ سکے **"ووجب سعی الیها وترک البیع بالاذان الاول".** (درمختار مع الشامی، ج: ۱، ص: ۷۷۰، باب الجمعة) نیز ملاحظه هو احیاء العلوم، ج: ۱، ص: ۱۶۱ بیان آداب الجمعة بهشتی زیور حصه نمبر ۱۱ ص: ۷۶۔

جمعہ کے دن کی جتنی تعظیم وتکریم کرے گا اور مسنون طریقہ پر نماز کا اہتمام کرے گا اسی کے بقدر برکات سے نوازا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ، ج: ۶، ص: ۱۲۶، ۱۲۷، ط، دار الاشاعت کراچی)

جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو، وہاں خرید وفروخت کی ممانعت نہیں

سوال: جن جگہوں میں جمعہ جائز نہیں وہاں جمعہ کے روز بعد اذان ظہر خرید وفروخت کرنا ضروری

ہے یانہیں؟

جواب: جن جگہوں میں جمعہ جائز نہیں ایسی جگہوں میں بعد اذان ظہر خرید وفروخت میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جمعہ کے روز اذان کے بعد خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کی علت استماع خطبہ ہے اور یہ علت ظہر میں مفقود ہے۔ واللہ اعلم۔ (کفایۃ المفتی، ج:۳،ص:۲۸۴،ط، دارالاشاعت کراچی)

نمازِ جمعہ میں جگہ روکنے کا حکم

شامی ص ۶۲۰ جلد اول میں ہے کہ اگر کوئی شخص خطبہ سے پہلے آکر مسجد میں بیٹھا اور پھر کسی ضرورت کیوجہ سے مثلاً وضو وغیرہ کے لیے وہاں سے اٹھا اور اس جگہ اپنا کپڑا رکھ کر گیا تو وہ مستحق ہے اس جگہ کا۔

پس اگر کوئی دوسرا شخص بیٹھ جائے تو وہ اس کو اٹھا سکتا ہے بغیر اس حالت مذکورہ کے کسی جگہ رومال وغیرہ رکھنا اور قبضہ کرنا اچھا نہیں ہے(۸۷)۔[فتاوی دار العلوم ص ۱۳۵ ج ۳]

ایک رسم یہ ہے کہ اکثر لوگ عیدین یا جمعہ میں یا اور نمازوں میں پہلے سے خود یا کسی نوکر، خادم،

---

(۸۷):في الدر المختار: وتخصيص مكان لنفسه، وليس له ازعاج غيره منه.

وفي الشامية تحته: قوله: (وتخصيص مكان لنفسه) لأنه يخل بالخشوع، كذا في القنية: أي لأنه اذا اعتاده ثم صلى في غيره يبقى باله مشغولاً بالأول، بخلاف ما اذا لم يألف مكاناً معيناً. قوله: (وليس له الخ) قال في القنية:له في المسجد موضع معين يواظب عليه، وقد شغله غيره. قال الأوزاعي له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا اهـ أي لأن المسجد ليس ملكاً لأحد، بحر عن النهاية.

قلت: وينبغي تقييده بما اذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة، كما لو قام للوضوء مثلاً، ولاسيما اذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده تأمل. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبيل مطلب فيمن سبقت يده الى مباح، ج: ۲، ص: ٤٣٦، ط، دار عالم الكتب رياض)

دوست آشنا کی معرفت مسجد میں اپنا کپڑا یا تسبیح جگہ روکنے کے لیے رکھ دیتے ہیں اور آزادی و بے فکری سے جب دل چاہتا ہے تشریف لے جاتے ہیں۔ سو یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے منیٰ میں پہلے خیمہ وغیرہ لگا دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! کیونکہ وہاں ٹھہرنے کا استحقاق اس کو حاصل ہے جو پہلے پہنچ جائے۔

البتہ کسی جگہ جب آدمی بیٹھ گیا اور نماز ہونے تک بیٹھے رہنے کا ارادہ کرلیا، اگر اتفاقا درمیان میں عارضی طور پر اُٹھنا پڑے۔ مثلاً وضو ٹوٹ گیا، کھنکارنے (ناک وغیرہ صاف کرنے) گیا، اس وقت یہی شخص اس جگہ کا مستحق ہے۔ دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ [اصلاح الرسوم ص ۱۶۵]۔ (مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳، ص:۱۳۲، ۱۳۳، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم

سوال: مؤذن خطیب کو عصا دینے سے پہلے بلند آواز سے درود پڑھتا ہے اور حاضرین کو ترغیب دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مؤذن کا اس طرح کرنا درست نہیں ہے یہ طریقہ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھا اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور نہ سلف سے اس طرح کرنا منقول ہے لہٰذا شرعا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

ابتدع بعض الناس أن يتكلموا بين يدى الخطيب بقوله تعالىٰ: ﴿ان الله وملائكته يصلون على النبى﴾ الآية، ويزيدون عليها انشودة طويلة، ثم اذا فرغ المؤذن الذى يؤذن بين يديه يقول: "اذا قلت لصاحبك والامام يخطب يوم الجمعة: أنصت فقد لغوت" الحديث، ثم يقول بعد ذلك أنصتوا توجروا، وكل هذا بدعة لا داعى لها اليها ولا لزوم لها خصوصاً ما يفعله ذلك المؤذن من الجهل بمعنى الحديث لأنه يأمر بالانصات وعدم الكلام، ثم يتكلم هو بعده بقوله أنصتوا.... وعلى كل حال فالترقية

بهذه الكيفية بدعة مكروهة فی نظر الحنفية وتركها أحوط على كل حال.

المالكية: قالوا الترقية بدعة مكروهة لايجوز فعلها. (الفقه علی مذاهب الاربعة: ١/ ٣٩٧، الترقية بين يدی الخطيب، دار الفكر)

نیز ملاحظہ ہو: الفقه الاسلامی وادلته: ٢/ ٢٩٦، الترقية يدی الخطيب "وهی بدعة مكروهة" دار الفكر۔ والدر المختار مع ردالمحتار: ٢/ ١٦٠، فی حكم الرقی بين يدی الخطيب، سعيد۔ والبحر الرائق: ٢/ ١٥٦، باب صلاة الجمعة، الماجدية۔ وفتاوی اللكنوی: ص ٣٦٧، مايتعلق بالجمعة، بيروت۔ واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم زكريا ديوبند، ج: ٢، ص: ٦٥٨، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

جمعہ سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ

سوال: کیا فرماتے ہیں دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں قبل صلاۃ الجمعہ چار رکعت نماز سنت ہیں یا غیر سنت؟ اگر سنت ہیں تو کون سی سنت، شریعت کی نظر میں اس کا کیا حکم ہے؟ بالدلیل زحمت گوارہ فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال: كان النبی ﷺ يركع قبل الجمعة أربعاً لايفصل فی شئ منهن. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة قبل الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٨٠، دار السلام، رقم: ١١٢٩)

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه ﷺ يركع قبل الجمعة أربعاً، وبعدها أربعاً، لايفصل بينهن. (المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی، ١٢/ ١٢٩، رقم: ١٢٦٧٤)

وسن مؤكدا أربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسليمة. (الدرالمختار، كتاب

الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی السنن والنوافل، زکریا ٢/ ١٢، کراچی ٢/ ١٢، کوئٹه ١/ ٤٢٧، الأشباه قدیم ص: ٦٤، عالمگیری، الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، زکریا قدیم ١/ ١١٢، جدید ١/ ١٧١) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ٩، ص: ٣٤٧، ٣٤٨، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)

جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں یا چھ

سوال: جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعت؟ امام صاحبؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں؟ مفتیٰ بہ قول کیا ہے؟ جو شخص صرف چار رکعتیں پڑھے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ظاہر الروایت میں جمعہ کے چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ مؤکدہ ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھ رکعتیں ہیں لہٰذا جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام سے مؤکدہ سمجھ کر پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت غیر مؤکدہ سمجھ کر پڑھی جائیں جو چار پر اکتفاء کرتا ہے وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: **واما السنة قبل الجمعة وبعدها فقد ذکر فی الاصل واربع قبل الجمعة واربع بعدها وکذا ذکر الکرخی وذکر الطحاوی عن ابی یوسفؒ انه قال یصلی بعدها ستاً وقیل هو مذهب علی رضی اللّٰه عنه وما ذکرنا انه یصلی اربعا مذهب ابی مسعود رضی اللّٰه عنه الی قوله وجه ظاهر الروایة ما روی عن النبیﷺ انه قال من کان مصلیاً بعد الجمعة فلیصل اربعاً وما روی من فعلهﷺ فلیس فیه ما یدل علی المواظبة ونحن لانمنع من یصلی بعدها کم شاء غیر انا نقول السنة بعدها اربع رکعات لاغیر لما روینا.** [بدائع الصنائع، ص: ٢٨٥، ج: ١، فصل فی الصلاة المسنونه]

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(سوال): کتنی نمازیں سنت مؤکدہ ہیں؟

(الجواب):........اور جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعتیں۔(تعلیم الاسلام حصہ چہارم)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال): جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد کی سنتوں میں چار مؤکدہ ہیں یا دو یا سب؟

(الجواب) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، کذا فی الدرالمختار اور بعد کی چار مؤکدہ ہیں کذا فی الدرالمختار۔[امداد الفتاویٰ، ج:۱،ص:۶۷۸، ۶۷۹ مطبوعہ دیوبند، فقط واللہ اعلم بالصواب]۔(فتاوی رحیمیہ، ج:۶،ص:۱۱۱، ط، دارالاشاعت کراچی)

محراب میں جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنا

سوال: خطیب کا خطبۂ جمعہ سے پہلے محراب میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: مکروہ ہے(۸۸)، طحطاوی، ص: ۲۸۷۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی محمودیہ، ج:۸،ص:۳۴۵)

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنا

سوال: جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے، گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟ بینوا توجروا

الجواب: سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں خشوع زیادہ ہو وہاں پڑھی جائیں(۸۹) لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو قبلیہ اور بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی بلکہ

---

(۸۸):**فی حاشیة الطحطاوی: و تکره صلاته فی المحراب قبل الخطبه قهستانی.** (حاشية الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ٥١٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی البحر: وتكره صلاته فی المحراب قبل الخطبة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ٢، ص: ٢٦١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۸۹):**والأفضل فی النفل غير التراويح المنزل الا لخوف شغل عنها، والأصح=**

بعض تو سرے سے مُنکر ہیں اس لئے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنن قبلیہ و بعدیہ مسجد میں ادا کی جائیں۔
فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۷۹، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

ایک مسجد میں جمعہ کی سنتیں پڑھ کر دوسری میں فرض ادا کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے اور ایک بجے نماز جمعہ شروع ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں پون بجے نماز جمعہ ہے لوگ پہلی مسجد میں آ کر وضوء کرتے ہیں سنت پڑھتے ہیں اذان بھی سنتے ہیں اور جمعہ پڑھنے کے لیے دوسری مسجد میں جہاں پونے ایک بجے نماز جمعہ ہوتا ہے چلے جاتے ہیں۔ دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھ کر واپس پہلی مسجد میں آجاتے ہیں اور بقیہ سنتیں اس پہلی مسجد میں پڑھ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کا یہ طرز عمل از روئے شریعت جائز ہے یا نہ؟

الجواب: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم! واضح رہے کہ اذان کے وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوں یا اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوں ان کے لیے نماز ادا کرنے سے پہلے بلا ضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔ **لما فی الحدیث عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال امرنا رسول اللّٰہ ﷺ اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلاۃ فلایخرج احدکم حتی یصلی.** [رواہ احمد]

(۲) وعن ابی الشعثاء رضی اللّٰہ عنہ خرج رجل من المسجد بعد ما اذن فیہ فقال ابو ہریرۃؓ اما ہذا فقد عصٰی ابا القاسم ﷺ وعن عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ و ہولا یرید الرجعۃ فہو منافق.

وفی الدر المختار: (وکرہ) تحریما للنہی (خروج من لم یصل من مسجد اذن

=**أفضلية ما كان أخشع وأخلص.** (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة باب الوتر والنوافل، ج: ٢، ص: ٤٦٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

فيه الا لمن ينتظم به امر جماعة اخرى) والا (لمن صلى الظهر والعشاء) وحده مرة فلايكره خروجه بل تركه للجماعة الا عند الشروع فى الاقامة لمخالفة الجماعة بلا عذر، و فى الكنز وكره خروجه من مسجد اذن فيه حتى يصلى وان صلى لا الا فى الظهر والعشاء ان شرع فى الاقامة الخ ـ وفى فتح المعين وكره خروجه الخ ـ تحريماً لقوله عليه السلام لايخرج من المسجد بعد النداء الا منافق او رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع وقوله اذن فيه اى على الغالب والمراد دخول الوقت اذن فيه اولا ولا فرق بين ما اذن وهو فيه او دخل بعد الاذان، وقالوا اذا كان ينتظم به امر جماعة بان كان مؤذنا او اماما فى مسجد آخر تتفرق الجماعة لغيبته يخرج بعد النداء لانه ترک صورة تكميل معنى) وفى النهاية: اذا خرج يصلى فى مسجد حية مع الجماعة فلا بأس به مطلقاً من غير قيد بالامام والمؤذن فلا يخفى ما فيه اذ خروجه مكروه تحريماً والصلاة فى مسجد حية مندوبة فلا يرتكب المكروه لاجل المندوب بخلاف الخروج لحاجة اذا كان على عزم العود لانه مستثنىٰ بنص الحديث الخ''.

ان احادیث اور فقہی جزئیات سے واضح ہوا کہ صورت مسئولہ میں ان لوگوں کے لیے پہلی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (البتہ اگر ان لوگوں میں کوئی دوسری مسجد کا مؤذن یا امام ہو جو وہاں جا کر جمعہ قائم کرتا ہو ان کے لیے نکلنا جائز ہے) لہٰذا یہ لوگ پہلی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں کہ اس مسجد کا ان پر حق ہے اور ثواب بھی اس میں زیادہ ہے۔ افضل المساجد مكة ثم المدينة ثم القدس ثم قبا ثم الاعظم ثم الاقرب. واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۵۳۳تا۵۳۵، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

کیا سنن جمعہ کے لئے تعینِ جمعہ ضروری ہے؟

سوال: سننِ جمعہ کے لئے تعینِ جمعہ کو آپ نے ضروری تحریر فرما دیا ہے، حالانکہ کتبِ فقہ میں تصریح

موجود ہے کہ سننِ نماز کے لئے مطلق نیت کافی ہے، آپ بمع حوالہ وضاحت کیجئے۔

جواب: تعینِ کو میں نے ضروری نہیں لکھا، سائل نے یہ پوچھا تھا کہ جمعہ کی سنتوں میں نیت ظہر کی کی جائے یا سنت جمعہ کی؟ اس کے جواب میں لکھا تھا کہ: ''سنتِ جمعہ کی نیت ہوتی ہے، سنتِ ظہر کی نہیں۔'' رہا یہ کہ سنت صحیح ہونے کے لئے تعینِ نیت شرط ہے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ: ''سنت بغیر تعین کے بھی ادا ہوجاتی ہے، تعین نیت اس کے لئے شرط نہیں'' (۹۰)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ج: ۴،ص: ۱۴۵، ط، مکتبہ لدھیانوی)

نمازِ جمعہ کی نیت

سوال: نمازِ جمعہ کی نیت کیا اس طرح سے ہے کہ ''نیت کرتا ہوں میں چار رکعت سنتِ جمعہ'' اوراسی طرح فرض کی نیت کی اور پھر بعد فرض نماز کے اسی طرح سے نیت ہے کہ ''نیت کرتا ہوں چار رکعت سنت بعداز جمعہ اور دو رکعت سنت'' اورنفل کی بھی اسی طرح سے نیت کرتا ہے۔ تو کیا یہ دونوں صورتوں میں نیت ٹھیک ہے کہ نہیں؟ صحیح طریقہ کیا ہے، کس طرح جمعہ کی نیت کی جائے؟

الجواب: جمعہ فرض ہے(۹۱)، اس میں سنت کی نیت نہ کرے، ہاں جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد سنت میں نیت سنت کی طرح کہ یہ پہلے کی سنت ہے، اور یہ بعد کی سنت ہے، چار میں چار کی اور دو میں دو کی

---

(۹۰):فی اللباب: ثم ان كانت الصلاة نفلاً: يكفيه مطلق النية، وكذلك ان كانت سنة، في الصحيح. [هداية]. اهـ والتعيين أفضل وأحوط. (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج: ٢، ص: ١٣٤، ط، دار السراج المدينة المنورة)

(۹۱):في الدرالمختار: هي فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدليل القطعي.

وفي الشامية تحته: قوله: (بالدليل القطعي) وهو قوله تعالىٰ ﴿يا ايها الذين آمنوا اذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا﴾ [الجمعة: ٩] الآية وبالسنة والاجماع. (رد المحتار على الدرالمختار، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٣، ٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

نیت کرے(۹۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔(فتاوی محمودیہ، ج:۸،ص:۳٦٦)

نمازِ جمعہ کی سنتوں کی نیت کس طرح کریں؟

سوال: نمازِ جمعہ جو کہ نمازِ ظہر کے لئے قائم مقام ہے اس میں پہلی چار سنت کی نیت کس طرح پڑھی جائے گی؟ نیت میں وقت نام جمعہ کا لیا جائے گا کہ ظہر کا؟ اسی طرح جمعہ کے دوفرض کے بعد جو چار سنت، دو سنت اور دو نفل ہیں، ان کی نیت بھی پڑھتے وقت اس میں وقت کا نام جمعہ کا لینا ہوگا یا نہیں؟ اس کی بھی صحیح نیت کا طریقہ لکھیں۔

جواب: جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں، سنت جمعہ ہی کہلاتی ہیں، سنتِ جمعہ ہی کی نیت کی جاتی ہے، ویسے سنت مطلق نماز کی نیت سے بھی ادا ہو جاتی ہے، اس میں وقت کا نام لینا بھی ضروری نہیں (۹۳)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۴،ص:۱۴۵، ط، مکتبہ لدھیانوی کراچی)

---

(۹۲):فی الدرالمختار: ولابد من التعيين عند النية فلو جهل الفرضية لم يجز....لفرض أنه ظهر أو عصر قرنه باليوم أو الوقت أولا هو الأصح ولو الفرض قضاء..... وواجب....دون تعيين عدد ركعاته. (الدرالمختار مع الشامی، باب شروط الصلاة، ج: ٢، ص: ٩٥، ٩٦، ٩٧، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۹۳):فی الدرالمختار: وكفى مطلق نية الصلاة وان لم يقل لله لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد.

وفی الشامية: قوله: (على المعتمد) أی من قولين مصححين، وانما اعتمد هذا لما فی البحر من أنه ظاهر الرواية، وجعله فی المحيط قول عامة المشايخ، ورجحه فی الفتح ونسبه الى المحققين. (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب فی حضور القلب والخشوع، ج: ٢، ص: ٩٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

ظہر اور جمعہ کی سنن قبلیہ کی بعد میں ادائیگی

سوال: ظہر کی چار سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے اگر ان کو پڑھنے کی نوبت نہ آوے تو بعد ادائے فرض ان چار سنتوں کی نیت قضا کی جاوے گی یا ادا کی؟

الجواب: ان سنتوں میں ادا کی نیت ہوگی کیونکہ وقت ظہر باقی ہے صرف ترتیب بدلی ہے (۹۴)۔

(امداد الفتاوی، ج:۳، ۴۷، ط، زکریا بک ڈپو الہند)

جمعہ کے بعد کی سنتیں چھوڑ کر کاروبار میں مشغول ہو جانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو لوگ جمعہ کے دن صرف امام کے ساتھ دو رکعت فرض کے بعد مسجد سے نکل کر اپنی دوکانوں میں یا کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جمعہ کی نماز فرض کے بعد فوراً دعا مانگنا چاہئے یا کہ مسجد کے لئے پیسے اکٹھے کرنا چاہئے؟ افضل اور اولیٰ کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کے بعد کی سنتیں بلا عذر مستقل چھوڑنے کی عادت بنا لینا جائز نہیں ہے، یہ سخت گناہ ہے۔

وسن مؤكدا أربع قبل الظهر، وأربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسليمة.

وفي الشامية: وسن مؤكدا، أي استناناً مؤكداً (الى قوله) ويستوجب تاركها

---

(۹۴):وقضى السنة التي قبل الظهر في وقته هذا قول الجمهور، وهو الصحيح لما عن عائشة رضي الله عنها أنه عليه الصلاة والسلام فاتته الأربع قبل الظهر فقضاها ومن المعلوم أن تسميته قضاء مجاز ولذا لاينوى القضاء فيها على الاصح كما في الكافي. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة، ج: ١، ص: ٣١١، ٣١٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

التضليل واللوم، أى على سبيل الاصرار بلاعذر. (درمختار مع الشامی ۲/ ٤٥١ زکریا)

مسجد کی ضرورت کے لئے نماز کے بعد دعا میں قدرے تاخیر کرنے کی کوئی حرج نہیں، لیکن زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ [کفایت المفتی ۱۲۵/۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کتاب النوازل، ج: ۵، ص: ۲۸۹، ۲۹۰)

سنتوں کے لئے اذان کا انتظار ضروری نہیں

سوال: سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری ہے یا نہیں؟ جیسا کہ جمعہ وعشاء وظہر کے وقت چار رکعت سنت پہلے پڑھی جاتی ہیں بغیر اذان ہوئے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری نہیں جمعہ اور ظہر اور فجر کے سنتیں اذان سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں۔ (کفایۃ المفتی، ج:۳، ص:۳۱۶، ط، دارالاشاعت کراچی)

نماز جمعہ میں لقمہ دینا

سوال: نماز جمعہ یا کسی اور فرض نماز میں امام اگر کوئی سورت غلط پڑھے یا پڑھتے ہوئے بھول کر خاموش کھڑا ہو جائے تو کیا مقتدی امام کو صحیح بتا سکتا ہے اور نماز میں مقتدی کے بتانے سے فرق تو نہیں آئے گا؟

جواب: امام کو لقمہ دینے میں اور بتلانے میں جلدی کرنا مکروہ ہے جیسا کہ امام کیلئے یہ مکروہ ہے کہ وہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر واجب قرأت نہ کی ہو تو دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے، بہرحال لقمہ دینے سے نماز میں کچھ نقص نہیں آتا ہے(۹۵)۔ [عزیز الفتاوی قدیم رفتاوی دارالعلوم ص۱۸۲ ج۷]۔ (مسائل رفعت قاسمی، مسائل جمعہ، ج:۳، ص:۸۲، ط، حامد کتب خانہ کراچی)

---

(۹۵):فی المحیط: ولاینبغی للمقتدی أن یفتح علی الامام من ساعته، لأنه ربما یتذکر الامام من ساعته، فیکون قراء ته خلفه قراء ة من غیر حاجة. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الخامس مایفسد الصلاة ومالایفسد، ج:۲، ص:١٥٥، ط، ادارة القرآن=

عیدین وجمعہ میں سجدہ سہو معاف ہونے کی علت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر نماز عید کی تکبیرات زوائد سہواً چھوٹ گئیں اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز بلا کراہت درست ہوگئی، نماز لوٹانے کی قطعاً ضرورت نہیں، نماز عیدین یا نماز جمعہ سب میں ترک واجب سے سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہوتا؟

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو کی معافی کی علت کثرت ازدہام کی وجہ سے نمازیوں کا تشویش میں پڑ جانا ہے، لہٰذا جن چھوٹی مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے وہاں سجدہ سہو ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ وہاں تشویش اور فتنہ کا خطرہ نہیں ہے اور جامع مسجد اور بڑی عیدگاہ میں اگر سہو واقع ہو جائے، تو قطع فتنہ کے لئے سجدۂ سہو معاف ہے اور جمعہ وعیدین کے علاوہ دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر مجمع بہت بڑا ہے تو سجدۂ سہو معاف ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳۹/۴)

والسهو فى صلاة العيد، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأوليين لدفع الفتنة، وتحته فى الشامية: الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك الخ. (الدرالمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/ ٥٦٠، كراچى ٢/ ٩٢، عالمگيرى، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود

=والعلوم الاسلامية كراتشى)

وفى الشامية: يكره أن يفتح من ساعته، كما يكره للامام أن يلجئه اليه، بل ينتقل الى آية أخرى...الخ. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، ج: ٣، ص: ٣٨٢، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفى البحر الرائق: أن الصحيح من المذهب أن الفتح على امامه لايوجب فساد صلاة أحد، لا الفاتح ولا الآخذ مطلقاً فى كل حال. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، ج: ٢، ص: ١٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

السهو، زکریا ۱/ ۱۲۸، جدید ۱/ ۱۸۷)

عدم السجود مقید بما اذا حضر جمع کثیر أما اذا لم یحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعی الی الترک وهو التشویش. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهود، دار الکتاب دیوبند جدید ٤٦٦، قدیم ۲۵۳) فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی قاسمیه، ج: ۷، ص: ٦٢٨، ٦٢٩، ط، مکتبه اشرفیه دیوبند)

جمعہ فاسد ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا فرض ہے

سوال: جمعہ فاسد ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب: دوبارہ پڑھنا فرض ہے، **قال فی شرح التنویر لو خطب جنباً ثم اغتسل وصلی جاز وفی الشامیة تحت (قوله جاز) ای ولایعد الغسل فاصلاً لانهٗ من اعمال الصلاة ولکن الاولیٰ اعادتها کما لو تطوع بعدها او افسد الجمعة او فسدت بتذکر فائتة فیها کما فی البحر** [شامیة ج۱] فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی، ج: ٤، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، ط، ایم ایچ سعید)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم

سوال: زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر تو وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائیگا تو پھر جمعہ ہی پڑھ لے ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ پڑھ لے پھر فوراً فجر ادا کرلے۔

لو ذکر فی الجمعة ان علیه الفجر فان کان لایخاف فوت الجمعة ویقطعها ویبدأ

بالفجر ولو فات الوقت يتم الجمعة لسقوط الترتيب بضيق الوقت اما لو خاف فوت الجمعة لا الوقت فعندهما يبدأ بالفجر وعند محمدؒ يتم الجمعة اهـ. [عالمگیری، ج: ١، ص: ١٤٨]فقط واللّٰہ اعلم۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ١١١، ط، مكتبه امداديه ملتان)

جمعہ کی نیت کر کے اقتداء کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا

سوال: ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا وہ کثرتِ مجمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جمعہ پڑھا جا رہا ہے جمعہ کی نیت کر کے امام کے ساتھ شریک ہو گیا بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا یا ظہر؟

الجواب: اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے نہ جمعہ، یہ دوبارہ ظہر ادا کرے۔

وان نوى عند التكبير انهٗ يصلى الجمعة مع الامام فاذا كان الامام يصلى الظهر لايجوز ظهره مع الامام.... (الى قوله) لانه نوى ان يصلى الجمعة مع الامام فاذا تبين ان الامام كان يصلى الظهر انه لم يصح اقتداء لمكان المغايرة. [قاضی خاں، ج: ١، ص: ٨٥]۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ٨٥، ٨٦، ط، مكتبه امداديه ملتان)

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں مخصوص سورتیں پڑھنا

سوال: ہمارے امام صاحب ہر جمعہ کی فجر کی نماز باجماعت میں سجدۂ تلاوت پڑھتے ہیں، پہلی رکعت میں سجدہ کرتے ہیں اور ہر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لیتے ہیں، یہ کہاں تک جائز ہے؟

جواب: جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورۂ الم تنزیل اور دُوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا، اس لئے یہ سنت ہے، تاہم کبھی کبھی دُوسری سورتیں بھی پڑھ لی جائیں (٩٦)۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:٤، ص:١٥٢، ط، مکتبہ لدھیانوی)

---

(٩٦): عن ابن عباسؓ: ان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يقرأ فى صلاة الفجر يوم الجمعة:=

جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیدل

سوال: جمعہ پڑھنے کے لئے موٹر سائیکل، کار، یا کسی دوسری سواری پر سوار ہو کر آنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فاصلہ قریب ہو اور ہمت ہو تو پیدل چل کر آنا افضل ہے۔

ولابأس بالركوب للجمعة والعيدين والمشى افضل اهـ. [خلاصة الفتاوى، ج: ١، ص: ٢١١] فقط والله اعلم۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ٩٩، ط، مكتبه امداديه ملتان)

ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی ''قنوت نازلہ'' پڑھ سکتے ہیں

سوال: قنوت نازلہ کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے یا نہیں، جمعہ کی نماز میں پڑھے یا نہ، اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آمین بالجہر کہنا کیسا ہے؟

الجواب: قنوت نازلہ صبح کے علاوہ دوسری جہری نمازوں میں حتیٰ کہ جمعہ میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

=تنزيل السجدة و هل اتىٰ على الانسان حين من الدهر. وفى البذل تحت هذا الحديث: ومذهب الحنفية فى ذلك ما قاله فى الدر المختار وحاشيته: ويكره التعيين ''كالسجدة'' و ''هل اتىٰ'' لصبح كل يوم جمعة، لأن الشارع اذا لم يعين عليه شيئاً تيسيراً عليه كرهه أن يعين، وعلله فى الهداية بقوله: لما فيه من هجر الباقى، وايهام التفضيل بل يندب قراء تهما احياناً وفى فتح القدير: لأن مقتضىٰ الدليل عدم المداومة، لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحياناً تبركاً بالمأثور، فان لزوم الايهام ينتفى بالترك أحياناً، ولذا قالوا: السنة أن يقرأ فى ركعتى الفجر بالكافرون والاخلاص، انتهىٰ. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الجمعة، باب مايقرأ فى صلاة الصبح يوم الجمعة، ج: ٥، ص: ٧٨، ٨٠، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

كما فی الدرالمختار ولايقنت فی غيره الا النازلة فيقنت الامام فی الجهرية وقيل فی الكل. [ج: ۱، ص: ۴۷۱]

البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آمین کہلوانا ٹھیک نہیں، امام جہر سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۶۹، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

جمعہ اور نماز کے بعد اجتماعی دعا نہ کروانا کیسا ہے؟

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں نماز کے بعد امام صاحب اجتماعی دعا نہیں کراتے، نہ ہی جمعہ کی نماز کے بعد ایسا کرتے ہیں، اس حوالے سے بتائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: جن مشائخ کو ہم نے دیکھا ہے، وہ فرض کے بعد مختصر دُعا کرتے تھے، اور حضرت مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اس پر ''النفائس المرغوبہ'' کے نام سے رسالہ بھی لکھا ہے جو الگ بھی چھپا تھا، اور ان کی کتاب ''کفایت المفتی'' میں بھی شامل ہے، اس کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ: ۲۷۸ کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۴،ص:۱۵۳، ط، مکتبہ لدھیانوی)

جمعہ کے روز مروجہ دعاء کا حکم

سوال: ہماری مسجد محلّہ میں ہمیشہ پنجوقتہ تو نہیں خاص جمعہ کے روز یہ دستور قرار پاچکا ہے کہ پیش امام بعد ادائے سنن ونوافل ختم نماز پرٹھیرا رہتا ہے جب سب نمازی فارغ ہوجاتے ہیں سب ملکر دعا کرتے ہیں اگر اس کے خلاف ہوجائے تو اس پر اعتراض بھی ہوتا ہے اس مسئلہ میں حکم شرع لطیف کیا ہے؟

الجواب: تخصیص عام اور تقیید مطلق ایک حکم ہے اور ہر حکم کیلئے دلیل شرط ہے اور اس تخصیص وتقیید مذکور فی السوال کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کی مشروعیت کا اعتقاد اور اس سے بڑھ کر لزوم کا اعتقاد یا عمل اختراع واحداث فی الدین ہے(۹۷) اور ایک بار دعاء کرنا جو کہ منقول بھی ہے(۹۸) مگر بلا تاکد خود اس کے تاکد کا

---

(۹۷):عن سعد بن ابراهيم سمع القاسم قال: سمعت عائشةؓ تقول: قال رسول=

اعتقاد احداث ہے لیکن چونکہ مشاہدہ ہے کہ اس کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو قرینہ ہے عدم اعتقاد تاکد کا اس کے اس پر دوام کی اجازت دی جاتی ہے بخلاف عمل مذکور فی السوال کے کما ذکر فافترق۔ واللہ اعلم۔ (امداد الفتاوی، ج:۳،ص:۱۳۰، ط، زکریا بک ڈپو الہند)

=**اللّٰہ ﷺ: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد.** (مسند احمد بن حنبل، ص:١٨٩٨، رقم الحديث:٢٥٩٨٦)

(٩٨):عن أبى أمامة رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال: قيل: يا رسول اللّٰه ﷺ! أى الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (جامع الترمذى، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، ص: ٧٩٨، رقم: ٣٤٩٩)

عن ورّاد كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملى على المغيرة بن شعبة فى كتاب معاوية أن النبى ﷺ يقول فى دبر كل صلاة مكتوبة: لا اله الا اللّٰه وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد، وهو على كل شئ قدير، اللّٰهم لامانع لما أعطيت ولامعطى لما منعت، ولاينفع ذا الجد منک الجد. (الصحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، ص: ١٦٨، رقم: ٨٤٤، ط، دار السلام رياض)

عن معاذ بن جبل رضى اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه ﷺ أخذ بيده وقال: يامعاذ! واللّٰه انى لأحبک، فقال: أوصيک يامعاذ! لاتدعن فى دبر كل صلاة تقول: اللّٰهم أعنى على ذكرک وشكرک وحسن عبادتک. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب فى الاستغفار، ص: ٢٢٥، رقم: ١٥٢٢، ط، دار السلام رياض)

عن العرباض بن سارية رضى اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة.الخ. (المعجم الكبير للطبرانى، ج: ١٨، ص: ٢٥٩، رقم: ٦٤٧، ط، دار أحياء التراث العربى بيروت لبنان)

جمعہ کے سلام کے بعد دعاء مختصر ہو یا لمبی

سوال: بعض خطیبوں کی عادت ہوتی مطول دعاء مانگتے ہیں، کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہئے یا لمبی شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام مختصر دعاء مانگے۔[كذافی الشامية ج:۱،ص: ۴۹۴] فقط واللہ اعلم۔(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۱۰۴، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا

سوال: کیا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے، خدام الدّین میں مندرجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی رو سے جمعہ کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے احادیث:

(۱): عن ابی هريرةؓ قال سمعت رسول الله يقول لايصوم من احدكم يوم الجمعة الا يوماً قبله او بعده.

(۲): وعن محمد بن عباد قال سألت جابراً أ نهى النبیﷺ عن صوم الجمعة قال نعم. [بخاری و مسلم]

مولانا مفتی کفایت اللہؒ نے رسالہ تعلیم الاسلام میں جمعہ کے دن کو افضل قرار دیا ہے۔۹ ذی الحجہ کو اگر جمعہ آجاوے تو کیا مندرجہ بالا احادیث کی رو سے یہ روزہ رکھنا بھی ممنوع ہوگا؟

الجواب: صرف ایک روزہ جمعہ کے دن کا رکھنا جائز ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں **نهى عن افراد صوم يوم الجمعة** تنزیہی ہے۔[کمافی فتح الملہم ج:۳،ص:۱۵۵] **وذهب الجمهور الى ان النهى فيه للتنزيه وعن مالك وابى حنيفة لايكره.** البتہ احتیاط اس میں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں:

كما فى التجنيس عن أبى يوسف فكان الاحتياط ان يضم اليه يوماً آخر. (فتح الملهم، ج: ۳، ص: ۱۵۵) یوم جمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رو سے اس کو غیر حاجی کے

لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہہ روزہ رکھنا جائز ہے۔فقط واللہ اعلم۔(خیر الفتاوی، ج:۳،ص:۱۱۶، ط، مکتبہ امدادیہ ملتان)

جمعہ اور جنازہ اکٹھے ہو جائیں تو پہلے کسے ادا کیا جائے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ فرض کفایہ فرض عین کے وقت میں جمع ہوئے ہیں، کس صلاۃ کو پہلے ادا کرنا چاہیے اور جمعہ کی اذان بھی ہو چکی ہے جمعہ پڑھتے وقت دیر ہو جائے گی، اس لیے پہلے جنازہ پڑھائی گئی ہے۔بینوا توجروا

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! شرعاً نماز جنازہ کی تعجیل مندوب اور مطلوب ہے حدیث شریف میں وارد ہے: **ثلاث لایؤخرن (وعدمنها) الجنازة اذا حضرت (الحديث)**. لہٰذا اگر نماز جنازہ نماز جمعہ سے پہلے ادا کی جائے تو بہتر ہے، مصلحت کی خاطر (مثلاً تکثیر جماعت) نماز جنازہ فرض عین سے مؤخر کی جائے تو بھی جائز ہے(۹۹)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۲۹۷، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور)

جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائیں

سوال: ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں۔

ويكبرون عقيب الجمعة اهـ. [خلاصة الفتاوى، ج: ١، ص: ٢١٦]۔ (خير الفتاوى، ج: ٣، ص: ١٠٩، ط، مكتبه امداديه ملتان)

---

(۹۹): ولو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة ودفنه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة، ولو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه يؤخر الدفن.

(البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بالصلاته، ج: ٢، ص: ٣٣٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم

سوال: بعض سائلین جمعہ کی نماز کے فوراً بعد سوال کرنا شروع کردیتے ہیں۔ کیا ان سائلین کو کچھ دینا جائز ہے یا ان کو سوال سے روکا جائے؟

الجواب: سائل اگر واقعی ضرورت مند ہو پیشہ ور نہ ہو اور کسی مجبوری کے تحت سوال کر رہا ہو اور نمازیوں کو پریشان نہ کرے مانگنے میں حد سے تجاوز نہ کرے تو سوال کی گنجائش ہے اور دینا بھی درست ہے۔ **المختار ان السائل اذا کان لایمر بین یدی المصلی ولا یتخطی رقاب الناس ولایسأل الناس الحافاً ویسأل مالابد منه لابأس بالسوأل والاعطاء اھ.** [مجموعة الفتاوی ص: ۲۱۲] فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی، ج: ۹۸، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

جمعۃ المبارک کہنا کیسا ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ لفظ جمعہ سے ساتھ بعض لوگ ''المبارک'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے جمعۃ المبارک کہتے ہیں، از روئے شرع اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجرا

الجواب وباللہ التوفیق: لفظ جمعہ کے ساتھ المبارک کا لفظ شامل کرکے جمعۃ المبارک کہنا صحیح اور درست ہے، حدیث پاک کے اندر آیا ہے کہ جن ایام میں سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے خیر وبرکت کا دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن جنت سے نکالا گیا، اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

عن أبی هریرةؓ، عن النبی ﷺ قال: خیر یوم طلعت فیه الشمس یوم الجمعة، فیه خلق آدم، وفیه أدخل الجنة، وفیه أخرج منها، ولاتقوم الساعة الا فی یوم الجمعة. (ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب فضل یوم الجمعة، النسخة الهندیة ۱/ ۱۱۰، دار

السلام)...الخ۔ (فتاوی قاسمیہ، ج: ۹، ص: ۸۴، ۸۵، ط، مکتبہ اشرفیہ دیو بند)

کیا جمعہ کے دن کام کاج کی چھٹی کرنا بدعت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید مدارس اسلامیہ اور اسلامی تعلیمی درسگاہوں میں تعطیل یوم الجمعۃ کا قائل ہے اور کہتا کہ علماء سلف اور خلف کا اس پر اختلاف نہیں خواہ غیر مقلدین یا مقلدین ائمہ اربعہ دیو بندی، بریلوی ہوں یا اہل شیعہ ہوں ان کا اجماع ہے اور بکر سب کی تغلیظ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بدعت ہے کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ اور صحابہ کے زمانہ اور تابعین اور تبع تابعین اور مجتہدین کے زمانے میں مروج نہ تھا بلکہ گورنمنٹ برطانیہ نے اپنے اقتدار کے دور میں روسی لیبر پارٹی کے انقلاب سے متاثر ہوتے ہوئے ایک دن کی تعطیل مقرر کی ہے اور مولوی لوگوں نے پھر اس جمعہ کے دن کی تعطیل کو اس سے لیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!** واضح رہے کہ بدعت شرعاً اس کو کہتے ہیں کہ کسی ایسے کام کو عبادت سمجھ کر کیا جائے جس کا شرعاً عبادت ہونا ثابت نہ ہو۔ **کما فی الحدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد او کما قال علیه السلام.** لہٰذا کسی کام کو اگر کیا جائے اور اسے عبادت یعنی کار ثواب سمجھ کر نہ کیا جائے تو شرعاً بدعت نہیں کہا جاتا۔ مثلاً لاریوں اور ریلوں کا سفر بدعت شرعاً نہیں ہے اگر چہ نبی کریم ﷺ نیز قرون مشہود لھا بالخیر میں اس قسم کے سفر کا کوئی نام ونشان نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کے سفر کو تو کوئی عبادت کی غرض سے مقصود سمجھ کر نہیں کرتا اسی طرح مدارس عربیہ کا موجودہ نہج اور طرز پر اجراء اگر چہ قرون ثلثہ کے بعد کا ہی ایجاد ہے مگر چونکہ مقصود دین کی تعلیم وتبلیغ ہے موجودہ زمانہ میں مدارس کا موجودہ طریقہ اس مقصود کی آسانی کا سبب بنتا ہے اس لیے ان کا اجراء کیا جاتا ہے نہ یہ کہ ایسے طرز ہی کو مقصود اور عبادت سمجھ کر ہی کیا جاتا ہے ورنہ یہ بھی بدعت بن جائے گا۔

اس تمہید کے بعد سمجھ لینا چاہئے کہ مسئلہ متنازعہ فیہ میں زید اگر تعطیل یوم جمعہ کا عبادت سمجھ کر قائل ہے تو یہ بدعت اور ناجائز ہے اور اگر زید تعطیل یوم الجمعۃ کا عبادت سمجھ کر قائل نہیں ہے بلکہ یوں قول کرتا ہے کہ سلف

وخلف علماء کرام کی یہ عادت چلی آرہی ہے اوران کا یہ عرف چلا آیا ہے کہ جمعہ کے دن مدارس میں تدریس کی چھٹی ہوتی ہے اوراسباق بند ہوتے ہیں اوراس عادت کو قبیح اور شنیع سمجھتا ہے اوراس کوانگریزوں یا دیگر کافروں اورمشرک قوموں کی تقلید گردانتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ انگریزوں کی تقلید اورروسی لیبر پارٹی کے انقلاب کا یہ جمعہ کی تعطیل اثر ہے۔ علماء سلف میں جمعہ کی تعطیل کا رواج بالکل نہ تھا لہٰذا یہ بدعت اور گناہ ہے، اگر نزاع اس نوعیت کا ہے تو زید حق پر ہے اور بکر باطل ہے، کیونکہ ہمارے متقدمین اورسلف صالحین جواس روسی انقلاب گورنمنٹ برطانیہ کے دور سے پہلے گزر چکے ہیں ان سے جمعہ کی تعطیل مدارس میں ثابت ہے بلکہ بعض کے ہاں تو ہفتہ میں دودنوں منگل اور جمعہ کی تعطیل کا عام رواج تھا تو وہ علماء کی جمعہ کی تعطیل کوانگریزوں کی تقلید کہتا ہے، حقیقت میں علماء سلف کی عادت کی پیروی ہے اور چونکہ اسے عبادت نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ استراحت یا مطالعہ یا دیگرامور ضروریہ کے لیے جمعہ کی تعطیل مناتے ہیں لہٰذا یہ بدعت نہ کہلائے گا، چندوہ حوالے پیش کیے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلاف میں جمعہ بلکہ منگل رمضان اورعیدین کی تعطیل کا عام رواج تھا۔ قال فی الدرالمختار: وھل یاخذ ایام البطانة کعید ورمضان لم اره وینبغی الحاقة ببطالة القاضی واختلفوا فیھا والاصح انه یاخذ لانھا للاستراحة اشباه من قاعدة العادة محکمة وسیجئ ما لو غاب فلیحفظ وقال الشامیؒ تحته: (قوله وینبغی الحاقة ببطالة القاضی الخ) قال فی الاشباه وقد اختلفوا (الی ان قال) ان یاخذ ویصرف اجر ھذین الیومین الی مصارف المدرسة من المرمة وغیرھا بخلاف ما اذا لم یقدر لکل یوم مبلغا فانه یحل له الاخذ وان لم یدرس فیھما للعرف بخلاف غیرھما من ایام الاسبوع حیث لایحل له اخذ الاجر عن یوم لم یدرس فیه مطلقاً سواء قدر له اجر کل یوم اولا الخ۔ قلت ھذا ظاھر فیما اذا قدر لکل یوم درس فیه مبلغاً اما لو قال یعطی المدرس کل یوم کذا فینبغی ان یعطی لیوم البطالة المتعارفة ما ذکره فی مقابله من البناء علی العرف فحیث کانت البطالة معروفة فی یوم الثلاثاء والجمعة وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ..الخ.

ہاں اگر یہ طے کرلیا جائے کہ جمعہ کے دن بھی پڑھانا ہوگا اوراس پر درس لگ جائے تب اس کو جمعہ

کے دن بھی پڑھنا ضروری ہے اور اگر یہ شرط نہیں کر چکا تھا تب بمطابق عرف ورواج جمعہ کو پڑھانا لازم نہ ہوگا۔
(فتاوی مفتی محمودؒ، ج:۲،ص:۲۴۷تا۲۶۷، ط، اشتیاق اے مشتاق لاہور)

جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا

سوال: کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک تاخیر کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: سنت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے، اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلافِ سنت ہے۔ لہٰذا جتنے حاضرین جمع ہوں مل کر جنازہ پڑھ لیں، ہاں اگر تدفین میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں۔

وكره تاخير صلاته ودفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة الا اذا خيف فوتها بسبب دفنه اهـ. [درمختار]

(قوله الا اذا خيف الخ) فيؤخر الدفن وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة والجنازة على الخطبة اهـ. [شامی، ج: ۱، ص: ۸۳۳] فقط واللّٰه اعلم۔ (خير الفتاوى، ج: ۳، ص: ۱۱۱، ط، مكتبه امداديه ملتان)

مأخذ ومراجع

١)۔ **تفسیر ابن کثیر**. للحافظ أبی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقیؒ۔

٢)۔ **معارف القرآن**. للمفتی محمد شفیعؒ۔

٣)۔ **الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور**. لجلال الدین السیوطیؒ۔

٤)۔ **صحیح البخاری**. للامام أبی عبداللّٰہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفیؒ۔

٥)۔ **صحیح المسلم**. للامام أبی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوریؒ۔

٦)۔ **سنن نسائی**.للامام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائیؒ۔

٧)۔ **سنن أبی داؤد**. للامام أبی داؤد سلیمان بن الأشعث بن اسحاق الازدی السجستانیؒ۔

٨)۔ **جامع الترمذی**.للامام أبی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ۔

٩)۔ **سنن ابن ماجة**. للامام أبی عبداللّٰہ محمد بن یزید ابن ماجه القزوینیؒ۔

١٠)۔ **مسند احمد**.للامام احمد بن حنبلؒ۔

١١)۔ **المعجم الکبیرللطبرانی**. للحافظ أبی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ۔

١٢)۔ **مشکوة المصابیح**.للعلامة محمد بن عبداللّٰہ الخطیب التبریزیؒ۔

١٣)۔ **عمدة القاری**.للعلامة بدرالدین أبی محمد محمود بن أحمد العینی الحنفیؒ۔

١٤)۔ **فتح الباری**.للحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ۔

١٥)۔ **شرح صحیح البخاری لابن بطال**.للعلامة أبی الحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبیؒ۔

١٦)۔ **الکوکب الدراری**.للعلامة محمد بن یوسف بن علی الکرمانی ثم البغدادیؒ۔

١٧)۔ **الفجر الساطع علی الصحیح الجامع**.للعلامة الفضیل بن الفاطمی الشبیهی المالکیؒ۔

١٨)۔ **منحة الملک الجلیل، شرح صحیح محمد بن اسماعیل**. للعلامة عبدالعزیز بن

عبدالله الراجحی۔

١٩)۔ **فیض الباری علی صحیح البخاری**.للامام العصر العلامة محمد انور الکشمیریؒ۔

٢٠)۔ **تقریر بخاری**. لشیخ الحدیث محمد زکریا الکاندھلویؒ۔

٢١)۔ **تحفة القاری**. لشیخ الحدیث سعید احمد پالنپوریؒ۔

٢٢)۔ **انعام الباری**.لشیخ الاسلام العلامة محمد تقی العثمانی۔

٢٣)۔ **نصر الباری**.للعلامة محمد عثمان غنی۔

٢٤)۔ **الخیر الجاری شرح صحیح البخاری**. للعلامة محمد ادریس الکاندھلویؒ۔

٢٥)۔ **فتح المنعم شرح صحیح مسلم**. للعلامة موسیٰ شاهین لاشین۔

٢٦)۔ **موسوعة فتح الملهم**.لشیخ الاسلام العلامة شبیر احمد العثمانیؒ۔

٢٧)۔ **تحفة المنعم شرح مسلم**. للمولانا فضل محمد۔

٢٨)۔ **بذل المجهود فيحل سنن أبي داؤد**. للعلامة خلیل احمد السهانفوریؒ۔

٢٩)۔ **الدرالمنضود علی سنن أبی داؤد**. للمولانا محمد عاقلؒ۔

٣٠)۔ **الفضل العبود**. لشیخ الحدیث مولانا منظور احمد۔

٣١)۔ **فلاح بهود**. للمولانا محمد حنیف الکنکوهی۔

٣٢)۔ **الکوکب الدری علی جامع الترمذی**.للعلامة رشید أحمد الکنکوهیؒ۔

٣٣)۔ **معارف السنن شرح جامع الترمذی**. للعلامة السید محمد یوسف البنوریؒ۔

٣٤)۔ **تحفة الالمعی شرح سنن الترمذی**. لشیخ الحدیث العلامة سعید احمد پالنپوریؒ۔

٣٥)۔ **درس ترمذی**.لشیخ الاسلام العلامة محمد تقی العثمانی۔

٣٦)۔ **تشریحات الترمذی**. للمولانا کما الدین المسترشد۔

٣٧)۔ **اوجزالمسالک الیٰ مؤطا امام مالک**. لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا الکاندھلویؒ

٣٨)۔ **امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار**. للعلامة محمد یوسف الکاندھلویؒ۔

٣٩)۔ **مرقاة المفاتیح**. للعلامة الشیخ علی بن سلطان محمد القاریؒ۔

٤٠)۔ **درس مشکوة**.لشیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق۔

٤١)۔ **ایضاح المشکوة.للمولانا محمد رفیق المھروی.**

٤٢)۔ **توضیحات**.للمولانا فضل محمد۔

٤٣)۔ **المصنف لعبدالرزاق**.للحافظ الکبیر أبی بکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانیؒ۔

٤٤)۔ **اعلاء السنن**. للعلامة ظفر احمد العثمانی التھانویؒ۔

٤٥)۔ **آثار السنن** . للعلامة محمد بن سبحان علی النیمویؒ۔

٤٦)۔ **جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم**. للعلامة زین الدین أبی الفرج عبدالرحمٰن بن شھاب الدین الشھیر بابن رجبؒ۔

٤٧)۔ **گلدستہ احادیث**. للمفتی محمد شفیق۔

٤٨)۔ **الھدایة**. للامام برھان الدین أبی الحسن علی بن أبی بکر المرغینانیؒ۔

٤٩)۔ **کنز الدقائق. للامام عبداللّٰہ بن أحمد بن محمود النسفیؒ.**

٥٠)۔ **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**. للعلامة علاء الدین أبی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ۔

٥١)۔ **ردالمحتار**.للعلامة محمد امین بن عمر عابدین الشھیر بابن عابدینؒ۔

٥٢)۔ **الدرالمختار**. للعلامة محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن الحنفی الحصکفیؒ۔

٥٣)۔ **ملتقی الابحر**. للعلامة ابراھیم بن محمد بن ابراھیم الحلبیؒ۔

٥٤)۔ **مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر**.للعلامة عبدالرحمٰن بن محمد الکلیبولیؒ۔

٥٥)۔ **حلبی کبیر**.للعلامة ابراھیم بن محمد بن ابراھیم الحلبیؒ۔

٥٦)۔ **سكب الانهر**. للعلامة محمد بن على بن محمد بن على بن عبدالرحمٰن الحنفى الحصكفىؒ۔

٥٧)۔ **تحفة الفقهاء**. للعلامة علاء الدين محمد بن أحمد بن أبى أحمد السمرقندىؒ۔

٥٨)۔ **البحر الرائق**. للعلامة زين الدين بن ابراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصرى الحنفىؒ۔

٥٩)۔ **نهر الفائق**. للعلامة سراج الدين عمر بن ابراهيم ابن نجيمؒ۔

٦٠)۔ **المحيط البرهانى**. للعلامة ابى المعالى محمود بن احمد بن مازةؒ۔

٦١)۔ **الفتاوى العالمكيريه**. للجنة من علماء الهند۔

٦٢)۔ **شرح مختصر الطحاوى**. للعلامة ابى بكر الرازى الجصاص الحنفىؒ۔

٦٣)۔ **اللباب فى شرح الكتاب**. للعلامة عبدالغنى الغنيمى الميدانى الدمشقى الحنفىؒ۔

٦٤)۔ **حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح**. للعلامة سيد احمد الطحطاوىؒ.

٦٥)۔ **مراقى الفلاح**. للعلامة حسن بن عمار بن على الشرنبلالى الحنفىؒ۔

٦٦)۔ **الهدية العلائية لتلامذ المكاتب الابتدائية**. للعلامة علاء الدين بن محمد أمين عابدين الدمشقى الحنفىؒ۔

٦٧)۔ **المهذب فى الفقه الشافعى**.للعلامة ابى اسحاق الشيرازىؒ۔

٦٨)۔ **النجم الوهاج فى شرح المهاج**. للعلامة كمال الدين أبى البقاء محمد بن موسى بن عيسى الدميرىؒ۔

٦٩)۔ **العزيز شرح الوجير المعروف بالشرح الكبير**. للعلامة أبى القاسم عبدالكريم بن محمد الرافعى القزوينى الشافعىؒ۔

٧٠)۔ **فتاوى رشيديه**. للعلامة رشيد احمد الكنكوهىؒ۔

٧١)۔ **فتاوى خليله**. للعلامة خليل احمد السهارنفورىؒ۔

٧٢)۔ **امداد الفتاوی**. لحکیم الامت محمد اشرف علی التھانویؒ۔

٧٣)۔ **عزیز الفتاوی**.للمفتی عزیز الرحمٰن الدیوبندیؒ۔

٧٤)۔ **فتاوی دار العلوم دیوبند**. للمفتی عزیز الرحمٰن الدیوبندیؒ۔

٧٥)۔ **کفایة المفتی**. للمفتی کفایت اللّٰہ الدھلویؒ۔

٧٦)۔ **امداد الاحکام**. للعلامة ظفر احمد العثمانی التھانویؒ۔

٧٧)۔ **امداد المفتین**. للمفتی محمد شفیعؒ۔

٧٨)۔ **فتاوی محمودیه**. للمفتی محمود حسن الکنکوھیؒ۔

٧٩)۔ **فتاوی مفتی محمودؒ**. للمفتی محمودؒ۔

٨٠)۔ **فتاوی قاسمیة**. للمفتی محمد شبیر القاسمی۔

٨١)۔ **فتاوی حقانیه**. لشیخ الحدیث عبدالحق الحقانیؒ۔

٨٢)۔ **فتاوی دار العلوم زکریا**. للمفتی رضاء الحق۔

٨٣)۔ **فتاوی رحیمیه**. للمفتی عبدالرحیم اللاجفوریؒ۔

٨٤)۔ **نجم الفتاوی**. لشیخ الحدیث نجم الحسن الامروھوی۔

٨٥)۔ **خیر الفتاوی**. لشیخ الحدیث خیر محمد الجالندھریؒ۔

٨٦)۔ **فتاوی فریدیه**. للمفتی محمد فریدؒ۔

٨٧)۔ **فتاوی عثمانی**. للمفتی محمد تقی العثمانی۔

٨٨)۔ **احسن الفتاوی**. للعلامة رشید احمد اللدھیانویؒ۔

٨٩)۔ **منتخبات نظام الفتاوی**. للعلامة نظام الدین الاعظمیؒ۔

٩٠)۔ **آپ کے مسائل اور ان کاحل**. للمولانا محمد یوسف الدھیانویؒ۔

٩١)۔ **فتاوی بینات**. للجنة من علماء جامعه علوم اسلامیة۔

٩٢)۔ **فتاوی دینیه**. للمفتی اسماعیل الکشھولوی۔

٩٣)۔ **محمود الفتاوى**. للمفتى احمد الخانفورى۔

٩٤)۔ **معين الفتاوى**. لشيخ الحديث مولانا محمود حسن الهزارویؒ۔

٩٥)۔ **فتاوى عثمانيه**. للمفتى غلام الرحمٰن۔

٩٦)۔ **كتاب الفتاوى**. للمولانا خالد سيف اللّٰه رحمانى۔

٩٧)۔ **ارشاد المفتين**. للمفتى حميد اللّٰه جانؒ۔

٩٨)۔ **ايضاح المسائل**. للمفتى محمد شبير القاسمى۔

٩٩)۔ **عمدة الفقه**. للمولانا السيد زورا حسينؒ۔

١٠٠)۔ **قاموس الفقه**. للمولانا خالد سيف اللّٰه رحمانى۔

١٠١)۔ **مسائل رفعت قاسمى**. للمولانا محمد رفعت قاسمى۔

١٠٢)۔ **كتاب النوازل**. للمفتى محمد سلمان المنصورفورى۔

١٠٣)۔ **كتاب المسائل**. للمفتى محمد سلمان المنصورفورى۔

١٠٤)۔ **المسائل المهمة فيما ابتلت به العامة**. للمفتى محمد جعفر الملى الرحمانى۔

١٠٥)۔ **معدن الحقائق** .للمولانا محمد حنيف الگنگوهى۔

١٠٦)۔ **نوارد الحقائق**. للمفتى ابو عمار عبدالمالك۔

١٠٧)۔ **انوار القدورى**. للمفتى وسيم احمد القاسمى۔

١٠٨)۔ **كشف الاسرار**. للمفتى محمد ظفير الدين المفتاحى۔

١٠٩)۔ **شفاء الارواح**. للمولانا محمد رفيق السورتى۔

١١٠)۔ **اصول الافتاء وآدابه**. لشيخ الاسلام محمد تقى العثمانى۔

١١١)۔ **مكتوبات امام ربانى**. للعلامة الشيخ احمد سرهندیؒ۔

١١٢)۔ **فيروز اللغات**. للمولانا فيروز الدينؒ۔

(مؤلف کی دیگر کتب ورسائل)

(۱) فتاوی رشیدیہ پر دو جلدوں میں جدید مطول حاشیہ

(۲) پھلوں کی خرید وفروخت کے شرعی احکام

(۳) **ردالھماھم علی حسن العمائم کطلوع الغمائم**

(٤) سید البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلسلۂ نسب کی مدلل تحقیق

(٥) **الرسالۃ العالیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ**

(٦) **القول التمام فی رد من قال خلاف الامام**

(۷) تبلیغی جماعت علمائے عرب وعجم کے آئینہ میں

(۸) معدنیات کا شرعی حکم

(۹) اجرت تراویح کا شرعی حکم

(۱۰) نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟

(۱۱) روزہ کی حالت میں انجکشن لگانے کا شرعی حکم

(۱۲) بالوں کے شرعی احکام